Marfat.com

Marfat.com

218681

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جدید دنیا کے مسائل

اور

تصوف

غوث سیوانی

عرشیہ پبلی کیشنز دہلی ۹۵

Marfat.com

۲۹۷۶۴۱

۱۱۷۸۸۱

غوث سیوانی

نامِ کتاب : جدید دنیا کے مسائل اور تصوف

مصنف : غوث سیوانی

ناشر : خسرو وژن

زیرِ اہتمام : عرشیہ پبلی کیشنز

اشاعت : 2012ء

مطبع : ایچ ایس آفسیٹ پرنٹرس، دہلی

قیمت : /225 روپے

اس کتاب کے حقوق محفوظ نہیں ہیں۔ اگر کوئی تصوف کی اشاعت کے لئے جزوی یا کلی طور پر شائع کرنا چاہے یا ویڈیو آڈیو بنانا چاہے تو اجازت ہے، بشرطیکہ صحتِ کتابت وحسنِ طباعت کا خیال رکھے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اشاعت سے قبل مصنف کو آگاہ کرے۔

Marfat.com

DISTRIBUTER

arshia publicatins

A-170,GROND FLOOR,3,SURYA APARTMENT

DILSHAD COLONY, DELHI-110095

MOB:09899706640,09971775969

EMAIL:arshiapuplicationspvt@gmail.com

Marfat.com

(17)	محبت کیسے؟	54
(18)	خدمتِ خلق سے محبت پھیلتی ہے	57
(19)	مذہب، بھائی چارے میں رکاوٹ نہیں	59
(20)	انسان محبت کا خوگر ہے	63
(21)	نفرت کا علاج	65
(22)	**حقوق انسانی اور تصوف**	**69**
(23)	حقوقِ انسانی کیا ہیں؟	69
(24)	حقوقِ انسانی کے ادارے	70
(25)	حقوقِ انسانی کی ضرورت	71
(26)	حقوقِ انسانی اور عالمی برادری	72
(27)	انسانی حقوق کی پامالی عہدِ حاضر میں	73
(28)	حقوقِ انسانی کی پامالی معاشرے میں	74
(29)	سرکاری تشدد اور حقوقِ انسانی	78
(30)	سماجی تشدد اور حقوقِ انسانی	81
(31)	حقوقِ انسانی اور جرائم کے اعداد وشمار	83
(32)	حقوقِ انسانی کی نام پر بے اعتدالیاں	87
(33)	حقوقِ انسانی میں صوفیہ کے نظریات	88
(34)	بچوں کے حقوق صوفیہ کی نظر میں	90
(35)	بیٹیوں کے حقوق	94
(36)	والدین کے حقوق	96
(37)	بیویوں کے حقوق	98

Marfat.com

(38)	نوکروں اور غلاموں کے حقوق	99
(39)	دوستوں کے حقوق	102
(40)	آدمی کے آدمی پر حقوق	108
(41)	اللہ کے بندوں کو ایذا	111
(42)	عوام کے حقوق کی پامالی	112
(43)	حقوقِ انسانی کی پامالی کیوں؟	113
(44)	**دہشت گردی کے خاتمے میں تصوف کا کردار**	**117**
(45)	دہشت گردی تاریخ کے آئینے میں	117
(46)	دہشت گردی موجودہ دور میں	119
47)	دہشت گردی کی جڑ اسرائیل	120
(48)	وسائل پر قبضہ کی دہشت گردی	121
(49)	مصر اور ترکی میں سازشوں کا جال	122
(50)	سعودی عرب محفوظ کیوں؟	122
(51)	اصل دہشت گرد کون؟	123
(52)	دہشت کی ڈرون	123
(53)	جابر حکمرانوں کی دہشت گردی	124
(54)	دہشت گردی کی ایک قسم یہ بھی ہے	125
(55)	کس کے پاس کتنے ہلاکت خیز ہتھیار	125
(56)	دنیا کی تباہی کا انتظام	127
(57)	سماجی دہشت گردی	128
(58)	دہشت گردی قیامت کی علامت	129

Marfat.com

(59)	جیو اور جینے دو	130
(60)	انسانی جان کے احترام کی تعلیم	131
(61)	کسی کو تکلیف نہ دو	133
(62)	ظلم کی ممانعت	136
(63)	جانوروں کی جانوں کا احترام	138
(64)	**بدعنوانی کے خاتمے میں تصوف کا کردار**	**143**
(65)	بدعنوانی ایک عالمی مسئلہ	145
(66)	آزاد بھارت میں بدعنوانی کی تاریخ	145
(67)	گھوٹالے اور رشوت کا عادی ملک	147
(68)	بدعنوان کو سزا نہیں	148
(69)	غریبوں کے ملک میں عیش و عشرت	149
(70)	بدعنوانی کا سبب تصوف کی نظر میں	150
(71)	بدعنوانی کا علاج، تصوف	152
(72)	حلال و حرام کا فرق	155
(73)	حکمراں کیسا ہو؟	156
(74)	حکمرانی کی شرطیں	163
(75)	صوفیانہ تربیت کے اثرات	165
(76)	دولت سے خوشی نہیں ملتی	168
(77)	زندگی انمول ہے	171
(78)	**دنیا کا معاشی نظام اور تصوف**	**175**
(79)	عالمی معیشت کی صورت حال	176

Marfat.com

(80)	قبضہ کرو، تحریک	178
(81)	کیپٹلزم، سوشلزم اور صوفی ازم	179
(82)	دولت کی نامناسب تقسیم	182
(83)	سود پر مبنی معیشت اور اس کے نقصانات	183
(84)	معیشت اور تصوف	188
(85)	حلال وحرام کا تصور	192
(86)	جی ڈی پی اور صوفیہ	194
(87)	سود صوفیہ کی نظر میں	196
(88)	ذخیرہ اندوزی	198
(89)	معاملات میں دھوکہ نہ ہو	200
(90)	معاملات میں احسان	202
(91)	**تصوف اور تعمیرِ سیرت**	**205**
(92)	علم وعمل	207
(93)	صحبت کا اثر	209
(94)	وقت کو غنیمت جانو	211
(95)	زیادہ بولنا	213
(96)	زندگی میں توازن	214
(97)	کم ظرفی اچھی بات نہیں	215
(98)	تاکہ شرمندگی نہ ہو	216
(99)	اپنی چیز، اپنی ہے	216
(100)	نفس پر قابو	217

Marfat.com

(101)	آدمی وہی ہے	220
(102)	غصہ سے بچو	220
(103)	حسد کی خرابی	223
(104)	عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک	225
(105)	گالی گلوج	227
(106)	غرور	228
(107)	غیبت	230
(108)	نشہ خوری	231
(109)	تحفظِ ماحولیات	233
(110)	کر بھلا تو، ہو بھلا	234
(111)	**تصوف نصابِ تعلیم میں**	**239**
(112)	عہدِ حاضر میں تعلیم کا مطلب	240
(113)	پڑھے لکھے جاہل	241
(114)	علم کا بیجا استعمال	241
(115)	تصوف کی نظر میں علم کا مطلب	242
(116)	بُرے علماء	245
(117)	صوفیہ کا صنعتی انقلاب	246
(118)	علم کا مطلب تعمیر یا تخریب	248
(119)	تعلیم بھلائی کے لئے	249
(120)	مشرق روحانیت کا گہوارہ	249
(121)	تصوف نصاب تعلیم میں، ہزار سال تک	251

Marfat.com

(122)	نصابِ تعلیم سے تصوف کا اخراج	252
(123)	اہلِ مدارس کا اخلاقی زوال اور اس کا علاج	253
(124)	تصوف کی تعلیم دل بدل سکتی ہے	255
(125)	آخری بات	257
(126)	**ذہنی تناؤ کا علاج، تصوف**	**259**
(127)	ڈپریشن کے شکار مریضوں کے اعداد و شمار	260
(128)	ڈپریشن سے بچاؤ کی صوفیانہ تدبیریں	263
(129)	تسلیم ورضا، ڈپریشن سے بچاتے ہیں	268
(130)	دل انسان کا سرمایہ	271
(131)	دل کا سکون اللہ کے ذکر میں ہے	273
(132)	مالک کی محبت میں جان دینا	277

○○○

Marfat.com

بچھڑ گیا ہوں مگر قافلے سے دور نہیں
یہ خاک قافلۂ رفتگاں سے دور نہیں
زمیں سے دور نہیں آسماں سے دور نہیں
حریمِ غیب بھی کون و مکاں سے دور نہیں
فراقؔ

Marfat.com

جدید دنیا کے مسائل اور تصوف

صبح کا سہانا وقت تھا۔ سورج نے دھیرے سے پورب کی اوٹ سے اپنا سر نکالا، اور آہستہ آہستہ اوپر کی طرف بڑھنے لگا۔ میں سورج مکھی کے کھیتوں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ سورج مکھی کے بڑے بڑے پھول، زعفرانی مائل زرد لباس پہنے، سورج کی طرف منہ کئے کھڑے مسکرا رہے تھے۔ اس دلفریب منظر نے میرے دل کو موہ لیا۔ میں بیخودی میں گنگنانے لگا۔۔

خرامِ جلوہ کے نقشِ قدم تھے لالہ وگل
کچھ اور اس کے سوا موسمِ بہار نہ تھا

یہاں ٹھہر کر کچھ وقت گزارنا چاہتا تھا مگر جلدی میں تھا اس لئے آگے بڑھ گیا۔۔۔ شام کو دانستہ طور پر پھر اسی راستے سے واپس ہوا تا کہ ایک بار پھر وہی من موہک دِرشیہ دیکھ سکوں۔۔۔

Marfat.com

اب بھی پھول کھلے ہوئے تھے۔اب بھی ان کا رنگ ویسا ہی دلکش تھا مگر اب ان کا رُخ پورب کے بجائے پچھّم کی طرف تھا۔ میرے قدم رک گئے۔ میں ایک پگڈنڈی پر کھڑا سوچنے لگا کہ ان پھولوں کا رخ صبح کو پورب کی طرف تھا، اب پچھّم کی طرف کیوں ہے؟ پھر بات سمجھ میں آ گئی۔۔۔ ان پھولوں کو سورج مکھی کہتے ہی اِس لئے ہیں کہ ان کا مکھ سورج کی اُور ہوتا ہے۔ جب صبح کو سورج مشرق کی طرف تھا تو اِن کا رخ بھی مشرق کی طرف تھا اور اب، جب شام کو مغرب کی طرف ہے تو ان کا رخ بھی مغرب کی طرف ہو گیا ہے۔۔۔سورج مکھی کو توانائی سورج سے ملتی ہے۔ان پھولوں کی انرجی (ENERGY) کا مرکز آفتاب ہے لہٰذا ان کا رخ بھی اپنے مرکز کی طرف ہوتا ہے۔۔ میں سوچتا ہوا آگے بڑھنے لگا، کہ ہمیں توانائی کہاں سے ملتی ہے؟ انسان کی انرجی کا مرکز کہاں ہے؟ ہمارا POWER HOUSE کدھر ہے؟ ظاہر ہے اگر ہمیں کوئی توانائی فراہم کرنے والا ہے تو ہمارا رخ بھی اسی کی جانب ہونا چاہئے۔توانائی کے مرکز سے اپنے رخ کو پھیر لینا کسی بھی طرح نامناسب ہے۔

ہمیں توانائی کہاں سے ملتی ہے؟ ہمارے جسم میں انرجی کون بھرتا ہے؟ ہمارے جسمانی اور روحانی نظام کی گاڑی کس ایندھن سے چلتی ہے؟ اس قسم کے سوالوں کے جواب میرے خیال سے بیشتر لوگوں کی جانکاری میں ہیں۔انھیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ کائنات اور تمام مخلوقات کی توانائی کا مرکز بس ایک ہے۔اسے پکارنے والے خواہ کسی نام سے پکاریں مگر صاحبِ نام ایک ہے۔وہی سب کا پالنہار ہے۔وہی سب کا اَن داتا ہے۔وہی سب کا سہارا ہے۔اسی کی مرضی سے نظام کائنات رواں دواں ہے۔لیکن سوال یہ ہے کہ جب ہم جانتے ہیں کہ ہمارا مرکز کہاں ہے؟ اور ہمارا رخ کدھر ہونا چاہیے پھر بھی ہم کیوں اپنے مرکز کی طرف پیٹھ کئے کھڑے ہیں؟ ہم سے بہتر تو سورج مکھی کے پھول ہیں جو کسی بھی حال میں اپنے مرکز سے منہ نہیں پھیرتے۔

جس کا رُخ سورج کی طرف ہو، اس کی پرچھائیں پیچھے پڑتی ہے اور جس کی پیٹھ سورج

Marfat.com

کی طرف ہو اُس کا سایہ سامنے پڑتا ہے۔ایسا انسان خود اپنے سایے میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔صوفیہ کی جماعت وہ مقدس جماعت ہے جس کا رخ اپنے مرکز کی طرف ہے۔جس نے اپنے مرکز سے توانائی حاصل کی۔ جسے سچائی کا اجالا ملا اور ایسا اجالا ملا، جس نے ایک کائنات کو منور کیا۔رشد و ہدایت کی روشنی پھیلائی۔ان اللہ والوں کا گروہ ساری دنیا میں سچائی کی روشنی پھیلانے کا ذریعہ بنا۔جہاں جہاں اُن کے قدم پڑے دلوں کے ویرانے میں بہار آ گئی۔جنھوں نے بھی سچے مذہب کو اپنایا، مذہب کی روح تک رسائی حاصل کی اور اپنے خالق و مالک کا عرفان پایا۔اس کے احکام کو دل کی گہرائیوں سے قبول کیا، وہ زندگی کے اصلی لطف سے ہم کنار ہوئے۔

یا مجھ کو ترا حسن نہ بھایا ہوتا
یا ہر رگ و پے میں تو سمایا ہوتا
یا دل ہی میں جلوہ گر اگر ہونا تھا
ہر جزو بدن کو دل بنایا ہوتا

انسان ہے تو انسانی سماج ہے۔انسانی سماج ہے تو مسائل ہیں۔مسائل ہیں تو انکا حل بھی ہے، البتہ یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ یہ مسائل کیوں ہیں اور ان کا صحیح حل کیا ہے؟ جس طرح ہر بیماری کا ایک علاج ہے مگر علاج تک پہونچنے کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح ہر مسئلے کا ایک حل موجود ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اس حل تک پہونچا جائے۔عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ انسان ایک مسئلے کے حل کے لئے ایسے راستے پر چل پڑتا ہے، جو دوسرے مسائل کے دروازے تک پہونچا دیتا ہے، پھر ان مسائل کی گتھیاں سلجھانے میں کچھ اور مسائل سامنے کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے، چار دن کی عمر دراز تمام ہو جاتی ہے، آرزو اور انتظار کا سلسلہ چلتا رہتا ہے مگر مسائل اپنے انجام کو نہیں پہونچتے۔ایک لا متناہی تسلسل، ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ آخر کار زندگی کے ساتھ اپنے انجام کو پہونچ جاتا ہے۔مگر ذرا رک جایئے۔۔۔ٹھہر کر سوچئے۔۔۔ کیا واقعی یہ سلسلہ ختم ہو گیا؟ کون جانے یہ انجام تک پہونچا، یا آخرت کی جاودانی زندگی کے ساتھ

Marfat.com

کسی دوسرے انداز میں شروع ہوگیا۔موت ،زندگی کا اختتام ہے کیا؟ کہنے والے تو اپنے دل کو سکون دینے کے لئے کہہ سکتے ہیں۔

بھلا ہوا موری مٹکی پھوٹی ری
میں تو پنیا بھرن سے چھوٹی ری

مگر کیا ضروری ہے کہ مٹکی پھوٹنے کے بعد 'پنیا بھرن' سے نجات مل جائے۔اب پانی بھرنے کی ڈیوٹی اوراس کی مزدوری کا بھی تو حساب ہوسکتا ہے۔اگر ایسا ہوگیا تو شاید ہم اپنی ڈیوٹی میں کوتاہی کے مجرم قرار پائیں اور یہ بھی الزام ہمارے سر آئے کہ ہم اپنی مزدوری سے زیادہ معاوضہ وصول کر چکے ہیں۔جب ایسے حالات سے ہم دوچار ہونگے تو پھر کچھ مسائل ہمارے سامنے ہونگے۔تب وقت نکل چکا ہوگا انھیں سلجھانے کا۔گیا وقت دوبارہ ہاتھ نہیں آتا۔

دراصل مسائل ہماری زندگی کا حصہ ہیں اور یہ زندگی کبھی ختم نہیں ہوتی۔جسم لطیف ہمیشہ باقی رہتا ہے۔موت تو جسم کثیف کو آتی ہے،جس کی زندگی بس ساٹھ،ستر یا سو سال کی ہوتی ہے۔ہم کبھی ظاہری زندگی جیتے ہیں اور کبھی وہ زندگی جس سے ہم آخرت میں روبرو ہوتے ہیں۔ جسم لطیف ہمیشگی کے لئے ہے۔روح جاودانی ہے۔آتما امر ہے۔جسم مرتا ہے،روح نہیں مرتی۔ جسم کے مرنے سے پہلے اگر ہم نے تمام مسائل پر قابو پالیا تو ہم آخرت میں مسائل سے نجات پالیں گے اور اگر جسم کی موت سے قبل مسائل پر قابو نہ پاسکے تو ہمیں ایک بار پھر مسائل گھیرے ہونگے۔

غم سے گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے
مر کے بھی چین نی پایا تو کدھر جائیں گے

انسانی مسائل کی سب سے بڑی وجہ انسان کی خوابیدگی ہے۔انسان حقیقت سے غافل ہے کیونکہ وہ نیند میں ہے۔بہت گہری نیند سو رہا ہے۔ایک آدمی سویا ہو تو اسے کچھ پتہ نہیں ہوتا۔وہ کیا ہے؟ وہ ہے بھی یا نہیں؟ اسکا وجود کس لئے ہے؟ وہ کہاں ہے؟ دنیا کیا ہے؟ یہاں کیا ہو رہا

Marfat.com

ہے؟ آس پاس کے حالات کیا ہیں؟ نیند کیا ہے اور بیداری کیا ہے؟ نینداور بیداری کا پتہ بھی اسے تب چلتا ہے، جب وہ بیدار ہو جائے۔آج کا انسان سو رہا ہے۔اس لئے اسے پتہ نہیں کہ نیند کیا ہے اور بیداری کیا ہے؟ اسے پتہ نہیں کہ زندگی کیا ہے اور جینے کا مقصد کیا ہے؟ اسے معلوم نہیں کہ دنیا کیا ہے اور ہم دنیا میں کس لئے آئے ہیں؟ ہماری نیند جسمانی نہیں روحانی ہے۔جسم کو بیدار کرنا آسان ہے مگر روح کو بیدار کرنا آسان نہیں۔جسم سوتا ہے تو ایک دو آوازوں سے بیدار ہو جاتا ہے مگر جب روحِ انسانی سوتی ہے تو بہت گہری نیند سوتی ہے۔اسے بیدار کرنے کے لئے صبح کا اجالا کافی نہیں ہوتا، ایک دو آوازیں کافی نہیں ہوتیں بلکہ اسکے لئے کسی طوفان کی ضرورت ہوتی ہے۔ بجلی کی گھن گرج چاہئے ہوتی ہے۔اتنی کوشش کے بعد کچھ روحیں تو جاگ اٹھتی ہیں مگر کچھ روحیں پھر بھی بیدار نہیں ہوتیں۔آج کا سماج سو رہا ہے، بہت گہری نیند سو رہا ہے۔وہ اپنے آس پاس سے بے خبر ہے اسے یہ نہیں پتہ کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ وہ یہ نہیں جانتا کہ زندگی کیا ہے اور کس لئے ہے؟ وہ یہ نہیں جانتا کہ خواب اور بیداری کیا ہے؟ سماج کے سوئے ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے گردوپیش کے حالات پر کبھی ردعمل کا اظہار نہیں کرتا۔جو کچھ ہو رہا ہے اس پر ری ایکشن نہیں دیتا۔ جو ہوتا ہے ہونے دو، اسے تو بس اپنی نیند پیاری ہے۔ بیدار سماج کبھی جنگ برداشت نہیں کرتا، دہشت گردی برداشت نہیں کرتا، کرپشن برداشت نہیں کرتا، ظلم و ناانصافی برداشت نہیں کرتا، حقوقِ انسانی کی خلاف ورزی برداشت نہیں کرتا۔ بیدار سماج تشدد کے خلاف آواز اٹھاتا ہے، عدم مساوات کے خلاف آواز اٹھاتا ہے، بدعنوانی کے خلاف آواز اٹھاتا ہے۔ جگا ہوا انسان ایٹم بم نہیں بناتا، ہیروشیما اور ناگاساکی کو خاک وخون میں غلطاں نہیں کرتا، عراق وافغانستان کو لہولہان نہیں کرتا۔اگر انسان بیدار ہو چکا ہوتا تو وہ تھوڑے سے دنیاوی مفاد پر آخرت کے بے پناہ فائدے کو قربان نہیں کرتا۔ سماج ابھی سو رہا ہے، اسے نہیں معلوم کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ جب وہ جاگ اٹھے گا تو اسے محسوس ہوگا کہ وہ کیا کر رہا تھا اور اسے کیا کرنا چاہئے تھا۔سونے والے کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کیا کر رہا تھا اور اسے کیا کرنا چاہئے تھا۔ نیند کیا ہے اس کا احساس بھی جاگنے کے بعد ہی

Marfat.com

ہوتا ہے۔ یہ نیند کبھی نہ کبھی تو ختم ضرور ہوگی، خواہ کسی کے جگانے سے ٹوٹے یا خود بخود ہی پوری ہو جانے کے بعد سونے والے بیدار ہو جائیں۔

ستاروں سے الجھتا جا رہا ہوں
شبِ فرقت بہت گھبرا رہا ہوں

ویسے سماج کی نیند اتنی حیرت انگیز نہیں جتنی کہ جگانے والوں کی غیر موجودگی حیرت انگیز ہے۔ آج سماج کو جگانے والے موجود نہیں ہیں۔ کوئی اسے بیدار کرنے والا نہیں ہے، جنھیں جگانے کا کام کرنا چاہئے وہ بھی سونے والوں کے ساتھ خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں۔ مسجدوں کے میناروں سے بلند ہونے والی اذان کی آوازیں بیداری کا پیغام دیتی ہیں، مگر جب موذن ہی سو رہا ہو تو کون سونے والوں کو بیدار کرے؟ اہل خانقاہ نے ہمیشہ سونے والوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے، مگر آج انھیں کی اولاد کو سجادہ نشینی کی جنگ سے فرصت نہیں۔ پیری، مریدی کے سلسلے انکے لئے محض ایک خاندانی صنعت بن کر رہ گئے ہیں۔ تصوف اک رسم بن کر رہ گیا ہے، جو حقیقت سے کوسوں دور ہے، جنھیں 'جاگتے رہو' کی صدا لگانی چاہیے جب وہی سو جائیں تو سونے والوں کو کون بیدار کرے؟ دیکھئے آگے کیا ہوتا ہے؟ یہ معاشرہ کیسے جاگتا ہے؟

سماج کو نیند سے بیدار کرنے والے ہر دور میں کم کم ہوتے ہیں، مگر انکی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ کم ہونے کے باوجود دنیا کو بیدار کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ چند لوگ ساری دنیا کو بیدار کرنے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ یہ بھی ہمارے سماج سے ہوتے ہیں، خود بیدار ہوتے ہیں اور دنیا کو بیدار کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جب سماج کو بیدار کرنے کی کوشش ہوتی ہے تو یہ سویا ہوا سماج اپنی نیند میں خلل برداشت نہیں کرتا، نیند سے مدہوش سماج کو نیند پیاری ہوتی ہے، کیونکہ اس حالت میں اسے دنیا اور اس کے مسائل کی خبر نہیں ہوتی۔ وہ نیند میں ہی رہنا چاہتا ہے۔ وہ جاگنا نہیں چاہتا۔ جگانے والا کبھی کھڑکی کے پردے ہٹا کر دن کی روشنی کو سونے والوں کی آنکھوں اور چہروں پہ ڈالتا ہے، تو کبھی ہولے ہولے سے ہلا کر اور آواز دے کر نیند تو ڑوانے کی کوشش کرتا

Marfat.com

ہے، مگر نیند کی خوگر روحیں اسے پسند نہیں کرتیں کہ کوئی انھیں بیدار کرے۔ تاریکیوں کی عادی آنکھیں، اجالوں کو دیکھنا نہیں چاہتیں۔ انھیں تو بس اندھیرے کی عادت ہوتی ہے۔ وہ اندھیرا ہی پسند کرتی ہیں انھیں اجالوں سے نفرت ہوتی ہے۔ اسی لئے جگانے والوں کی مخالفت بھی ہوتی ہے۔ یہ مخالفت کبھی کبھی بڑے پیمانے پر ہونے لگتی ہے۔ کیونکہ سونے والے اپنی نیند میں کسی قسم کا خلل پسند نہیں کرتے۔ وہ جگانے والے کو کبھی سولی پر چڑھا دیتے ہیں تو کبھی سنگسار کر دیتے ہیں۔ کبھی زہر کے پیالے پینے پر مجبور کرتے ہیں تو کبھی سماج ان کا بائیکاٹ کر دیتا ہے۔ کبھی زندگی تنگ کر دی جاتی ہے تو کبھی انکی گردنیں اڑا دی جاتی ہیں۔ ذرا سوچئے منصور اور سرمد کا قصور کیا تھا؟ سوائے اسکے کہ وہ جاگے ہوئے انسان تھے اور لوگوں کو بیدار کرنا چاہتے تھے۔ شمس تبریزی کی جان لینے کی سازشیں کیوں کی گئیں؟ اس کے علاوہ ان کا قصور کیا تھا کہ محبت کا جواب محبت سے دیا تھا۔ نظام الدین اولیاء پر زندگی تنگ کیوں کی گئی؟ ان کا قصور اس کے علاوہ کیا تھا کہ انھوں نے خوابیدہ سماج کو بیدار کرنے کی کوشش کی تھی۔ نصیر الدین چراغ دہلی کا گناہ کیا تھا کہ انھیں شاہی محلوں میں محصور کرنے کی کوشش کی گئی؟ یہی نا کہ وہ ستم کی کالی راتوں میں چراغ بن کر اجالا پھیلا رہے تھے۔ شیخ سرہندی کا قصور کیا تھا کہ انھیں قہر جہانگیری کا شکار ہونا پڑا؟ یہی نا کہ وہ چھوٹی خدائی کے سامنے سجدہ ریز ہونے کو تیار نہیں تھے اور خود سوئے ہوئے سماج کا حصہ نہیں بننا چاہتے تھے اور خوابیدہ سماج یہ پسند نہیں کرتا۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمی احرار

بیدار کرنے والے تو ہر دور میں مطعون کئے جاتے ہیں، مصائب و آلام کا شکار ہوتے ہیں، مگر ان کا حوصلہ پھر بھی قائم رہتا ہے۔ سولی پر چڑھ کر اگر بیداری آئے تو وہ تیار رہتے ہیں، زیر خنجر گلا رکھ کر بیداری کا پیغام عام ہو جائے تو وہ اس سے گریز نہیں کرتے۔ سنگسار کئے جاتے ہیں، پتھروں کی بارشیں ہوتی ہیں، ظلم و ستم کی قیامتیں توڑی جاتی ہیں، مگر وہ اپنے مقصد سے باز نہیں

Marfat.com

آتے، اپنے مشن سے گریز نہیں کرتے۔ تاریخ گواہ ہے کہ کسی کو آرے سے چیرا گیا تو کسی کو مچھلی کے پیٹ میں جانا پڑا، کسی کو اپنے بچے کی قربانی دینی پڑی تو کسی کو گھربار چھوڑنا پڑا، لیکن بیدار کرنے والے پھر بھی اپنے مشن سے دور نہیں ہوئے۔

حسن کی کم نہ ہوئی گرمیِ بازار ہنوز
نقدِ جاں تک لئے پھرتے ہیں خریدار ہنوز

آج کی دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ یہی نیند ہے۔ دنیا سو رہی ہے۔ سماج خواب میں گم ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ یہاں کیا ہو رہا ہے؟ گزشتہ سو سال میں چھوٹی بڑی سینکڑوں جنگیں ہوئیں، لاکھوں جانیں ضائع ہوئیں، یہ لڑائیاں نیند کی علامت ہیں۔ روحانی طور پر بیدار انسان لڑائی نہیں کرتا۔ خالق کی یہ سرزمین خون انسانی سے بار بار سرخ ہوئی، کیونکہ انسانی سماج جگا نہیں تھا، اگر وہ جاگ رہا ہوتا تو ایسی غیر انسانی حرکتیں نہیں کرتا۔ قدم قدم پر ہونے والے دہشت گردانہ واقعات نے دنیا کو درندوں کی جگہ ثابت کیا، مگر انسان سویا رہا، اس نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ کرپشن اور لوٹ کھسوٹ نے لوگوں کی زندگی اجیرن کردی مگر وہ سویا رہا۔ اخلاقی برائیوں نے دنیا کو اپنی لپیٹ میں لئے رکھا مگر وہ بیدار نہیں ہوا، کیونکہ اسکی نیند گہری تھی۔ اس کے مسائل اپنی جگہ برقرار رہے کیونکہ وہ سویا رہا۔ اگر وہ جاگ جاتا تو اپنے مسائل کو سمجھتا اور ان کے حل ڈھونڈنے کی کوشش بھی کرتا مگر وہ بیدار نہیں ہوا۔

یہ میٹھی نیند، یہ کیف آفریں سکونِ بدن
شمیمِ بزم کی یہ لوریاں، یہ خوابِ چمن

کوئی یہ نہ سمجھے کہ انسان جو چل پھر رہا ہے، وہ نیند میں کیسے ہے؟ جو اپنی ضرورتیں پوری کر رہا ہے وہ سویا ہوا کیسے ہے؟ انسان تو نیند میں بھی بڑبڑاتا ہے، بعض لوگ نیند میں چلتے بھی ہیں تو کیا انھیں بیدار مان لیا جائے؟ آج کے انسان کی حالت بھی کچھ ایسی ہی ہے کہ وہ نیند میں چل پھر رہا ہے، وہ نیند میں گفتگو کر رہا ہے، وہ نیند میں محبت اور نفرت کے جذبات کا اظہار کر رہا

Marfat.com

ہے۔ وہ نیند میں ہے اس لئے اپنے مسائل سے بے خبر ہے، انکے حل سے ناواقف ہے۔ایک شرابی بھی چلتا ہے، گانے گاتا ہے، ہنستا بولتا ہے، مگر اسے تو کوئی ذی ہوش نہیں کہتا؟ اسے کوئی خرد والا نہیں کہتا؟ پھر نیند میں چلنے پھرنے والے انسان کو کیسے بیدار کہا جاسکتا ہے؟

ہمارے بیشتر مسائل کی بنیاد ہماری نیند ہے اور ان کا حل ہماری بیداری میں پنہاں ہے۔ دیکھئے ہم کب جگتے ہیں؟ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ کبھی بیدار نہ ہونگے۔ بیدار تو ضرور ہونگے، جلد یا بدیر۔ یہ نیند ہے، موت نہیں۔اسلئے ایک دن ختم ضرور ہوگی۔ البتہ کیسے ختم ہوگی؟ یہ سوال قابلِ غور ہے۔

صوفیہ کی جماعت، بیدار افراد کی جماعت ہے۔ یہ ان لوگوں کی جماعت ہے، جنھوں نے اپنے خالق و مالک کو پہچاننے کی کوشش کی اور تمام انسانوں کو اس کے عرفان کی طرف بلایا۔ انھوں نے زندگی اور زندگی کے مقصد کو پہچانا اور دوسروں کو بھی اسکی دعوت دی۔ہم سو رہے ہیں، کیونکہ ہم مقصدِ زندگی سے غافل ہیں، لیکن صوفیہ کی تعلیمات میں آج بھی وہ طاقت ہے، جو ہمارے اندر بیداری کی روح پھونک سکتی ہے۔خوابیدہ انسانیت کو جگا سکتی ہے۔سونے والے غافل انسانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرسکتی ہے۔ ہمارے دور میں مسائل کی بھرمار ہے، مگر تصوف میں تمام مسائل کا حل موجود ہے۔آج جن مسئلوں سے دنیا دوچار ہے، ان میں سب سے اہم ہیں، سماجی تشدد، باہمی منافرت، دہشت گردی، عدم مساوات، حقوقِ انسانی کی پامالی، دولت اور انسانی وسائل کی نامنصفانہ تقسیم، قلبی و ذہنی سکون کی کمی، اخلاقی خرابیاں اور ان کے دم سے پیدا ہونے والے مسائل۔تصوف کی یہ خوبی ہے کہ یہ ہر عہد کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ یہ افراد اور جماعت دونوں کے مسائل حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔مثال کے طور پر دور جانے کی ضرورت نہیں، آپ کشمیر کو دیکھ سکتے ہیں۔ یہ تغلق عہد تک ایک پسماندہ علاقہ تھا۔ اسکی پسماندگی صرف معاشیات تک محدود نہیں تھی، بلکہ یہ مذہبی، سماجی، علمی اور فکری اعتبار سے بھی ایک پسماندہ خطہ تھا۔شرک و بت پرستی عام تھی، جس کے سبب خدا کے سوا سب کا خوف انسان کے دل میں موجود

Marfat.com

تھا۔دریا کی روانی،موجوں کی طغیانی، پہاڑوں کی بلندی، پتھروں کی سختی،درختوں کی ہریالی، پودوں کی شادابی سب اس کے جبینِ شوق کے مسجود تھے۔اگر کوئی ذات ان کے جذبۂ عبودیت سے دور تھی تو وہ وحدہٗ لاشریک کی ذات تھی۔آدمی ،آدمی کے ظلم سے پریشان تھا اور آواز اٹھانے کی ہمت سے بھی محروم تھا۔یہاں ستی جیسی ظالمانہ رسم عام تھی۔صنعت وحرفت جو،اب اس وادی کی پہچان بن چکے ہیں،انکا نام ونشان تک نہ تھا۔ایسے میں ایک خدارسیدہ صوفی حضرت شرف الدین بلال شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے قدم اس سرزمین پر پڑے۔وادی کی فضا نعرہ توحید سے گونج اٹھی۔ چراغِ معرفت سے دلوں کے چراغ جل اٹھے اور رشدوہدایت کی قندیلوں نے جہالت وجاہلیت کے اندھیروں کو دور کردیا۔حضرت شاہ ہمدان سیدعلی ہمدانی نے سات سو بیدار انسانوں کے قافلے کے ساتھ وادی میں قدم رکھا۔اچانک ماحول بدلنے لگا۔خوابیدہ انسانیت انگڑائیاں لے کر بیدار ہونے لگی۔جوخود جاگ اٹھے انھوں نے دوسروں کو بھی جگایا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا سماج جاگ اٹھا۔معاشرہ بیدار ہوگیا۔انسانوں کو اب اپنے مسائل نظر آنے لگے اور ان کے حل بھی سمجھ میں آنے لگے،کیونکہ تصوف دنیا کے ہر مسئلے کا حل پیش کرتا ہے۔

دے رہا ہے عہدِ رفتہ آج بھی اپنا نشاں
آج بھی خاکسترِ ماضی سے اٹھتا ہے دھواں

تصوف کو آج ایک قصۂ پارینہ کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ماضی کی داستان سمجھا جاتا ہے۔اسے بس کتابوں کی بات سمجھا جاتا ہے،جوعملی طور پر ممکن نہیں۔پریکٹیکل میں اسے برتا نہیں جا سکتا۔حالانکہ یہ خیال سراسر غلط ہے اور ہماری لاعلمی کا نتیجہ ہے۔تصوف کی معنویت آج بھی برقرار ہے۔ضرورت اسے سمجھنے کی ہے۔ضرورت اسے کتابوں سے باہر نکالنے کی ہے۔تقریبا ایک ہزار سال تک تصوف عالم اسلام کے نصابِ تعلیم کا حصہ رہا ہے۔تب انسانی اخلاقیات پر اس کا زبردست اثر بھی مرتب ہوتا تھا مگر رفتہ رفتہ اسے نہ صرف نصاب تعلیم سے الگ کیا گیا بلکہ اس کے اثرات کو ذہنوں سے بھی کھرچ کر مٹا دینے کی کوشش شروع ہوئی۔اسکولوں کو تو چھوڑیے،

11781

Marfat.com

مدرسوں نے بھی اسے اپنے نصاب میں شامل کرنے سے انکار کر دیا۔ جو علم ایک ہزار سال تک اسلام کی روشنی پھیلاتا رہا، کفر وشرک کے اندھیرے دور کرتا رہا، لاکھوں، کروڑوں ظلمت کے شکار دلوں کو توحید کے نور سے منور کرتا رہا وہی اچانک شرک قرار پایا۔ یہ صوفیہ ہی تھے، جن کے دم قدم سے برصغیر میں اسلام کا آفاقی پیغام پھیلا، مگر انھیں شرک وبدعت کا مبلغ قرار دیا گیا۔ جن لوگوں نے صوفیہ کے دستِ حق پرست پہ اسلام قبول کیا تھا، انھیں کی اولاد نے اپنے محسنوں کو بدعت گر قرار دیا۔ یہ ستم اگر یہیں تک محدود رہتا تو بھی ایک بات تھی، تصوف پر ایک بڑا ظلم خود تصوف کے نام پر ہوا۔ صوفیہ کے نام لیواؤں نے کیا، جنھوں نے اسے روزگار کا ذریعہ بنایا اور اسے بدنام کرنے میں کوئی کور کسر نہیں چھوڑی۔ مزارات اولیاء، جو لاکھوں خوش عقیدہ دلوں کے مرکز تھے، انھیں مادہ پرست عناصر نے اپنی کالی کمائی کا ذریعہ بنایا۔ آج مزارات اولیاء کے ایسے خدام بھی ہیں جن پر چوری، چھنتائی، غنڈہ گردی، قتل اور عصمت دری کے مقدمات چل رہے ہیں۔ ان کے علاوہ وہ دنیا دار پیر بھی تصوف کی تجارت میں پیش پیش ہیں، جو تصوف کی 'ت' سے بھی واقف نہیں مگر پیری مریدی کی دکانیں چلا کر بھولے بھالے عوام کو ٹھگ رہے ہیں۔ خانقاہیں جہاں دِلوں کو پاکیزگی بخشی جاتی تھی اور بڑے بڑے دنیادار بھی آکر مادہ پرستی کی کثافت سے پاک ہو جاتے تھے، اب صرف مالی منفعت کے لئے قائم ہورہی ہیں اور اسی لئے سجادہ نشینی کی جنگوں کی آماجگاہ بھی ہیں، ان کی حیثیت اب شورموں (SHOW ROOMS) سے زیادہ نہیں رہی۔

مریدِ سادہ تو رو رو کے ہوگیا تائب
خدا کرے کہ ملے پیر کو بھی یہ توفیق

تصوف جو ایک خالص روحانی تحریک تھی اسے ایک صنعت کا روپ دے دیا گیا۔ مغرب جو ہر جگہ دولت کمانے کے راستے تلاش کرتا ہے، اس نے اس سے اکتسابِ زر کے مختلف طریقے ڈھونڈ لئے ہیں۔ کہیں صوفیانہ گانے گائے جا رہے ہیں تو کہیں صوفیانہ ڈانس ہو رہے ہیں۔ کہیں فیشن شوز ہو رہے ہیں تو کہیں کسی اور طریقے سے تصوف کے نام کو بدنام کرنے کی

Marfat.com

کوششیں ہورہی ہیں۔ ان سوقیانہ افعال کا صوفیانہ اعمال سے کیا تعلق؟ آج تصوف کی اصل تعلیمات، خرافات میں گم ہوتی جارہی ہیں لہٰذا اس کی شدید ضرورت ہے کہ لوگوں کو حقیقی تصوف سے آگاہ کیا جائے اور اس کی معنویت کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق پیش کیا جائے۔

خوشی کی بات ہے کہ آج کے مشینی دور میں انسان ایک بار پھر تصوف اور روحانیت کی طرف دھیرے دھیرے لوٹ رہا ہے۔ آج کی دنیا انسان کو سب کچھ دے سکتی ہے مگر ذہنی اور قلبی سکون نہیں دے سکتی۔ قلبی سکون تو اسے تصوف ہی دے سکتا ہے۔ خصوصی طور پر میں نے تصوف میں غیر مسلم بھائیوں کی گہری دلچسپی محسوس کی ہے۔ وہ خواجہ معین الدین چشتی، قطب الدین بختیار کا کی، نظام الدین اولیاء، نصیرالدین چراغ دہلی، بندہ نواز گیسودراز، مخدوم شرف الدین یحیٰ منیری، مخدوم اشرف جہانگیر، حاجی وارث علی شاہ اور دیگر بزرگوں کے آستانوں پر آتے ہیں مگر انھیں کبھی ان کے پیغامات کی جانکاری نہیں مل پاتی۔ حالانکہ وہ ان صوفیہ کی تعلیمات سے آگاہی چاہتے ہیں۔ انکے اندر ایک بے قراری موجود ہے، مگر اسے قرار دینے والے نہیں۔ تصوف میں وہ طاقت ہے کہ اگر اسے صحیح صورت میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا جائے تو کوئی بھی اس کے اثر سے بچ نہ پائے۔

اسلامی تاریخ کے ایک ہزار سال سے زیادہ تصوف کے ہیں۔ اِس دور میں اسے خوب پذیرائی حاصل ہوئی اور تصوف کو ساری دنیا میں پھیلنے کا موقع ملا۔ اس دوران یہ پورے عالم اسلام کے نصابِ تعلیم کا سب سے اہم حصہ رہا۔ پورے عالمِ اسلام میں اس کی درس وتدریس ہوتی رہی، کتابیں لکھی جاتی رہیں، تحقیق وتدوین کا کام ہوتا رہااور تحریر وتقریر نیز تبلیغ کے ذریعے اس کی اشاعت ہوتی رہی۔ اس کی اشاعت کا سب سے بڑا کارنامہ خود صوفیہ کرام نے اپنے کردار وعمل سے انجام دیا۔ تصوف میں جو جذب وکشش ہے، اس نے ایک عالم کو گرویدہ کیا۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ تقریباً دوصدی قبل پہلی بار تصوف کی مخالفت خود مسلمانوں کے ایک حلقے میں شروع ہوئی جو آج تک جاری ہے۔ اس تحریک نے عوام وخواص میں تصوف کے تعلق سے کئی غلط فہمیاں پیدا کیں تو

Marfat.com

دوسری طرف خود تصوف کے نام لیواؤں کے کردار وعمل نے بھی کچھ غلط پیغام لوگوں میں عام کیے۔ تصوف کو جتنا نقصان اس کے مخالفین نے پہنچایا اس سے زیادہ اس کے نادان دوستوں نے پہنچایا۔

آج کے سماج کو تصوف کی زیادہ ضرورت ہے، کیونکہ آج کی دنیا بہت سے مسائل سے دوچار ہے، اور اس کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ ہم اپنے مرکز کی طرف پیٹھ کیے ہوئے ہیں۔ ہم اپنی پرچھائیوں سے الجھ رہے ہیں۔ ہماری نگاہوں سے حقانیت کے اجالے پوشیدہ ہیں۔ ان تمام مسائل کا حل صرف ایک ہے کہ ہم اپنے مرکز کی طرف پیٹھ کے بجائے چہرہ کرلیں، جیسا کہ حضرات صوفیہ کرام نے کیا۔ حق وباطل اس دنیا کی سچائی ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ حق کو پانے کے لئے اس کی طرف رخ ہونا ضروری ہے۔ اگر انسان کو اندھیرے کی عادت پڑ جائے تو اسے اندھیرے میں ہی رہنا اچھا لگتا ہے۔ وہ اجالے سے بھاگنے لگتا ہے۔ مثال کے طور پر سویت یونین میں تقریباً ستّر سال تک لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ اِس دنیا کا کوئی بنانے والا نہیں، یہ خود بہ خود وجود میں آگئی ہے۔ اس کے نظام کو چلانے والا بھی کوئی نہیں، خود بہ خود یہاں سب کچھ ہو رہا ہے۔ سورج، چاند، ستارے، سیارے اپنے آپ ہی اپنے محور میں رواں دواں ہیں۔ خدا و رسول، جنت ودوزخ، عذاب وثواب، روح وآتما کا کوئی وجود نہیں۔ یہ سب انسانی وہم ہے، اندھ وشواس ہے۔ مذہب تو افیم کی گولی ہے جو انسان کے ذہن کو مفلوج کر کے رکھ دیتا ہے۔ ستّر سال میں کروڑوں لوگ اس بات سے متفق ہوگئے۔ انھوں نے مان لیا کہ اس نظام کائنات کو چلانے والا کوئی نہیں۔ سچ پوچھو تو یہ اُن لوگوں کی جماعت تھی جو اجالے سے کوسوں دور ہوگئے تھے۔ جو اندھیرے کے عادی ہوگئے تھے۔ جن کی نگاہیں حقانیت کے اجالوں کو دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتی تھیں۔ ستّر سال تک انھیں اندھیرے میں رکھا گیا تھا۔ حالانکہ یہ وہ سرزمین تھی جہاں سے کبھی روحانیت کا سورج طلوع ہوا تھا۔ جس کی مٹی سے بڑے بڑے صوفیاء، اولیاء، علماء، مفسرین اور محدثین کا خمیر اٹھا تھا۔ اس سرزمین کو کسی دور میں مرکزِ علوم ربّانی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اگر انسان کے رخ کو مرکز کی طرف سے پھیر دیا جائے تو یہی ہوتا ہے کہ وہ سچائی سے دور ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

ہم بھی ایک اندھیرے میں مبتلا ہیں۔ گو یہ اندھیرا سویت یونین کے کمیونسٹ اندھیرے جیسا نہیں مگر ہے بہر حال اندھیرا۔ ہم اندر کے اندھیرے میں گرفتار ہیں، جو ایک روپے کی موم بتی سے دور نہیں ہوتا۔ مذہب پر ایمانداری سے عمل انسان کو دنیا و آخرت کی بے پناہ مسرتوں سے ہم کنار کرتا ہے۔ اس دنیا میں سب سے خوش وہی تھے جنھوں نے سچے مذہب کو اپنایا۔ یہ مذہب خدا کی معرفت کا تھا۔ جنھوں نے اپنایا ان پر مسرتوں کی بارش ہوئی۔ وہ ہر طرح کے مسائل سے بے نیاز ہو گئے۔ دنیا کے لئے مشعلِ راہ بنے۔ گو آج ہمیں ایسے لوگ نظر نہیں آتے مگر ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کی یہ کائنات اس کے نیک بندوں سے خالی ہے۔ ویسے صوفیہ کی کتابیں، ان کے ملفوظات و مکتوبات اور ان کے نشاناتِ قدم آج بھی انسانیت کی رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔ آج دنیا کے سامنے بے شمار مسائل منہ کھولے کھڑے ہیں۔ ڈھونڈا جائے تو ان مسائل کا حل اہل تصوف کے نظریات کی روشنی میں مل جائے گا۔ ع

نشاں کو چھوڑتا ہوں اہلِ کارواں کے لئے

اگر ہم اپنے مسائل کا حل چاہتے ہیں تو ہمیں سچا مذہبی بننا ہوگا، زبانی نہیں، عملی۔ ہمارا یہ دعویٰ کہ ہم مذہبی ہیں، محض ایک دعویٰ ہے۔ ہم ایک خالق و مالک میں یقین رکھنے کی بات کرتے ہیں، ہم اسے پالنہار اور اَن داتا مانتے ہیں مگر ہمارا پورا عمل اس کے برخلاف ہے۔ ذرا سوچیے کیا ہم واقعی مذہبی ہیں؟ اس وقت ہم سے زیادہ بد اخلاق، ہم سے زیادہ بے رحم، ہم سے زیادہ ناخدا ترس کون ہے؟ ہم نے مذہب کا چولہ پہن لیا ہے، ہم نے اپنے لباس کو مذہبی بنالیا ہے، مگر ہمارا دل مذہب سے خالی ہے۔ ہم نے مساجد، مدرسے اور خانقاہوں کو بھی اپنی لامذہبی سرگرمیوں کے لئے استعمال کیا ہے۔ مذہب کا تعلق تو دل سے ہے مگر ہمارا دل مذہب سے خالی ہے۔ اگر دل میں مذہب ہوتا تو یہ خدا کا مسکن ہو جاتا، اور رشک عرش ہو جاتا۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے ملفوظات میں ہے کہ رسولِ محترم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایمان والے کا دل، اللہ کا عرش ہے۔،، راحت القلوب، مجلس ۵

Marfat.com

خانۂ دل میں کسی دن آپ کا آنا ہوا
یہ ہوئی عظمت کہ بامِ عرش تہہ خانا ہوا

جو دل اپنے خالق و مالک کا مسکن بن جائے، اس میں کبھی لا مذہبیت نہیں سما سکتی۔ وہاں نفرت اور کدورت کو جگہ نہیں مل سکتی۔ بغض وحسد اور کینہ وتکبر کا وہاں گزر نہیں ہوسکتا۔ ہم اپنے اعمال اور چرتر کے اعتبار سے مذہبی نہیں ہیں، ہم نے تو صرف مذہب کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ اس پر ستم ظریفی یہ کہ جو جتنا بڑا مذہبی نظر آتا ہے، وہ اتنا ہی بڑا لا مذہب ہوتا ہے۔ یہ کیسی بات ہے کہ آج دنیا میں جہاں بڑی بڑی انڈسٹریز چل رہی ہیں وہیں ایک انڈسٹری مذہب کی بھی ہے۔

''جدید دنیا کے مسائل اور تصوف'' اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ تصوف کو سمجھنے کی ایک چھوٹی سی کوشش ہے۔ تصوف پر گزشتہ تیرہ سو برسوں میں بہت کچھ لکھا گیا۔ آج کل بھی اکا دکا لوگ لکھ ہی رہے ہیں، لیکن اگر اسے خودستائی نہ قرار دیا جائے تو یہ کہنا بجا ہوگا کہ یہ کتاب اس لحاظ سے قابل توجہ ہے کہ جدید دنیا کے مسائل کے حوالے سے تصوف کو سمجھنے کی یہ اولین کوشش ہے۔ عام طور پر تصوف کو صرف روحانی تزکیہ کا ذریعہ سمجھا جاتا رہا ہے، مگر اس کتاب میں تصوف کو ایک نظام حیات کے طور پر دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے، تصوف کو ایک آئیڈیالوجی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ آج کی دنیا جن سنگین مسائل سے دوچار ہے ان میں سب سے اہم ہیں سماجی نفرت، تشدد، دہشت گردی، حقوقِ انسانی کی خلاف ورزی، عالمی معاشی بحران، ڈپریشن اور مادہ پرستی کے بطن سے جنم لینے والے مسائل، نیز اخلاقی اقدار میں گراوٹ۔ اس کتاب میں انھیں مسائل کا صوفیانہ حل ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی کے ساتھ نصاب تعلیم میں اگر تصوف کو شامل کرلیا جائے تو طلباء کی سیرت میں کیا انقلابی تبدیلی آسکتی ہے؟ اس سوال پر بھی ایک جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں جو حوالے دیئے گئے ہیں وہ صوفیہ کی کتابوں، ملفوظات، مکتوبات اور دیگر معتبر کتابوں وویب سائٹس سے دیئے گئے ہیں۔ یہ کتاب خلوصِ نیت کا ثمرہ ہے۔ مقصد صرف یہ

Marfat.com

ہے کہ اللہ والوں کا پیغام اللہ کے بندوں تک پہونچے۔ جو افکار و خیالات کتابوں کی زینت بن کر رہ گئے ہیں، انھیں کتابوں سے باہر لا کر زندگی کا حصہ بنایا جائے۔ یہ بھی خواہش ہے کہ یہ اور اس جیسی دوسری کتابوں کا ہندی، انگلش اور دیگر زبانوں میں بھی ترجمہ ہو، تاکہ زیادہ سے زیادہ تشنگان علم فائدہ اٹھا سکیں۔ خاص طور پر ان غیر مسلم بھائیوں تک صوفیہ کا محبت بھرا پیغام پہونچے، جو تصوف کو پڑھنا اور سمجھنا چاہتے ہیں۔ اس کتاب کے حقوقِ اشاعت و ترجمہ محفوظ نہیں رکھے گئے ہیں تاکہ اگر کوئی اسے چھاپنا چاہے اور تصوف کی اشاعت کا کام کرنا چاہے تو کر سکے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی اعلان کرتا ہوں کہ اس سے قبل شائع شدہ کتاب ''تصوف اور کشمیری صوفیہ'' کے حقوقِ اشاعت بھی عام کئے جا رہے ہیں۔ یہ کتاب ''خسرو وژن'' کے بینر تلے شائع ہو رہی ہے، ہماری کوشش ہے کہ آگے بھی ہم اس ادارے کے تحت تصوف سے دلچسپی رکھنے والوں کو علمی کتابیں اور ٹیلی ویژن پروگرام فراہم کریں۔ کتاب کی حسن طباعت اور آرائش و زیبائش کا سہرا اظہار احمد ندیم (عرشیہ پبلیکیشن) کے سر ہے، جو اپنے کام میں ماہر ہیں، اللہ انھیں اجرِ عظیم دے۔ قارئین کے تاثرات کا انتظار ہے۔ ع

اپنا پیغام محبت ہے جہاں تک پہونچے

نیاز مند

غوث سیوانی، نئی دہلی

(MOB)09312976216

email:ghaussiwani@gmail.com

GHAUS SIWANI/Facebook

Marfat.com

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔۔۔

ایک لمحہ غور و فکر کرنا ستّر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

(شرح شمائل)

Marfat.com

آوارہ گھٹاؤں سا ہم کردار کریں گے
صحرا پہ بھی برسیں گے تو گلزار کریں گے
تو آگ کا دریا ہے تو ہم موم کی کشتی
اس موم کی کشتی سے ندی پار کریں گے
غوثؔ سیوانی

Marfat.com

نفرت نہیں، محبت

آدمیت جذبۂ ایثار ہونا چاہئے
آدمی کو آدمی سے پیار ہونا چاہئے

نفرت اور محبت دونوں ہی اس دنیا کا حصہ ہیں انکا وجود ایک حقیقت ہے انھیں ختم نہیں کیا جاسکتا مگر یہ ہوسکتا ہے کہ ایک کو دوسرے پر غالب کردیا جائے۔ محبت چونکہ اللہ کو پسند ہے اس لئے اسی کو غالب ہونا چاہئے۔ آج سماج میں نفرت کا غلبہ ہوتا جارہا ہے جو یقیناً باعثِ فکر ہے۔ اللہ نے اس دنیا کو محبت سے پیدا فرمایا، محبت کے لئے پیدا فرمایا پھر یہاں نفرت کا کیا کام؟ مگر افسوس کہ انسان نے اسے کئی قسم کی نفرتوں کا مسکن بنادیا ہے۔ کہیں مذہب کے نام پر نفرت، کہیں زبان کے نام پر تعصب، کہیں رنگ اور نسل کا بھید بھاؤ تو کہیں علاقے کے نام پر جنگ۔ اصل میں ہم اندر کے اندھیرے میں گرفتار ہیں، جو ایک روپے کی موم بتی سے دور نہیں ہوتا۔ مذہب پر ایمانداری سے عمل انسان کو دنیا وآخرت کی بے پناہ مسرتوں سے ہم کنار کرتا ہے۔ اس دنیا میں

Marfat.com

سب سے خوش وہی تھے جنھوں نے سچے مذہب کو اپنایا۔ یہ مذہب خدا کی معرفت کا تھا۔ جنھوں نے اپنایا ان پر مسرتوں کی بارش ہوئی۔ وہ ہر طرح کے مسائل سے بے نیاز ہو گئے۔ دنیا کے لئے مشعلِ راہ بنے۔ گو آج ہمیں ایسے لوگ نظر نہیں آتے مگر ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کی یہ کائنات اس کے نیک بندوں سے خالی ہے۔ ویسے صوفیہ کی کتابیں، ان کے ملفوظات و مکتوبات اور ان کے نشاناتِ قدم آج بھی انسانیت کی رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔ آج دنیا کے سامنے بے شمار مسائل منہ کھولے کھڑے ہیں۔ ڈھونڈا جائے تو ان مسائل کا حل اہل تصوف کے نظریات کی روشنی میں مل جائے گا۔

اصل میں ہم اندر کے اندھیرے میں گرفتار ہیں، جو ایک روپے کی موم بتی سے دور نہیں ہوتا۔ مذہب پر ایمانداری سے عمل انسان کو دنیا و آخرت کی بے پناہ مسرتوں سے ہمکنار کرتا ہے۔ اس دنیا میں سب سے خوش وہی تھے، جنھوں نے سچے مذہب کو اپنایا۔ یہ مذہب خدا کی معرفت کا تھا۔ جنھوں نے اپنایا ان پر مسرتوں کی بارش ہوئی۔ وہ ہر طرح کے مسائل سے بے نیاز ہو گئے۔ دنیا کے لئے مشعلِ راہ بنے۔ گو آج ہمیں ایسے لوگ نظر نہیں آتے مگر ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کی یہ کائنات اس کے نیک بندوں سے خالی ہے۔ ویسے صوفیہ کی کتابیں، ان کے ملفوظات و مکتوبات اور ان کے نشاناتِ قدم آج بھی انسانیت کی رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔ آج دنیا کے سامنے بے شمار مسائل منہ کھولے کھڑے ہیں۔ ڈھونڈا جائے تو ان مسائل کا حل اہل تصوف کے نظریات کی روشنی میں مل جائے گا۔

اِس عہد میں الٰہی محبت کو کیا ہوا
چھوڑا وفا کو ان نے مروّت کو کیا ہوا

کیا ہمارے پیدا کرنے والے نے اسی نفرت اور دشمنی کی لڑائی کے لئے ہمیں اس کائناتِ گیتی (UNIVERSE) میں بھیجا ہے؟ شاید یہی اندیشہ فرشتوں کو بھی تھا اسی لئے انھوں نے اللہ سے جاننا چاہا تھا کہ اے خدا کیا تو ایسے انسان کو زمین میں بسائیگا جو فتنہ و فساد برپا کریگا؟

Marfat.com

خون خرابہ کریگا؟ تیری بنائی ہوئی سرزمیں کو نفرت سے بھر دیگا؟ جواب ملا تھا، جو ہم جانتے ہیں تم نہیں جانتے۔

آج اگر ہم غور کریں تو محسوس ہوگا کہ اللہ کی یہ سرزمین نفرتوں سے بھری پڑی ہے۔ دنیا کا کوئی بھی ملک ایسا نہیں جو اس سے خالی ہو۔ امریکہ اور یوروپ میں سیاہ اور سفید فاموں کے اختلافات عام ہیں۔ عیسائی اور غیر عیسائی کے جھگڑے ہر جگہ دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔ عورتوں کو صرف عورت ہونے کے سبب ساری دنیا میں دوئم درجے کی شہریت حاصل ہے۔ امریکہ خود کو جمہوریت (DEMOCRACY) اور حقوق انسانی (HUMAN RIGHTS) کا سب سے بڑا علم بردار ظاہر کرتا ہے مگر یہاں بھی ایک سیاہ فام کو قصرِ سفید (WHITE HOUSE) تک پہونچنے میں طویل مدت لگ گئی۔ کوئی عورت تو آج تک ملک کی صدر نہیں بن پائی۔ ظاہر ہے اس کے پیچھے وہی صدیوں پرانی سوچ ہے کہ عورت، مرد سے کم تر ہے۔ آخر یہ کیسی جمہوریت ہے؟

امریکہ جیسا ہی حال یوروپ کے ممالک کا بھی ہے یہاں کے مسائل بھی لگ بھگ امریکہ جیسے ہی ہیں۔ اگر ہندستان کی سطح پر دیکھا جائے تو یہاں صدیوں سے دلتوں کو دبائے رکھا گیا ہے۔ حالانکہ سب سے قدیم ہندستانی یہی ہیں اور آبادی (POPULATION) کے اعتبار سے بھی انھیں کی کثرت ہے۔ اونچی ذات والے ان آریوں (ARYANS) کی نسل سے ہیں جو بعد میں بھارت آئے اور ملک پر قبضہ کر کے یہاں کے قدیم باشندوں کو غلام بنالیا۔ انھیں شودر اور اچھوت قرار دیکر صدیوں تک ذلیل کاموں پر مجبور کیا۔ بھارت میں جس قسم کے مظالم دلتوں پر ڈھائے گئے اس کی مثال دنیا میں کہیں اور نہیں ملتی۔ اِس وقت بھی پورے ملک میں مذہب، ذات برادری اور علاقائیت کے نام پر تعصب کی گرم بازاری ہے۔ دہلی، ممبئ اور کلکتہ جیسے میٹرو پولیٹین شہروں میں بہار اور پوربی یوپی والوں کو اکثر لعن طعن اور تشدد کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ ایسے ہی حالات کا نتیجہ ہے کہ ملک کے بعض حصوں میں کچھ مسلح تحریکیں بھی شروع ہوگئیں ہیں۔ ہر طبقے کو یہ شکایت ہے کہ اسے اسکے جائز حقوق نہیں دئے گئے۔ کچھ ایسا ہی حال عالمِ اسلام کا بھی ہے۔ پاکستان میں

Marfat.com

مسلمان ہی ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہیں۔مہاجر، سندھی، پنجابی اور بلوچی ایک مذہب کے ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہیں۔وہ ساتھ رہنا بھی نہیں چاہتے۔وہ موقع ملتے ہی دوسرے طبقے پر حملے کرنے لگتے ہیں۔اس کے علاوہ شیعہ سنی، دیوبندی بریلوی، وہابی اور غیر وہابی اختلافات اپنی جگہ ہیں۔افغانستان میں قبائلی جنگ (TRIBAL WAR) پرانی روایت رہی ہے۔عرب ملکوں میں کئی قسم کے اختلافات رہے ہیں جنھوں نے کبھی کبھی مسلح صورت بھی اختیار کی ہے۔

محبت روشنی ہے

نفرت سے بھری اس دنیا کی ایک ناقابلِ تردید حقیقت محبت ہے۔نفرت اندھیرے کی طرح ہے اور محبت اجالے کی طرح۔جب محبت کی روشنی پھیلتی ہے تو نفرت کا اندھیرا خود بخود چھٹنے لگتا ہے۔نفرت ہمیشہ وقتی ہوتی ہے اور محبت دائمی۔نفرت کا وجود کمزور بنیادوں پر ہوتا ہے اور محبت کا پختہ بنیادوں پر۔نفرت سوڈا واٹر کی طرح ہوتی ہے جو اچانک ابل پڑتی ہے مگر دیرپا نہیں ہوتی جبکہ محبت مصری کی ڈلی کی طرح ہوتی ہے جو تہہ میں جا کر بیٹھ جاتی ہے اور دھیرے دھیرے گھلتی رہتی ہے۔محبت کی مٹھاس کو دیر تک محسوس کیا جا سکتا ہے مگر نفرت کی کڑواہٹ چند لمحوں کے لئے ہوتی ہے۔دنیا کے کسی بھی واقعے کو آپ مثال بنا کر دیکھ سکتے ہیں۔ہٹلر کا یہودیوں کے خلاف اقدام، امریکہ کا جاپان پر ایٹمی حملہ، (ATOMIC ATTACK) مغربی طاقتوں کا عراق اور افغانستان پر حملہ، بھارت میں اعلیٰ طبقات کا پسماندہ طبقات پر ظلم اور مندر مسجد کے نام پر ہونے والی سیاست کے برے اثرات۔بوسنیا اور بھارت کے فسادات میں مسلمانوں کی نسل کشی۔آج یہ تمام باتیں قصۂ پارینہ بن چکی ہیں گو منافرت سرے سے ختم نہیں ہوئی ہے مگر اس میں اب وہ جوش و ابال نہیں رہی جو ابتدائی دنوں میں تھی۔ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ محبت ہمیشہ نفرت پر بھاری پڑتی ہے۔نفرت اور محبت کی جنگ میں جیت سدا محبت کی ہوئی ہے۔

Marfat.com

تصوف، محبت کا پیغام ہے

تصوف محبت کا پیغام ہے اور یہ محبت کو کائنات کی روح مانتا ہے۔ تصوف کی نظر میں یہ دنیا محبت کی جگہ ہے نہ کہ نفرت کی۔ نفرت کی کوکھ سے تخریب جنم لیتی ہے جبکہ محبت تعمیر کی جنم داتا ہے۔ نفرت شہروں کو ہیروشیما اور ناگاساکی بناتی ہے، جب کہ محبت، یثرب کو مدینہ بناتی ہے۔ نفرت کا انجام غرقِ دریا ہونا ہے، جبکہ محبت سدا آگ کے دریا سے بھی پار اترتی ہے۔ اس دنیا کو محبت کے لئے پیدا کیا گیا ہے، نفرت کے لئے نہیں۔ انسان بھی یہاں تعمیر کے لئے آیا ہے تخریب کے لئے نہیں۔ حالانکہ انسانی فطرت میں تعمیر (CONSTRUCTION) اور تخریب (DESTRUCTION) دونوں کے عناصر رکھے گئے ہیں، نفرت اور محبت دونوں طرح کے جذبات اس کے دل میں سموئے گئے ہیں مگر تخریب پر تعمیر ہمیشہ حاوی رہی ہے۔ نفرت کے عنصر پر محبت کا ہمیشہ غلبہ رہا ہے۔ انسان کے اندر کے منفی جذبات محض اس امتحان کے لئے ہیں کہ وہ دنیا میں جا کر ان کا استعمال کس پہلو سے کرتا ہے؟ اس کارگاہِ حیات میں وہ اپنے آپ کو کس طرح محبت کا پاسدار ثابت کرتا ہے؟ یہی انسانی فطرت انسان اور فرشتوں میں فرق کرتی ہے۔ معروف صوفی حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کے ملفوظات میں ہے کہ رسولِ محترم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایمان والے کا دل، اللہ کا عرش ہے،،

راحت القلوب (ملفوظاتِ فریدالدین گنج شکر) مجلس ۵

سلسلہ چشتیہ کے مورث اعلیٰ حضرت ممشاد دینوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''ایمان والے کے دل میں اللہ کی جگہ ہے کہ وہ دل کے سوا باطن میں کہیں نہیں پہنچتا۔'' (نفحات الانس، صفحہ ۲۵۷)

بہ الفاظِ دیگر

دلِ غریب میں آکر سما گئے دیکھو
وہی جو عرصۂ کونین میں سما نہ سکے

Marfat.com

خوشا وہ دل جو مرکزِ محبت ہو جائے، جو خالق و مالک کا مقامِ عرش بن جائے۔

خانۂ دل میں کسی دن آپ کا آنا ہوا
یہ ہوئی عظمت کہ بامِ عرش تہہ خانا ہوا

جو مقام عرش الٰہی ہو وہاں نفرت کیسے سما سکتی ہے؟ خدا خالقِ محبت ہے۔ اسکا ایک صفاتی نام جنیب ہے۔ وہ اہلِ محبت کے دلوں کو پسند فرماتا ہے، اسی لئے یہ دل اس کا مسکن ہیں اور نفرت عیب ہے، برائی ہے، گندگی ہے۔ یہی سبب ہے کہ جہاں محبت ہوتی ہے وہاں نفرت کو جگہ نہیں ملتی۔ اس دنیا میں اگر محبت کو عام کر دیا جائے تو نفرت خود بہ خود ختم ہو جائیگی۔

اِک لفظِ محبت کا ادنیٰ یہ فسانہ ہے
سمٹے تو دلِ عاشق پھیلے تو زمانہ ہے

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''عاشق کا دل محبت کا آتش کدہ ہوتا ہے۔ جو کچھ اس میں جائے اسے جلا دیتا ہے اور ناچیز کر دیتا ہے کیونکہ عشق کی آگ (FIRE OF LOVE) سے بڑھ کر کوئی آگ تیز نہیں ہے۔''

دلیل العارفین، مجلس۔۹

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

حضرت شاہ ہمدان سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب 'ذخیرۃ الملوک' میں حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں:

''اللہ پاک کے نزدیک وہ دل بہت ہی پیارا ہے جو اپنے بھائیوں پر زیادہ نرم اور مشفق ہے۔''

صفحہ ۱۵۷

Marfat.com

محبت پاکیزگی ہے اور نفرت گندگی۔نفرت اور محبت ایک دوسرے کی ضد ہیں، دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔اسی لئے اہلِ تصوف پہلے اپنے دل کو نفرت کی گندگی سے پاک کرتے ہیں تاکہ اس میں محبت کی پاکیزگی سما سکے۔تصوف تو سراسر محبت کا پیغام دیتا ہے لہذا یہاں نفرت کو جگہ نہیں مل سکتی۔تصوف کی تعلیم اگرچہ اپنے پیدا کرنے والے کی پہچان اور اسکی محبت پر مرکوز ہوتی ہے مگر اسی کے ساتھ یہ اس کے بندوں کے ساتھ محبت، اخلاق اور حسنِ سلوک کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ اس کائنات اور اسکی ہر چیز کو صوفی اللہ کا پرتو مانتا ہے، اس لئے وہ سب کا احترام کرتا ہے۔آدمی جب کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کی ہر چیز سے محبت کرتا ہے۔اس کی ہر یادگار اسے پیاری لگتی ہے۔اسی طرح صوفی اللہ سے محبت کرتا ہے اور دنیا کی ہر چیز اسے اللہ کی پیدا کردہ دکھائی دیتی ہے تو وہ اسے اپنے محبوب کی نشانی سمجھ کر اس سے پیار کرتا ہے۔حضرت بشر حافی ہمیشہ ننگے پیر رہتے تھے ،کسی نے سبب پوچھا تو کہنے لگے، یہ زمین اللہ کا بچھونا ہے اس پر جوتے پہن کر کیسے چلا جائے؟

ہر ذرہ چمکتا ہے انوارِ الٰہی سے
ہر سانس یہ کہتی ہے ہم ہیں تو خدائی ہے

انسان محبت کے لئے پیدا ہوا

انسان کو اللہ نے دنیا میں محبت کے لئے بھیجا ہے۔اس کے علاوہ دوسری مخلوقات کو محبت سے وہ نسبت نہیں، کیونکہ اللہ نے انھیں محبت کے احساس سے عاری رکھا ہے۔آدمی کی فضیلت دوسری مخلوقات پر اسی لئے ہے کہ وہ محبت کا احساس رکھتا ہے۔اس کا کام محبت کرنا اور محبت پھیلانا ہے۔یہ دنیا بھی محبت کی جگہ ہے، نفرت کی نہیں۔اسی لئے اللہ نے آدمی کے وجود میں ایک دل رکھا ہے جو محبت کا تہہ خانہ ہے۔حضرت مخدوم شرف الدین یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

”جانو، کہ دوسری مخلوقات کو محبت سے کوئی لگاؤ نہیں ہے، کیونکہ ان کی ہمتیں

Marfat.com

بلند نہیں ہیں۔ فرشتوں کا کام جو سیدھے طریقے سے چل رہا ہے وہ اس لئے کہ ان تک محبت کا گزر نہیں ہوا ہے اور یہ اونچ نیچ جو انسان کے ساتھ پیش آیا کرتی ہے، اس لئے ہے کہ اس کو محبت سے سروکار ہے۔"

مکتوباتِ صدی، مکتوب ۴۶

محبت کا احساس انسان کا خاصہ ہے۔ اسی لئے وہ فرشتوں پر بھی برتری رکھتا ہے۔ اگر انسان کے دل کو محبت سے الگ کر کے دیکھا جائے تو اس کے وجود کا کوئی مطلب نہیں رہ جاتا۔ اس کائناتِ گیتی پر لاکھوں برسوں سے اللہ کی مخلوقات موجود تھیں مگر انسان کو جب اللہ نے پیدا کرنا چاہا تو ایک ہنگامہ بپا ہو گیا اس کا سبب کیا تھا؟ حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحیٰ منیری لکھتے ہیں:

"جب حضرت آدم کی باری آئی تو جہان میں ایک ہلچل مچ گئی۔ فرشتوں نے فریاد کی۔ یہ کیسا حادثہ ہوا کہ ہماری ہزاروں برس کی تسبیح وتہلیل برباد ہو گئی اور ایک مٹی کے پتلے یعنی آدم کو سرفراز کیا اور ہمارے رہتے ہوئے ان کو چنا۔ ایک آواز آئی کہ تم مٹی کو نہ دیکھو اس پاک امانت کو دیکھو یحبھم ویحبونہٗ (اللہ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں) اور محبت کی آگ ان کے دلوں میں سلگائی ہے۔"

ایضا

انسان کو اللہ نے محبت سے پیدا کیا اور محبت والا دل اس کے سینے میں رکھا پھر وہ محبت کے بجائے اگر دنیا میں نفرت پھیلائے تو یہ حیرت کی بات ہے۔ صوفیہ اپنے پیدا کرنے والے کے پیغام کو عام کرنے کے لئے انسان کو محبت کا سبق دیتے ہیں۔ سب سے پہلے آدمی اپنے بنانے والے سے محبت کرے اور جب وہ اپنے خالق سے محبت کرے گا تو دوسری مخلوقات سے بھی محبت کرنے لگے گا، کیونکہ وہ بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور ان کے وجود میں غور وفکر آدمی کو خدا کے عرفان تک پہنچا دیتی ہے۔

Marfat.com

نفرت کا جواب، محبت

صوفیہ کی جماعت ان پاک بندوں کی جماعت ہے جس نے اپنے ربّ کا عرفان حاصل کرلیا ہے۔اسی لئے نفرت کے جواب میں محبت کا برتاؤ حضرات صوفیہ کے ہاں بہت عام رہا ہے۔انکے عقیدتمندوں میں فقیر سے بادشاہ تک سبھی ہوا کرتے تھے۔ہر شخص دل سے انکا احترام کرتا تھا اور صوفیہ کے اسی اخلاق نے سماج میں ایک بڑے بدلاؤ کی بنیاد ڈالی۔حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بلکل ابتدائی عہد کے صوفی ہیں اور تابعی بھی ہیں،ان کا مشہور واقعہ ہے کہ کسی شخص نے آپ کی غیبت کی،جسکی اطلاع آپ کو ملی تو اس کے پاس تازہ کھجوروں سے بھرا طباق بھیجوایا۔اسی کے ساتھ کہلا بھیجا کہ، میں آپ کا شکرگزار ہوں جو آپ نے میری غیبت کر کے اپنی نیکیوں کو میرے نامۂ اعمال میں منتقل کرایا۔اس احسان کا بدلہ میں نہیں چکا سکتا۔تاہم یہ حقیر سا تحفہ قبول فرمایئے۔اس سلوک کو دیکھ کر وہ بہت شرمندہ ہوا اور آکر معافی چاہی۔(سچی حکایات پنجم بحوالہ تذکرۃ الاولیاء)

پیٹھ پیچھے برائی کرنا سماج میں عام ہے،اسکا ردعمل بھی کئی بار انتہائی خطرناک صورت میں دیکھا جاتا ہے۔دوست واحباب اور رشتے داروں کے بیچ چپقلش اور من مٹاؤ کا سبب اکثر ایک دوسرے کے خلاف شکوہ شکایت کرنا بھی رہتا ہے مگر حضرت حسن بصری جیسا ردعمل شاید ہی کبھی دیکھنے کو ملے۔یہی فرق ہے ایک صوفی اور عام آدمی میں۔

بداخلاقی کا جواب، حسنِ اخلاق

اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ ہے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا۔انھوں نے ایک مکان کرایے پر لیا۔پاس ہی ایک یہودی کا مکان تھا جو اپنے گھر کی گندگی، پرنالے سے بہا دیا کرتا تھا اور وہ گندگی آپ کے گھر میں چلی آتی تھی۔اُس نے ایک مدت تک ایسا کیا مگر آپ نے کوئی

Marfat.com

شکایت نہیں کی۔ البتہ آپ خود ہی اسکی صفائی کر دیا کرتے تھے، ایک دن اس نے پوچھا کہ میں جو نالے سے گندگی بہا دیتا ہوں اس سے آپ کو تکلیف نہیں ہوتی؟ آپ نے فرمایا تکلیف تو ہوتی ہے مگر میں نے اسکی صفائی کے لئے ایک جھاڑو اور ایک ٹوکری رکھ چھوڑی ہے۔ اُسی سے صفائی کر دیتا ہوں۔ ظاہر ہے اِس جواب کے بعد اس کے پاس سوائے شرمندگی کے کوئی جواب نہ ہوگا۔ (سچی حکایات، پنجم، بحوالہ تذکرۃ الاولیاء)

پڑوسیوں کے بیچ جھگڑے کے جو اسباب ہوتے ہیں ان میں سے ایک بڑا سبب ردعمل ہے، مگر جو ردعمل (RE- ACTION) حضرت مالک بن دینار کی طرف سے دیکھنے کو ملا، ایسا ردعمل ہمارے سماج میں کبھی دیکھنے کو نہیں ملتا۔ اگر اسی طرح کا ردعمل پڑوسیوں کی طرف سے ہونے لگے تو تمام جھگڑے ہی تمام ہو جائیں۔

مسئلے خود بہ خود ختم ہوجائیں گے
اپنی اپنی حدوں میں رہا کیجئے

امام محمد غزالی علیہ الرحمہ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں:

''جان لو آپسی محبت، اچھے اخلاق اور اختلاف بد اخلاقی کا نتیجہ ہے۔ اچھے اخلاق باہم محبت الفت اور موافقت کا سبب ہوتے ہیں اور برے اخلاق سے بغض وعداوت، حسد اور ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرنے جیسی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جب پیڑ اچھا ہو تو اس کا پھل عمدہ ہوتا ہے۔'' جلد دوم، صفحہ ۳۶۲

عظیم مبلغِ اسلام اور کشمیر میں روحانی اور سماجی انقلاب برپا کرنے والے حضرت سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب 'ذخیرۃ الملوک' میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاهلين (عفو اختیار کرو اور اچھائیوں کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جاؤ۔) جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی تفسیر پوچھی۔ آپ نے

Marfat.com

فرمایا کہ اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ جو شخص بے رحمی سے تجھ سے تعلق توڑے تو مہربانی سے اس کے ساتھ مل جا اور جو تجھ کو بھلائی سے محروم رکھے تو جہاں تک ہو سکے اس پر ایثار ہی کرتا رہ اور جو تجھ پر ظلم کرے تو اس کے ساتھ وفاداری سے برتاؤ کر۔"

صفحہ ۱۱۲

محبت اور اچھے اخلاق میں طاقت ہوتی ہے۔ یہ طاقت نفرت کو مٹا سکتی ہے اسی لئے یہ حکم ہے کہ جو برائی کرے اس کے ساتھ بھی بھلائی کا برتاؤ کرو، جو تعلق توڑنے کی کوشش کرے، اس کے ساتھ بھی بھلائی کرو اور جو ظلم کرے اس کے ساتھ بھی وفاداری کرو۔ ظاہر ہے کہ محبت ،اخلاق، ایثار اور وفاداری کی طاقت ،نفرت، بے رحمی، ظلم کو مٹا سکتی ہے۔

گالیوں کے بدلے، دعائیں

اسی طرح کی ایک حکایت حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکروں میں بھی ملتی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ ایک نوجوان بیٹھا سارنگی بجا رہا تھا آپ کا ادھر سے گزر ہوا تو دیکھ کر آپ لاحول پڑھنے لگے وہ اس سے اسقدر آگ بگولہ ہوا کہ سارنگی سے کھینچ کر آپ کے سر پر دے مارا۔ اس سے نہ صرف بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا سر پھٹ گیا بلکہ اسکی سارنگی بھی ٹوٹ گئی۔ آپ نے اسے کچھ نہ کہا اور گھر جا کر سارنگی کی قیمت کے ساتھ ساتھ کچھ مٹھائیاں بھی اس کے پاس بھیج دیں، اور کہلا بھیجا کہ، بھائی تمہاری سارنگی ٹوٹ گئی یہ اسکی قیمت ہے۔ اور سارنگی ٹوٹنے سے جو تمہیں تکلیف ہوئی اسے دور کرنے کے لئے یہ مٹھائی ہے۔ اس اخلاق نے اسے ہمیشہ کے لئے آپ کا گرویدہ بنا دیا۔ (یہ واقعہ تذکرۃ الاولیاء اور افضل الفوائد، ملفوظات نظام الدین اولیاء فصل۔ ۲۱ میں درج ہے)

لڑائی جھگڑے اور باہمی منافرت ہمارے سماج کا قابلِ نفرت حصہ ہیں۔ ہمارے قیمتی وقت کا ایک بڑا حصہ اسی طرح کی فضول باتوں میں گزر جاتا ہے۔ تھانہ پولس اور کورٹ، کچہری

Marfat.com

اسی کی بدولت قائم ہیں۔ عوام کے کروڑوں روپئے سالانہ اسی کی نذر ہو جاتے ہیں، لیکن اگر ہم نفرت کا جواب محبت سے دینا سیکھ لیں تو ہمارے کئی مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ تصوف میں آدمی کو اسی جذبے کے لئے راضی کیا جاتا ہے۔ یہاں محبت ہی محبت ہے، پیار ہی پیار ہے، ایسے میں کہاں کی لڑائی اور کیسا جھگڑا؟

بدگو کو معافی

حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات 'فوائد الفواد'، مرتبہ امیر حسن سنجری میں ایک مجلس کا ذکر ہے:

''حاضرین میں سے ایک نے عرض کیا کہ بعض آدمیوں نے جناب کو ہر موقع پر برا کہا وہ آپکی شان میں ایسی باتیں کہتے ہیں جن کے سننے کی ہم تاب نہیں لا سکتے ۔خواجہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے سب کو معاف کیا تم بھی معاف کردو اور کسی سے دشمنی نہ کرو۔ بعدازاں فرمایا کہ چھجو، ساکن اندیپ ہمیشہ مجھے برا بھلا کہا کرتا اور میری برائی کے درپے رہتا۔ برا کہنا سہل ہے لیکن برا چاہنا اس سے برا ہے۔ الغرض جب وہ مرگیا تو میں تیسرے روز اسکی قبر پر گیا اور دعاء کی کہ پروردگار! جس نے میرے حق میں برا بھلا کہا، میں اس سے درگزرا، تو میری وجہ سے اسے عذاب نہ کرنا۔ اس بارے میں فرمایا کہ اگر دو شخصوں کے مابین رنجش ہو تو دور کردینی چاہیے۔ اگر ایک شخص دور کردیگا تو دوسرے کی طرف سے کم تکلیف ہوگی۔''

جلد۳، مجلس۔۵

آدمی کی شخصیت اچھائیوں اور برائیوں سے بنی ہے، وہ کئی بار غیر اخلاقی (IMMORAL) کام بھی کرتا ہے مگر اس کی برائی کا جواب اچھائی سے دینے والے کم ہی ملتے ہیں۔ ذرا سوچئے اگر ایک

Marfat.com

شخص کانٹے بوتا ہے اور اس کے جواب میں دوسرا بھی کانٹے بوئے تو پھر ایک سلسلہ چل پڑے گا اور یہ دنیا کانٹوں سے بھر جائیگی اور کانٹوں کی وجہ سے یہاں گزر بسر ناممکن ہو جائیگی مگر کانٹوں کے جواب میں اگر پھول بوئے جانے لگیں تو کتنا اچھا ہو۔ یہ دنیا گلزار بن جائے اور جنت کا نمونہ لگنے لگے۔

بیٹیوں سے محبت

آج کل سماج میں جس قسم کی نفرتیں عام ہوتی جارہی ہیں، انھیں کی ایک قسم ہے بیٹیوں سے نفرت۔ بچے اللہ کا تحفہ ہوتے ہیں اور انسان اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے مگر ہمارے ملک میں یہ بات عام ہے کہ لڑکیوں کو پیدائش سے قبل ہی قتل کردیا جاتا ہے۔ جدید طبی آلات سے یہ ممکن ہوگیا ہے کہ پیدائش سے پہلے بچے کی جنس کی تشخیص ہوسکے۔ بھارت ان ملکوں میں سے ایک ہے جہاں دختر کشی (FEMALE FOETICIDE) کے واقعات سب سے زیادہ ہورہے ہیں۔ اس کا اثر یہ دیکھنے کو مل رہا ہے کہ ملک کے بعض علاقوں میں لڑکیوں کی تعداد بے حد کم ہوگئی ہے۔ کچھ ضلعے تو ایسے ہیں جہاں چھ سال سے کم عمر کی لڑکیوں کی تعداد ہزار لڑکوں کے مقابلے چھ، سات سو کے قریب ہے۔ یہ لڑکیاں اگر کسی طرح پیدا ہو جاتی ہیں تو ان کے ساتھ دوسرا مسئلہ کھڑا ہوتا ہے بھید بھاؤ کے ساتھ انکی پرورش کا۔ مگر تصوف کی نظر میں انسان برابر ہیں۔ مرد اور عورت کا فرق ایسا نہیں کہ اس کے چلتے عورتوں کے ساتھ سوتیلا برتاؤ کیا جائے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی فرماتے ہیں:

”بیٹیاں اللہ کا تحفہ ہیں، وہ شخص جسے اللہ نے بیٹی دی ہے وہ اسے پیار کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے تو اللہ اس پر راضی اور خوش ہوتا ہے۔ جس نے لڑکی کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کیا اللہ اسے ستر حج کا ثواب دیتا ہے۔ گویا اس نے ستر غلام آزاد کئے۔ جو ماں باپ لڑکیوں سے محبت کرتے ہیں اور ان پر مہربان ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر مہربان ہوتا ہے اور رحمت فرماتا ہے۔“ (انیس الارواح مجلس۔ ۱۰)

Marfat.com

صدقہ پر زور

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

اللہ کے راستے میں اپنی دولت کو خرچ کرنا صوفیہ کی نظر میں بے حد پسندیدہ رہا ہے۔ قرآن بھلائی تک پہنچنے کا اچھا راستہ صدقہ وخیرات کو بتاتا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی پوری زندگی کبھی دولت جمع نہیں کی۔ جب آیا اور جو کچھ آیا اسے فوراً خرچ کر ڈالا۔ اہلِ تصوف نے اسی طریقے کو اپنایا اور انسان کے اللہ تک پہنچنے کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ دولت جمع کرنے کو بتایا۔ صدقہ انکی نظر میں نہ صرف اللہ کو پسند ہے بلکہ خود رضائے الٰہی کا ذریعہ بھی ہے۔ اس کے ذریعے آدمی اللہ کے بندوں کی خدمت کرتا ہے اور انکی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسن بصری کی کتاب آثار الاولیاء کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ:

''صدقہ ایک نور ہے، صدقہ جنت کی حوروں کا زیور ہے اور صدقہ اسی ہزار رکعت نماز سے بہتر ہے جو پڑھی جائے۔ صدقہ دینے والے روزِ حشر عرش کے سائے میں ہونگے۔ جس نے موت سے قبل صدقہ دیا ہوگا وہ اللہ کی رحمت سے دور نہ ہوگا۔ پھر فرمایا صدقہ جنت کی راہ ہے، جو صدقہ دیتا ہے وہ اللہ سے قریب ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ شریف زندنی رحمۃ اللہ علیہ کا لنگر صبح سے رات گئے تک جاری رہتا، جو کوئی آتا کھانا کھا کر جاتا۔ آپ فرمایا کرتے تھے اگر لنگر میں کچھ نہ ہو تو پانی سے تواضع کرو کوئی خالی نہ جائے۔

پھر فرمایا زمین بھی سخی آدمی پر فخر کرتی ہے، جب وہ چلتا ہے تو نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔''

انیس الارواح (ملفوظات خواجہ عثمان ہارونی، مرتبہ خواجہ معین الدین چشتی) مجلس۔۵

Marfat.com

اہلِ تصوف کا صدقے پر زور اس لئے بھی ہے کہ وہ انسان کی خدمت اور اسکی محبت کو اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ مانتے ہیں۔ صوفیہ کی خانقاہوں میں لنگر کا انتظام ہوتا تھا، یہ لنگر عام لوگوں کے لئے ہوتا تھا۔ کوئی بھی اس میں آکر کھانا کھا سکتا تھا۔ آنے والے سے اسکا مذہب اور اسکی ذات نہیں پوچھی جاتی تھی۔ اسکے رنگ اور نسل پر نظر نہیں رکھی جاتی تھی۔ یہاں ہر آدمی برابر ہوتا تھا۔ بھارت کے تناظر میں اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے جہاں ذات پات اور اونچ نیچ کا بھید بھاؤ صدیوں سے چلا آرہا تھا۔ دلتوں اور پست ذاتوں کو برابری کی جگہ نہیں دی جاتی تھی۔ ایسے میں لنگر میں آکر سب کا برابر ہو جانا صوفیہ کے پیغام محبت واخوت کی مثال ہے اور یہی اسباب تھے کہ اسلام قبول کرنے والوں میں سب سے بڑی تعداد پسماندہ ذاتوں کی تھی۔

بندہ و صاحب و محتاج وغنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

تصوف کی نظر میں انسان کی حیثیت

سلام اس پر کہ جسنے دشمنوں کو بھی قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جسنے گالیاں کھا کر دعائیں دیں

اوپر مذکور واقعات حسنِ اخلاق کی بہترین مثال ہیں۔ کون ہے جو بد اخلاقی کا جواب خوش اخلاقی سے دیتا ہے؟ کون ہے جو نفرت کے جواب میں محبت نچھاور کرتا ہے؟ کون ہے جو گالیوں کا جواب دعاؤں سے دیتا ہے؟ کون ہے جو راستے میں کانٹے بچھانے والوں کے لئے پھولوں کے بستر پیش کرتا ہے؟ یقیناً یہ صوفیاء کرام ہیں۔ انھیں کی تعلیمات نے سماج کو جوڑا ہے۔ آج بھی ان کے آستانے اگر سبھی مذاہب کے ماننے والوں کا مرکز ہیں تو وہ یونہی نہیں۔ اس قسم کا اخلاق دنیا کو جوڑتا ہے۔ انسان، انسان کے بیچ محبت اور اخوت پیدا کرتا ہے۔ آدمی کو آدمی کے قریب لاتا ہے۔ صوفیہ کی نظر میں تمام انسان اللہ کی فیملی کے ممبر ہیں، جنھیں عیال اللہ بھی کہا گیا

Marfat.com

ہے۔ظاہر ہے جب آپ کسی انسان کے بارے میں یہ سوچ رکھیں گے تو اس کے ساتھ اچھا برتاؤ بھی کریں گے۔کوئی بھی شخص اگر انسان کو اللہ کی فیملی کا ممبر سمجھے تو اس کے ساتھ برا سلوک نہیں کر سکتا۔تصوف کی نظر میں انسان قابلِ احترام ہے وہ خواہ کسی بھی مذہب کا ماننے والا ہو، کسی بھی مسلک پہ عمل پیرا ہو، کسی بھی خطۂ زمین سے تعلق رکھتا ہو اور کسی بھی تہذیبی پسِ منظر (BACKGROND) سے ہو۔ ذات پات، رنگ ونسل، علاقائی اور جغرافیائی حدبندیاں تصوف کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں، کیونکہ اسکی بنیاد انسانیت پر ہے۔

جانوروں کے ساتھ حسنِ سلوک

صوفیہ انسان ہی نہیں جانوروں کو بھی قابلِ احترام اور باعثِ عبرت سمجھتے ہیں۔تصوف میں انسان ہی نہیں دیگر جانداروں کے ساتھ بھی اچھے برتاؤ کی تعلیم دی جاتی ہے۔صوفیہ کی زندگی میں ایسے واقعات بہ کثرت ملتے ہیں۔ ایسا ہی ایک واقعہ ابتدائی دور کے صوفی حضرت بایزید بسطامی کا بھی تذکرہ کی کتابوں میں ملتا ہے۔ایک مرتبہ آپ ایک تنگ گلی سے اپنے مریدوں کے ساتھ گزر رہے تھے کہ دوسری جانب سے ایک کتا آتا نظر آیا، جب کتا سامنے آیا تو بایزید بسطامی علیہ الرحمہ واپس مڑ گئے اور کتے کے لئے راستہ خالی کردیا۔مریدوں میں سے ایک کے دل میں یہ خیال آیا کہ انسان تو تمام مخلوقات میں سب سے افضل ہے۔ اسے اللہ نے دوسرے جانداروں سے بہتر بنایا ہے ایسے میں کتے کے لئے راستہ چھوڑنے کا کیا مطلب ہے؟ حضرت بایزید نے گویا کتے کو انسان پر ترجیح دیدی۔مرید کے اس خیال سے واقف ہوکر حضرت بایزید نے فرمایا کہ اس کتے نے زبانِ حال سے مجھ سے کہا کہ اے بایزید یہ سب اللہ کی شان ہے کہ اس نے ازل میں مجھے کتا اور تمہیں انسان بنایا ۔ پھر آپ کو سلطان العارفین بنایا ۔میں بھی اسی کی مخلوق (CREATION) ہوں جسکی مخلوق آپ ہیں۔ کتے کی اس بات سے میں پریشان ہوگیا اور اسے راستہ دینے کے لئے پیچھے مڑ گیا۔ (سچی حکایات، پنجم، بحوالہ تذکرۃ الاولیاء)

Marfat.com

انسان، جانور، پیڑ، پودے اور دنیا کی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ایک ہی ہے۔ وہ چاہتا تو ہمیں انسان کے بجائے جانور بھی بنا سکتا تھا مگر یہ اُس کا احسان ہے کہ ہمیں انسان بنایا اور سوچنے سمجھنے کی طاقت دی۔ اس کا یہ احسان ہمیں یاد رکھنا چاہئے اور دوسرے جانداروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہئے۔ یہ انسان کے طور پر ہماری ذمہ داری بھی ہے۔

جہاں تک گوشت کے لئے جانوروں کو ذبح کرنے کا مسئلہ ہے تو اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ، آدمی کی خوراک سبزی اور گوشت دونوں ہیں۔ دوسرے کئی جاندار صرف گوشت کھاتے ہیں۔ یعنی انھیں قدرتی طور پر گوشت خور بنایا گیا ہے۔ جسکی جو خوراک ہے وہ وہی کھائیگا۔ اسی طرح دنیا کے کچھ خطے ایسے ہیں جہاں زمین کھیتی کے لائق نہیں یا موسم اس کے لئے سازگار نہیں، خاص طور پر قطبِ جنوبی وشمالی کے علاقے۔ وہاں صرف گوشت دستیاب ہوتا ہے۔ ایسے علاقوں میں انسانی زندگی کا انحصار صرف گوشت پر ہوتا ہے۔ البتہ صرف اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے جانوروں کا شکار کرنا، یا انھیں ستانا کسی طرح درست نہیں۔ خواجہ عثمان ہارونی نے ایک حدیث کے حوالے سے فرمایا:

"جو شخص خواہش نفس کے لئے جانور تلف کرے، گویا اس نے خانہ کعبہ ویران کرنے کی کوشش کی، مگر جہاں جانور ذبح کرنا ہے اگر وہاں کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔۔۔ پھر فرمایا فرمانِ مصطفوی ہے کہ جس شخص نے کسی جانور کو آگ میں پھینکا یا بے رحمی سے مار ڈالا اس کا کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا لگاتار دوماہ کے روزے رکھے۔" (انیس الارواح، مجلس۔۱۱)

امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف مکاشفۃ القلوب میں لکھا ہے:

" فرمانِ حضور اکرم ﷺ ہے مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہیں اور وہ جانوروں پر رحم کرے، ان سے انکی طاقت کے مطابق کام لے۔"

(باب۔۱۸)

Marfat.com

جانوروں کے ساتھ جہاں اچھا برتاؤ کرنے کی تعلیم دی جاتی ہو، وہاں انسانوں کا کیا مقام ہوگا، سمجھا جا سکتا ہے۔ اوپر کی حدیث سے ظاہر ہے کہ مکمل مسلمان وہی ہوتا ہے جو صرف انسان ہی نہیں جانوروں کے ساتھ بھی مہربانی کا سلوک کرتا ہے۔ اوپر کی حدیث میں عام لوگوں کی بات کی گئی ہے، صرف مسلمانوں کی بات نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جہاں جانوروں پر بھی مہربانی کی بات ہو وہاں انسان کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ مکاشفۃ القلوب میں ہی ایک اور حدیث درج ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جانوروں کے ساتھ مہربانی بھرا برتاؤ کرنا کتنا اچھا کام ہے:

''حضور ﷺ کا فرمان ہے، ایک شخص سفر میں جا رہا تھا کہ اسے راستے میں سخت پیاس لگی، اسے قریب ہی ایک کنواں نظر آیا، جب کنویں سے پانی پی کر چلا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کے مارے زبان نکالے پڑا ہے۔ اسے خیال آیا کہ اسے بھی میری طرح پیاس لگی ہوگی وہ واپس گیا، منہ میں پانی بھر کر اس کے پاس آیا اور اسے پلا دیا، اللہ تعالیٰ نے محض اسی رحم کی بدولت اس کے گناہوں کو معاف کر دیا۔''

(باب۔۱۸)

اسی طرح ایک موقع پر لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جانوروں پر مہربانی کرنے سے ہمیں ثواب ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہر جاندار پر رحم کرنے کا بدلہ ملتا ہے۔ (ایضا)

صحابی رسول حضرت ابی الدرداء رضی اللہ عنہ بچوں سے چڑیاں خرید کر انھیں چھوڑ دیا کرتے تھے اور فرماتے جاؤ آزادی کی زندگی بسر کرو۔ (ایضا)

امام ابوالقاسم عبدالکریم قشیری نے لکھا ہے:

''کہتے ہیں عبداللہ بن جعفر اپنی جاگیر کی طرف گئے تو کسی کے نخلستان میں قیام کیا۔ وہاں ایک حبشی غلام ہوتا تھا۔ غلام کا کھانا آیا تو ایک کتا باغ میں گھس کر غلام کے قریب آ گیا۔ غلام نے پہلے ایک روٹی اسے ڈالی، جسے کتے نے کھا لیا۔ پھر دوسری اور

Marfat.com

تیسری بھی ڈال دی۔ کتے نے انھیں بھی کھالیا۔ عبداللہ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ عبداللہ نے غلام سے پوچھا کہ تیری ایک دن کی خوراک کتنی ہے؟ غلام نے کہا جتنی آپ نے دیکھی ہے۔ عبداللہ نے کہا تو نے کتے کو کیوں دے دی؟ غلام نے کہا کہ یہ کتوں کا علاقہ نہیں ہے۔ یہ کتا دور سے مسافت طے کر کے آیا تھا اور بھوکا تھا۔ اس لئے میں نے اسے مایوس کرنا پسند نہ کیا۔ عبداللہ نے پوچھا آج تو کیا کرے گا؟ جواب دیا آج بھوکا رہونگا۔ یہ جواب سن کر عبداللہ بن جعفر نے کہا، کیا مجھے سخاوت کرنے پر ملامت کی جاتی ہے؟ یہ تو مجھ سے زیادہ سخی ہے پھر اس باغ اور غلام کو تمام آلات کے ساتھ خرید لیا اور غلام کو آزاد کر کے سب کچھ اسے دے دیا۔"

(ترجمہ رسالہ قشیریہ، صفحہ۔۴۶۸)

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد شاہ عبدالرحیم علیہ الرحمہ کے بارے میں تحریر کیا ہے جو اپنے دور کے ایک معروف صوفی گزرے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"فرمایا (شاہ عبدالرحیم نے) ایک دفعہ اکبرآباد میں میں بارش ہوئی اور رہواؤں کے موسم میں سوار ہو کر جا رہا تھا۔ دیکھا کہ راستے میں ایک جگہ کتے کا پلاّ دلدل میں ڈوب رہا ہے۔ یہ دیکھ کر اس کی دردناک آواز سے میرا دل بھر آیا۔ میں نے خادم سے کہا کہ جلدی جاؤ اور اس پلّے کو باہر نکالو۔ اس نے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے انکار کیا۔ میں جلدی جلدی گھوڑے سے اترا، کپڑے اوپر چڑھائے اور پانی میں اترنے کے لئے آگے بڑھا۔ خادم نے جب یہ صورتحال دیکھی تو چار و ناچار وہ خود آگے بڑھا اور پلّے کو باہر نکال لایا۔ قریب ہی ایک حمام تھا وہاں سے گرم پانی لے کر میں نے اس کو نہلایا، طباخی سے روٹی اور شوربا لے کر اسے خوب کھلایا۔ پھر میں نے کہا یہ کتا اس محلے کا ہے، اگر اس محلے والے اس کی خبر گیری کا ذمہ اٹھائیں تو بہتر

Marfat.com

ورنہ ہم اس کو اپنے محلے میں لے جائیں گے۔طباخی نے اس کی ذمہ داری قبول کرلی، چنانچہ یہ کتا اس کے حوالے کر کے میں رخصت ہو گیا۔''

(انفاس العارفین،صفحہ ۱۱۸)

انسان خود انسان کی عزت وآبرو کو نہیں سمجھ رہا ہے، ایسے میں وہ کسی جانور اور وہ بھی ذلیل ترین جانور کی آبرو کو کیسے سمجھ سکتا ہے۔؟ حقیقت میں انسان وہی ہے جو جانوروں کے حقوق کا بھی خیال رکھے۔جانوروں کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کے خلاف آج دنیا کے کئی ملکوں میں بیداری آرہی ہے اور محبانِ جانوراں (ANIMAL LOVERS) اس کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں مگر صدیوں قبل جب اس طرح کا کوئی تصور نہیں تھا تب بھی صوفیہ کے ہاں جانوروں کے احترام اور انکے حقوق کا خیال موجود تھا۔انسانی شرافت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اللہ کی پیدا کی ہوئی تمام جانوں کا احترام کیا جائے انھیں نہ ستایا جائے۔ ہر جگہ اسی کا نور ہے۔ ہر چیز اس کے ہونے کی دلیل ہے۔کائنات (UNIVERSE) کا ذرہ ذرہ اس کی کبریائی اور اسکی قدرت کا ہمیں احساس کراتا ہے۔فارسی کے مقبول ترین شاعر اور صوفی، سعدیؔ شیرازی کہتے ہیں:

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

اس دنیا میں انسان ۔کے ساتھ ساتھ مختلف قسم کے جانور بھی رہتے ہیں اور انکے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا انسان کی ذمہ داری ہے۔اس سلسلے میں ایک واقعہ اہل تصوف میں مشہور رہا ہے۔ اسے حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے بھی اپنی ایک مجلس میں بیان فرمایا اور خواجہ معین الدین چشتی نے ان ۔کے ملفوظات کے مجموعے، انیس الارواح میں نقل کیا ہے۔واقعہ یوں ہے:

''ایک دفعہ ایک یہودی کتے کو روٹی کا ٹکڑا کھلا رہا تھا۔خواجہ حسن بصری کا اس وقت گزر ہوا۔آپ نے یہودی سے پوچھا کہ تو مسلم ہے یا غیر مسلم؟ اس نے کہا کہ غیر مسلم! آپ نے کہا کہ تمہاری خدمتِ خلق قبول نہ ہوگی۔ یہودی نے کہا کہ نہ ہو

Marfat.com

وہ (اللہ) تو دیکھتا ہے۔ایک عرصہ بعد خواجہ حسن بصری نے دیکھا کہ خانہ کعبہ کے پرنالے کے نیچے ایک شخص کہہ رہا ہے، یارب! اور پرنالے کے قریب سے آواز آتی ہے، اے میرے بندے میں حاضر ہوں۔خواجہ صاحب کو خیال آیا کہ دیکھوں یہ کون بلند مرتبہ ہے؟ اس نے کہا آپ نے پہچانا؟ آپ نے نفی میں جواب دیا تو اس شخص نے کہا میں وہی ہوں، جس کی خیرات اللہ نے قبول کر لی اور اپنے پاس بلا لیا۔،، (مجلس۔۵)

صوفیہ کے ہاں ایک حدیث کا بھی بہت ذکر ملتا ہے کہ قیامت کے دن ایک عورت کو صرف اس لئے جنت ملیگی کہ اس نے ایک پیاس سے دم توڑتی بلی کو پانی پلایا ہوگا۔یہ اور اس طرح کی باتیں صوفیہ کی محفلوں میں ہوتی رہتی تھیں اور ان کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو تمام جانداروں کے ساتھ حسنِ سلوک پر مائل کیا جائے۔

محبت ہے تو دنیا ہے

محبت دنیا کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔دنیا کے وجود کا سبب محبت ہے۔رحم ومحبت نہ ہو تو دنیا کا وجود نہ ہو۔زمین وآسمان نہ ہوں، چاند ستارے نہ ہوں سمندر و پہاڑ نہ ہوں جھرنے وآبشار نہ ہوں، پیڑ پودوں کا وجود نہ ہو، کلیوں میں حسن نہ ہو، پھولوں پہ نکھار نہ ہو، باغ وبہار نہ ہو، سپنوں کا سنسار نہ ہو، جمادات وحیوانات کا وجود نہ ہو، فضائی کائنات نہ ہو۔والدین اپنے بچوں کی پرورش نہ کریں، پرندے اپنے چوزوں کو دانے نہ کھلائیں، درندے شکار نہ کریں اور چرند چارے نہ کھائیں اور کھلائیں۔کبھی غور تو کرو انسان لاڈ و پیار سے اپنے بچوں کی پرورش کیوں کرتا ہے؟ چڑیاں اکیس دن تک اپنے انڈے کیوں سیتی ہیں؟ جانور اپنی جان پر کھیل کر اپنے بچوں کی حفاظت کیوں کرتے ہیں؟ ہاتھیوں کا پورا جھنڈ ایک نوزائیدہ بچے کو تحفظ کیوں دیتا ہے؟ گوشت خور شیر اور چیتے اپنے بچوں کو کیوں نہیں کھاتے؟ ظاہر ہے یہ سب محبت کے سبب ہے۔ہر جگہ محبت کی

Marfat.com

جلوہ گری ہے۔ یہ محبت اگر کسی کو اپنی جان خطرے میں ڈالنے پر اکساتی ہے تو کسی کو جان بچانے پر بھی مجبور کرتی ہے۔ انسانی معاشرہ ہو یا جنگل کی زندگی ہر جگہ کسی نہ کسی روپ میں اس جذبے کی کارفرمائی ضرور مل جاتی ہے۔ یہ جذبہ ہی انسانی معاشرے کو ٹوٹ پھوٹ سے بچاتا ہے اور یہی جذبہ جانوروں کو گروہی زندگی جینے پر مجبور کرتا ہے۔ انسان، جانور، پیڑ پودے اور کائنات کا ذرہ ذرہ ایک پیدا کرنے والے کے احکام کا پابند ہے اسی خالق و مالک نے سب کو محبت کا جذبہ عطا فرمایا اور اسی جذبے کے سبب سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔ محبت کا جذبہ گو عام ہے مگر اخلاق و مروت کی صفات تو انسانوں تک ہی محدود ہیں۔ یہ اور اس جیسی کچھ دیگر خصوصیات انسان کو دوسری مخلوقات سے الگ کرتی ہیں۔ اسے اشرفیت کا بلند مقام عطا کرتی ہیں اور اسے فرشتوں میں بھی ممتاز کرتی ہیں۔ تصوف میں انھیں انسانی خصوصیات پر زور دیا جاتا ہے کیونکہ محبت اور اخلاق کا یہ جذبہ نہ صرف ہماری شخصیت کی تعمیر میں اِک اہم رول ادا کرتا ہے بلکہ ہمارے معاشرے کو بھی امن وامان کا گہوارہ بناتا ہے۔ اگر محبت اور اخلاق کے جذبات سماج میں عام ہو جائیں تو تمام سماجی برائیاں خود بخود ختم ہو جائیں اور یہ معاشرہ جو آج دہشت گردی، بدعنوانی، رشوت ستانی، تشدد، خونریزی اور بیشمار اخلاقی خرابیوں کا سامنا کر رہا ہے ایک صالح اور اچھا معاشرہ بن جائے۔

محبت صلح بھی پیکار بھی ہے
یہ شاخ گل بھی ہے تلوار بھی ہے

آج ہماری ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ ہم تعلیم کا مقصد صرف روزگار حاصل کرنا سمجھنے لگے ہیں، اچھا انسان بننا نہیں۔ اس تعلیم کا آخر کیا فائدہ جو انسان کو انسان نہ رہنے دے، انسان کو ایک مہذب جانور (CULTURED ANIMAL) بنا کر چھوڑ دے؟ اس تربیت سے کیا حاصل جو اسے محض پیٹ بھرنے کا ذریعہ فراہم کرے اور روزی دینے والے سے غافل کردے؟ وہ سیاست کس کام کی جو انسان کو آزادی کی بجائے طوقِ غلامی پہنا دے؟ اس تعلیم سے کیا حاصل جو

Marfat.com

دوسروں کے وسائل اور حقوق پر شبخون مارنا سکھائے؟ وہ سائنس کس کام کی جو انسان کو زندگی کے بجائے اجتماعی موت فراہم کرے؟

پوتھی پڑھ پڑھ جگ موا پنڈت بھیا نہ کوئے
ڈھائی آکھر پریم کے پڑھے سو پنڈت ہوئے

ڈھائی آکھر کا جلوہ

''پریم کے ڈھائی آکھر،، ہی ہمارے وجود کا مقصد ہیں اور وجود کا سبب بھی۔ انھیں ڈھائی لفظوں میں سمٹی ہوئی ہے کائنات اور اسی کے گرد گھوم رہے ہیں تمام سیارے اور ستارے۔ اس کے بغیر چاند اور سورج اپنی روشنی کھودیں، ستارے اپنی دلکشی کھودیں، سیارے اپنی زندگی کھودیں، پھول اپنی تازگی کھودیں اور پودے اپنی شادابی کھودیں۔ کتنے خوش قسمت ہیں وہ افراد جو اپنے دلوں کی حویلیوں کو محبت کی روشنی سے جگمگائے رکھتے ہیں۔ مشہور صوفی اور عالم امام محمد غزالی لکھتے ہیں:

''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے خاص بندوں کو فضل و کرم کی چادر سے ڈھانپ لیا اور انکے دلوں میں محبت ڈال دی، حتا کہ وہ اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور ان کے دلوں سے کینہ نکال باہر کیا چنانچہ وہ دنیا میں ایک دوسرے کے دوست اور آخرت میں رفیق وخلیل ہونگے۔،، (احیاء العلوم، حصہ دوم، صفحہ، ۳۶۱)

یہ محبت اخلاق اور بھائی چارہ ہی تمام آسمانی مذاہب کا پیغام ہے۔ اسی کی تعلیم کے لئے اللہ کے پیغمبروں کی آمد ہوئی اور اسی کی دعوت کے لئے رسولوں کی بعثت ہوئی۔ تصوف کا بھی یہی پیغام ہے کہ اللہ کے بندوں کو آپس میں محبت اور بھائی چارہ کا برتاؤ کرنا چاہئے ہر دور میں صوفیاء نے دنیا کو یہی تعلیم دی اور خود بھی اسی پر کاربند رہے۔ ان کے نزدیک انسان قابلِ احترام اور لائقِ محبت تھا وہ خواہ کسی بھی مذہب، ذات، علاقے اور رنگ و نسل کا ہو۔ اسی پیغامِ محبت نے ایک دنیا کو

Marfat.com

تصوف کا گرویدہ بنا دیا اور اسے ساری دنیا میں پذیرائی حاصل ہوئی۔صوفیاء نے اللہ کے بندوں کی محبت اور انکی خدمت کو رضائے الٰہی کا ذریعہ سمجھا۔انھوں نے مخلوق میں خالق کا جلوہ دیکھا۔صانع کو صناعی میں ڈھونڈا۔نقاشِ فطرت کے نقوش کو اس کی فنکاری (ARTS) میں تلاش کیا۔

ہر گیاہے کہ از زمیں روید
وحدہٗ لا شرک می گوید

محبت کیسے؟

صوفیاء اچھے اخلاق کو محبت کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور برے اخلاق کو اختلاف کا سبب۔ظاہر ہے کہ اچھے اخلاق سے محبت بڑھتی ہے اور برے اخلاق سے نفرت، حسد اور کینہ میں اضافہ ہوتا ہے۔سماج میں بہتری کا سبب بنتے ہیں اچھے اخلاق جبکہ نفرت کینہ اور بغض وحسد ایک اچھے سماج کو بھی بگاڑ سکتے ہیں۔یوں کہہ سکتے ہیں کہ آم کا پیڑ آم کا پھل دیتا ہے اور ببول کا پیڑ کانٹے دیتا ہے۔

بویا پیڑ ببول کا تو آم کہاں سے کھائے

حدیثِ رسول ہے کہ:

''میزانِ عدل پر سب سے زیادہ وزنی چیز جو رکھی جائیگی وہ اچھے اخلاق ہیں،،

(سنن ابوداؤد، جلد دوم، کتاب الادب)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا:

''جو تم سے رشتہ توڑے اس سے رشتہ جوڑو، جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کردو اور جو تمھیں نہ دے اسے تم دو۔،،

(شعب الایمان، جلد ششم، صفحہ ۲۶۱)

اوپر کی عبارت کو اگر سرسری طور پر پڑھ کر گزر گئے ہوں تو دوبارہ پڑھیے۔رسولِ اکرم صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم کے اسی قسم کے اخلاق نے جانی دشمنوں کو بھی محبت کرنے والا دوست بنا دیا تھا اور یہی اخلاقی تعلیمات تصوف کی روح ہیں۔صوفیہ نے اسی اخلاق کی تبلیغ کی۔

اخلاق کے تعلق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار احادیث ہیں، مگر یہاں صرف دو حدیثیں ملاحظہ فرمائیں:

''مومن محبت کرنے والا ہوتا ہے اور اس سے محبت کی جاتی ہے، جو لوگ دوسروں سے محبت نہیں کرتے اور نہ ان سے محبت کی جاتی ہے ان میں کوئی بھلائی نہیں۔'' (تاریخ ابنِ عساکر، جلد سوم، صفحہ ۲۲)

''اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے اچھا دوست دیدیتا ہے، اگر یہ بھول جائے تو وہ اسے یاد دلاتا ہے اور اگر اسے یاد ہو تو وہ اسکی مدد کرتا ہے۔''

(سنن ابی داؤد، جلد دوم، صفحہ ۱۵، کتب الخروج)

اوپر کی سبھی حدیثوں میں محبت کی بات کہی گئی ہے، محبت کا دائرہ کسی خاص علاقے، مذہب، ذات اور نسل تک محدود نہیں ہے، بلکہ عام ہے۔یعنی آدمی کی محبت سب کے لئے عام ہونی چاہئے۔اگلا کسی بھی مذہب کا ہو، کسی بھی علاقے کا ہو، کسی بھی رنگ و نسل کا ہو اس سے محبت کرنا خیر خواہی کرنا اور اسکے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا ایک اچھے مسلمان کی ذمہ داری ہے۔صوفیہ نے اسی پر سب سے زیادہ زور دیا۔اسلام کا ایک شعبہ شریعت ہے۔جس پر عمل کی علماء تلقین کرتے رہے ہیں۔ شریعت کی اہمیت اپنی جگہ پر مسلم، مگر اسی کے ساتھ اخلاقیات کی اہمیت بھی ہے اور اخلاقیات کے بغیر مذہب ایک بے روح جسم بن کر رہ جاتا ہے۔شریعت تو مذہبی قوانین کا مجموعہ ہے، اور زندگی وسماج کے لئے یقیناً قانون کی ضرورت ہے، مگر اخلاقیات (MORAL VALUES) کی ضرورت ہے ان قوانین کی آتما کو سمجھنے کے لئے۔مثلاً اسلام نے اپنے مال سے ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے، وہ مال جس پر ایک سال گزر جائے اسی پر یہ حکم لاگو ہوگا۔یہ حکمِ شریعت ہے، مگر اہلِ طریقت کا کہنا ہے کہ ایک سال تک مال بچا کر کیوں رکھا جائے کہ اس پر زکوٰۃ واجب

Marfat.com

ہو؟ اگر مال آئے تو اسی وقت اسے اللہ کے راستے میں خرچ کردیا جائے۔ اسکا مظاہرہ بار بار رسول ﷺ کی سیرت میں نظر آتا ہے۔

آج دنیا کا کوئی بھی ملک آئین سے عاری نہیں، مگر جو مسائل درپیش ہیں وہ اخلاقیات سے عاری سماج اور قانون نافذ کرنے والوں کے سبب ہیں۔ آج اگر کسی کو حکومت مل جاتی ہے تو وہ عوام کے حقوق کو سلب کرنے کی سوچتا ہے، جنتا کی دولت کو لوٹ کر عیش کرتا ہے، انصاف کے خلاف فیصلے کرتا ہے۔ یقیناً یہ سب اخلاقیات سے عاری ہونے کی وجہ سے ہے۔ تصوف کا اصل میدان یہی اخلاقیات کا شعبہ ہے۔ اگر آدمی کی روح پاکیزہ ہوجائے تو جسم کے پاکیزہ ہونے میں کیا دیر؟ اور اگر روح وجسم پاکیزہ ہوجائیں تو سماج یقیناً صاف ستھرا ہوجائیگا، امن وامان کا گہوارہ ہوجائیگا۔

محبت سماج کو جوڑنے والی چیز ہے۔ دشمن کو بھی دوست بنانے والی چیز ہے۔ اسی لئے تصوف میں سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے محبت پر۔ بھائی چارے پر۔ ایک دوسرے کی غمخواری پر۔ اپنے عہد کے معروف صوفی حضرت ابوحمزہ بغدادی کا قول ہے:

''جب تمہارا جسم تم سے سلامتی پائے تو جان لو کہ تم نے اس کا حق ادا کردیا اور جب لوگ تم سے محفوظ رہیں تو جان لو کہ تم نے ان کا حق ادا کردیا۔''

(کشف المحجوب، صفحہ ۲۳۰)

یعنی خود کو سلامت رکھنا اپنے جسم کا حق ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی دوسروں کی بھی بھلائی چاہے۔ یہ دوسرں کا حق ہے کہ وہ ہماری اذیت اور تکلیف سے محفوظ رہیں۔ سماج کی خیر خواہی اور خدا کے بندوں کی بھلائی، یہ وہ انسانی صفات ہیں جن پر تصوف میں خاص دھیان دیا جاتا ہے اور انھیں عبادت تصور کیا جاتا ہے۔

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

Marfat.com

خدمتِ خلق سے محبت پھیلتی ہے

خدمتِ خلق یعنی انسان کی خدمت اور لوگوں کی سیوا صوفیوں کا طریقہ رہا ہے۔ وہ اپنی خانقاہوں سے کئی کام خدمت کے جذبے کے تحت کرتے تھے۔ خانقاہوں نے سماج سیوا کی ایسی ایسی مثالیں قائم کیں، جو بادشاہوں اور امیروں کے لئے بھی ناممکن تھیں۔ ایسی خانقاہیں ان سبھی ممالک میں پھیلی تھیں، جہاں صوفیہ تھے، انکے نظریات وخیالات تھے اور تصوف کے سلاسل موجود تھے۔ دلّی کی سب سے مشہور خانقاہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ تھی جس کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں بہت تفصیل سے ملتا ہے۔ اس خانقاہ کی طرف سے روزانہ ہزاروں افراد کے لئے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا تھا۔ جو غریب ونادار نہیں آسکتے تھے، ان کے گھر کھانا بھیج دیا جاتا تھا۔ کئی غریب خاندانوں کے لئے وظیفے مقرر تھے جو پابندی کے ساتھ ہر مہینے انھیں بھیج دیئے جاتے تھے۔ علماء، حفاظ اور فقراء ومساکین کی مدد کے لئے ہمیشہ دروازہ کھلا رہتا۔ علم حاصل کرنے والے طلباء کے اخراجات خانقاہ سے ہی پورے کئے جاتے تھے۔ جو غریب خاندان دلی سے دور جنوبی ہند میں تھے انکی مدد کے لئے بھی یہاں سے پیسے بھیج دیئے جاتے تھے۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر لوگ خانقاہ کی طرف مدد کے لئے دیکھتے تھے۔ اس خانقاہ کی یہ حالت تھی کہ ہر جمعہ کو جھاڑو پھیر دیا جاتا تھا اور کوئی بھی چیز باقی نہیں چھوڑی جاتی تھی جو کچھ بھی بچا کھچا ہوتا اسے خیرات کر دیا جاتا تھا۔ یہ روایت صرف اسی خانقاہ کی نہیں تھی دیگر خانقاہوں میں بھی اسی قسم کی سماجی خدمات کا سلسلہ جاری تھا۔ اس کے پیچھے صوفیہ کی خاص سوچ تھی، جسکی جھلک خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان میں ملتی ہے:

"جب کوئی پیاسے کو پانی پلاتا ہے، اس وقت اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسا ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو، اگر وہ مر جائے تو اس کا شمار شہداء میں ہوگا۔ پھر فرمایا جو شخص بھوکے کو کھانا کھلائے اللہ اسکی ہزار حاجتوں کو پورا کرتا ہے اور جہنم کی آگ سے اسے آزاد کرتا ہے، اور جنت میں اس کے لئے ایک محل مخصوص کرتا ہے۔"

(انیس الارواح، مجلس۔۱۰)

Marfat.com

ایک دوسری جگہ خواجہ عثمان ہارونی کا ہی قول درج ہے:

"میں نے خواجہ مودود چشتی کی زبانی سنا کہ اللہ تعالیٰ تین گروہوں کی طرف نظر رحمت فرماتا ہے، پہلے وہ باہمت لوگ جو محنت کر کے اپنے کنبہ کو پالتے ہیں۔ دوسرے جو اپنے پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرتے ہیں اور وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کا حکم مانتی ہیں۔ تیسرے وہ جو فقیروں اور عاجزوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔"

(انیس الارواح، مجلس۔۲۰)

اسی طرح حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

"کھانا کھلانا سبھی مذاہب میں پسندیدہ ہے۔" (فوائد الفواد، جلد۔۱، مجلس۔۱۷)

اس قسم کے اقوال صوفیہ کے ملفوظات اور انکی کتابوں میں بہت زیادہ ملتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ خدمت خلق کو کتنا پسند کرتے ہیں۔ وہ اس خدمت کو نہ صرف خدا تک پہونچنے کا ذریعہ سمجھتے تھے بلکہ وہ اسے انسانوں میں محبت اور بھائی چارہ کی اشاعت کا ذریعہ بھی تصور کرتے تھے۔ خدمتِ خلق کو صوفیاء کے حلقے میں کس قدر اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مکتوب سے ملتا ہے۔ اس خط کا ایک حصہ پیش ہے:

"خدمت کرنے میں بڑے بڑے فوائد ہیں اور کچھ ایسی خاصیتیں ہیں جو اور کسی عبادت میں نہیں۔ ایک تو یہ کہ نفس سرکش مر جاتا ہے اور بڑائی کا گھمنڈ دماغ سے نکل جاتا ہے، عاجزی اور تواضع آ جاتی ہے۔ اچھے اخلاق، تہذیب اور آداب آ جاتے ہیں۔ سنت اور طریقت کے علوم سکھاتی ہے۔ نفس کی گرانی اور ظلمت دور ہو کر روح سبک اور لطیف ہو جاتی ہے۔ آدمی کا ظاہر و باطن صاف اور روشن ہو جاتا ہے۔ یہ سب فائدے خدمتِ خلق ہی کے لئے مخصوص ہیں۔ ایک بزرگ سے پوچھا گیا خدا تک پہنچنے کے لئے کتنے راستے ہیں؟ جواب دیا موجوداتِ عالم کا ہر ذرہ خدا تک پہنچنے کا

Marfat.com

ایک راستہ ہے، مگر کوئی راہ نزدیک تر اور بہتر خلقِ خدا کو راحت و آرام پہنچانے سے بڑھ کر نہیں ہے، اور ہم تو اسی راستے پر چل کر اس منزل تک پہنچے ہیں اور اپنے مریدوں کو بھی اسی کی وصیت کرتے ہیں۔ انھیں بزرگوں کا کہا ہوا ہے کہ اس گروہ کے ورد، وظائف اور عبادتیں اتنی ہیں جو بیان نہیں کی جاسکتیں، مگر کوئی عبادت افضل اور مفید تر خدمتِ خلق سے نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت پیغمبر اسلام ﷺ سے روایت ہے کہ حضور سے پوچھا گیا کون سا صدقہ زیادہ افضل ہے؟ فرمایا بندے کی خدمت کرنا خدا کی راہ میں، یا سایے کی غرض سے خدا کے راستے میں شامیانے لگانا، خیمے نصب کرنا یا خدا کی راہ میں اونٹ یا کشتی دینا۔ ایک اور دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ بیوہ عورتوں کے کام میں دوڑنا اور غریبوں، مسکینوں کی خدمت بجالانا ایک مجاہدے کی طرح ہے خدا کی راہ میں۔ یا ان لوگوں کی طرح ہے جو دن کو روزے رکھتے ہیں اور راتوں کو عبادت کرتے ہیں۔" (مکتوباتِ صدی، مکتوب ۷۱)

حضرت مخدوم بہاری علیہ الرحمہ نے خدمتِ خلق کے بارے میں اور بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ یہ ان کا ایک طویل خط ہے اور یہ پورا خط ہی اس کی فضیلت میں ہے۔ وہ خود بھی پٹنہ سے قریب بہار شریف کے علاقے میں مقیم رہے اور اپنی پوری زندگی عوامی خدمات میں لگادی۔ اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ ان کی نظر میں اللہ کے بندوں کی خدمت کرنا کتنا بڑا کام ہے۔ صوفیوں کے ہاں خدمتِ خلق کی روایت ابتدا سے ہی رہی ہے اور وہ اسے نہ صرف خدا تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتے رہے ہیں بلکہ وہ اس کے ذریعے محبت اور بھائی چارے کا پرچار بھی کرتے رہے ہیں۔

مذہب، بھائی چارے میں رکاوٹ نہیں

مذہب انسان دوستی کا سبق دیتا ہے۔ یہ آدمی کو آدمی سے جوڑنے کی بات کرتا ہے، اور تصوف مذہب کی روح ہے۔ جس طرح جسم بغیر روح کے ادھورا ہے اسی طرح مذہب بغیر

Marfat.com

روحانیت کے نامکمل ہے۔ تصوف محبت کی بات کرتا ہے، یہ کبھی مذہب اور رنگ ونسل کی بنیاد پر بھید بھاؤ کی بات نہیں کرتا۔ ایک غلط فہمی بعض لوگوں کو ہے، اسکا ازالہ ضروری ہے کہ، مذہبِ اسلام صرف مسلمانوں سے برادرانہ رشتے کا درس دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول محترم ﷺ کی مبارک زندگی میں ایک دونہیں ایسی سیکڑوں مثالیں مل جاتی ہیں، جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اسلام انسانیت کی بنیاد پر عالمی بھائی چارے کی دعوت دیتا ہے۔ وہ تمام انسانوں کو ایک ماں، باپ کی اولاد بتاتا ہے۔ اگر اللہ کے رسول غیر مسلموں سے دور رہتے یا ان سے نفرت کرتے تو اُن تک اسلام کا پیغام کیونکر پہنچتا؟ انھیں ایک معبود کی عبادت کی دعوت کیونکر دیتے؟ بلکہ کئی غیر مسلم قبیلوں کے ساتھ آپ نے معاہدے بھی کئے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بھارت، انڈونیشیا، ملیشیا اور سری لنکا جیسے کئی ملکوں میں اسلام کا پیغام عرب تاجروں کے ذریعے ہی پہنچا اور غیر مسلموں کے ساتھ میل جول کی وجہ سے ہی اسکی اشاعت ہوئی۔

حضرات صوفیہ نے رسول پاک ﷺ کے طریقوں کو ہی مشعل راہ بنایا اور سماج کے ہر طبقے میں محبت اور بھائی چارے کے پیغام (MESSAGES) کو عام کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ بھارت میں اگرچہ اسلام کی ابتدا عرب تاجروں اور سوداگروں کے ذریعے ہوئی مگر پورے ملک میں اسے پھیلانے کا کام صوفیہ نے ہی کیا۔ یہ کام غیر مسلموں سے میل جول اور حسنِ سلوک کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ صوفیہ کی حیثیت ایک داعی کی رہی ہے لہٰذا انکے لئے دوسرے مذاہب کے لوگوں سے نفرت کا کوئی مطلب ہی نہیں تھا۔ ابھی چند صفحات قبل گزرا کہ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے یہودی پڑوسی کے ساتھ بھی حسنِ اخلاق کا بہترین مظاہرہ کیا۔ اس قسم کے بیشمار واقعات صوفیہ کے تذکروں میں ملتے ہیں۔ ایک اور تاریخی سچائی ہے کہ صوفیہ کی پہلی خانقاہ کی تعمیر بھی ایک غیر مسلم کی مدد سے ہوئی۔ شیخ ابو ہاشم صوفی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ پہلی صدی ہجری کے صوفی ہیں اور پہلے ایسے صوفی ہیں جس نے صوفی کا لقب اختیار کیا۔ آپ نے ہی رملہ (شام) میں پہلی خانقاہ تعمیر کرائی۔ اسکی تعمیر میں ایک پارسی کی مدد شامل تھی۔ اسکی تفصیل علامہ عبدالرحمٰن جامی کی کتاب نفحات الانس میں یوں ہے:

Marfat.com

''ایک دن ایک امیر جو آتش پرست تھا شکار کے لئے (شہر سے) باہر گیا ہوا تھا۔راستے میں اس نے دیکھا کہ دو شخص ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے اور اسی جگہ بیٹھ گئے اور جو کچھ زادِراہ از قسم آذوقہ ان کے پاس موجود تھا وہ انھوں نے نکالا اور باہم کھانے لگے۔کھانے سے فراغت کے بعد وہ پھر اپنے اپنے راستے پر روانہ ہو گئے۔امیر کو ان کا یہ باہمی خلوص اور دوستانہ رویہ بہت پسند آیا۔اس نے ان میں سے ایک مسافر سے دریافت کیا کہ تمہارا وہ دوسرا ساتھی کون ہے؟ اس نے کہا مجھے نہیں معلوم! کیا تمہیں اس سے کوئی کام تھا؟ امیر نے کہا کہ نہیں، میں نے یونہی دریافت کیا۔پھر امیر نے پوچھا کہ وہ کدھر سے آرہا تھا، اس نے جواب دیا مجھے نہیں معلوم! امیر نے کہا کہ پھر تمہارے درمیان یہ محبت وخلوص کیسا؟ اس مسافر درویش نے کہا کہ ہم لوگوں کی روش اور طریقہ یہی ہے۔امیر نے دریافت کیا کہ تمہارا کہیں کوئی ٹھکانہ بھی ہے، جہاں تم لوگ ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہو؟ درویش نے جواب دیا کہ ہمارے پاس ایسی کوئی جگہ نہیں ہے۔امیر نے کہا میں تمہارے لئے ایک مکان تعمیر کرائے دیتا ہوں، جہاں تم سب لوگ جمع ہوسکو۔اسکے بعد اس امیر نے ایک مکان (خانقاہ) شہر رملہ میں تعمیر کرا دیا۔'' (صفحہ ۱۷۷)

حضرت احمد بن حرب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک واقعہ تذکرۃ الاولیاء میں ملتا ہے کہ انکے پڑوس میں ایک پارسی رہتا تھا جس کا نام بہرام تھا۔ایک بار بہرام کا مالِ تجارت ڈاکوؤں نے لوٹ لیا تو حضرت احمد بن حرب اپنے دوستوں کے ہمراہ اس کی دلجوئی کے لئے گئے۔بہرام آپ کی آمد سے بہت خوش ہوا اور آپکی باتیں سن کر کہنے لگا کہ اس معاملے میں تین شکر کرتا ہوں ایک تو اِس بات کا کہ ڈاکو میرا مال لوٹ کر لے گئے لیکن میں نے کسی کا مال نہیں لوٹا۔دوسرے اس بات کا کہ وہ آدھا مال لے گئے اور آدھا باقی ہے۔تیسرے اس بات کا کہ وہ دنیا لوٹ کر لے گئے مگر میرا دین محفوظ ہے۔حضرت احمد بن حرب نے اس کی معقول باتیں سن کر اپنے دوستوں سے فرمایا کہ اس

Marfat.com

بات کو لکھ لو مجھے بہرام سے آشنائی کی بو آتی ہے۔ پھر کچھ سوال و جواب کے بعد بہرام کے ایمان لانے کی بات درج ہے۔

عام طور پر اسلام مخالفوں نے اسلام کو ایک غیر مسلم مخالف مذہب کے طور پر پیش کیا ہے۔ ایسا مذہب جو دوسرے مذاہب کو برداشت کرنے کو تیار نہیں ،مگر یہ بات سچائی کے خلاف ہے۔ قرآن کی تعلیم تو یہ ہے کہ ''دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں'' اسی طرح اسلامی ریاست میں انھیں اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ہے اور انکی حفاظت کی ذمہ داری حکومت کی ہے۔ اس سلسلے میں خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ لائقِ عبرت ہے۔ اسے معروف صوفی اور عالم دین امام محمد غزالی نے مکاشفۃ القلوب میں درج کیا ہے:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھے ذمی (غیر مسلم) کو لوگوں کے دروازوں پر بھیک مانگتے دیکھا تو فرمایا، ہم نے تیرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ جوانی میں تجھ سے جزیہ (ٹیکس) لیتے رہے اور بڑھاپے میں تجھے در بدر ٹھوکریں کھانے کو چھوڑ دیا۔ آپ نے اسی وقت اس کا بیت المال (PUBLIC EXCHEQUER) سے وظیفہ مقرر کردیا۔'' (باب۔۱۸)

ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کے تعلق سے کچھ حقوق لازم ہیں۔ اسی طرح ہر مسلمان پر ایک انسان کی حیثیت سے کچھ انسانی حقوق بھی ضروری ہیں۔ اسے تمام انسانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہئے۔ اسے انسان، انسان میں فرق نہیں کرنا چاہئے۔ ہر مسلمان پر پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی بھی لازم ہے۔ پڑوسی مسلمان ہو یا غیر مسلم، یہ ضروری ہے کہ اس کے تمام حق ادا کئے جائیں۔ یہاں تک کہ اگر وہ اخلاق سے پیش نہ آتا ہو تو بھی مسلمان پڑوسی پر ضروری ہے کہ وہ اس کے حق ادا کرے۔ کیونکہ پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی مسلمان پر ضروری ہے نہ کہ غیر مسلم پر۔ اگر اس کے حقوق ادا نہیں کئے تو اللہ کی بارگاہ میں بندوں کے حق نہ ادا کرنے کے سبب جوابدہ ہونا پڑے گا۔

Marfat.com

بھارت کے مسلمانوں کو ہمیشہ حکومت اور اپنے ہم وطن بھائیوں سے یہ شکایت رہتی ہے کہ انکے ساتھ بھید بھاؤ کا برتاؤ کیا جاتا ہے اور انکے جائز حقوق انھیں نہیں دیئے جاتے۔ سرکار بنانے سے لے کر سرکاری نوکریوں تک میں ان کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ سیاسی پارٹیاں ان کے نام پر سیاست کرتی ہیں اور فرقہ وارانہ فسادات کرا کر انکی نسل کشی کی جاتی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر مسلمان یکطرفہ طور پر صوفیہ کے طریقے پر عمل شروع کر دیں تو بہت حد تک ان حالات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ نفرت کے جواب میں محبت کا برتاؤ ہمیشہ کارگر ثابت ہوتا ہے۔ اس طریقے سے بڑے بڑے پتھروں کو موم کیا جاسکتا ہے۔

انسان محبت کا خوگر ہے

آدمی کو اس کے پیدا کرنے والے نے محبت کا خوگر بنایا ہے۔ وہ محبت کرتا ہے اور محبت کیے جانے کی توقع رکھتا ہے۔ کئی وقتی مسائل اسے ایک دوسرے سے دور کر دیتے ہیں مگر پھر جب اسکی نگاہوں کے سامنے سے نفرت کا مصنوعی پردہ ہٹتا ہے تو سچائی بے پردہ ہو جاتی ہے۔ وہ نفرت کے کہرے سے نکل کر محبت کی روشنی میں آجاتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے ایک تمثیلی واقعہ بیان کرنا بے موقع نہ ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک گاؤں میں دو الگ الگ مسلک کے مدرسے تھے۔ دونوں کی آپس میں چپقلش رہتی تھی۔ ان کے ذمے داران اور مدرسین کبھی ایک دوسرے کو نظر بھر کے دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے چہ جائیکہ ایک دوسرے کے ساتھ سلام، دعاء کریں۔ اس قسم کی نفرت بہت عام ہے اگر آپ کے گاؤں یا شہر میں دو الگ الگ مکاتب فکر کے مدرسے ہوں تو اس قسم کی نفرت اور بیزاری کا احساس آپ بھی کر سکتے ہیں۔ امریکہ اور ایران کے درمیان صلح ممکن ہے، نارتھ کوریا اور ساؤتھ کوریا کی دشمنی ختم ہوسکتی ہے مگر اہل مدارس کے بیچ نفرت کا ختم ہونا ایک ناممکن سی بات ہے۔ ابھی اتنے اچھے دن نہیں آئے کہ اہل مدارس آپس میں محبت اور اخوت کا برتاؤ کریں۔ یہ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کی لڑائی نہیں جو ختم ہو جائے یہ مسلکی لڑائی کفر وایمان سے

Marfat.com

آگے کی لڑائی ہے۔اس لڑائی کو بھی ایک تقدس کا مقام حاصل ہے۔یہ الگ سوال ہے کہ جب تک یہ اہل مدارس جھگڑا کراتے رہیں تب تک یہ مذہبی کیسے ہو سکتے ہیں؟ کیا کوئی مذہب بھی آپس میں جھگڑا کرنا سکھاتا ہے؟ کیا کوئی دھرم نفرت کی تعلیم دیتا ہے؟ اگر دیتا ہے تو وہ مذہب کب رہا؟ اسے دین ودھرم کیسے کہا جاسکتا ہے؟

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں، بیر رکھنا

بہرحال ان دونوں مدرسوں کے درمیان لڑائی رہتی تھی۔کئی بار مناظرے بھی ہو چکے تھے جو بغیر کسی انجام کے ختم ہوئے تھے۔طلباء بھی ایک دوسرے سے دور دور رہتے تھے،انھیں اسی کی تعلیم بھی دی گئی تھی۔ ایک دن اتفاق سے ایک مدرسے کا ایک طالب علم دوسرے مدرسے کے ایک طالب علم سے مل گیا۔اس نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ دوسرے نے جواب دیا، جہاں ہوا لے جائے۔ پہلے طالبعلم نے اپنی اس ملاقات کی روئداد اپنے استاد کو بھی سنادی۔استاد نے اس بات کا اسے فوراً جواب بھی بتا دیا، کیونکہ وہ اس لڑائی میں اپنے گروپ کو پیچھے نہیں رکھ سکتا تھا۔اس نے کہا اب جب وہ طالب علم ملے تو کہنا کہ اگر ہوا بند ہوگئی تو کہاں جاؤ گے؟ استاد کا جواب، بلکہ ایسا جواب جس میں ایک سوال بھی پوشیدہ تھا، اب طالبعلم کے پاس تھا۔اب اسے اس دوسرے مدرسے کے طالبعلم سے ملاقات کا انتظار تھا۔اتفاق سے ایک دن یہ ملاقات ہو بھی گئی۔اس نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ اس لئے نہیں کہ وہ جاننا چاہتا تھا، بلکہ اس لئے کہ اس کے پاس جواب تیار تھا،مگر اکثر تیار جواب بیکار ثابت ہوتے ہیں۔جس طرح ایک دو دن قبل کا تیار کھانا باسی ہو جاتا ہے اور کھانے کے لائق نہیں رہتا اسی طرح دو چار دن پہلے کا تیار جواب بھی اکثر بیکار ہو جاتا ہے۔جواب میں پہلے مدرسے کے طالب علم نے کہا کہ جہاں قدم لے جائیں۔اب تیار شدہ جواب بیکار ہو چکا تھا۔ طالبعلم واپس اپنے استاد کے پاس آیا اور پورا ماجرہ کہہ سنایا۔استاد نے کہا، اسی لئے تو ہماری ان سے دشمنی ہے کہ دوسرے مدرسے والے اپنی بات پر قائم نہیں رہتے، زبان کے پکے نہیں، ورنہ ہمارا آخر ان سے اختلاف کیا ہے؟ بہرحال ہم ان سے ہار ماننے والے نہیں۔ میں تمہیں جواب بتاتا ہوں،

Marfat.com

اب جب وہ طالب علم ملے تو تم کہنا، اگر خدانخواستہ پاؤں ٹوٹ گئے تو کہاں جاؤ گے؟ طالبعلم کے پاس جواب تیار تھا، وہ اس وقت کے انتظار میں تھا جب دوسرے مدرسے کا طالبعلم ملے اور وہ اسے جواب دے۔ آخر کار وہ وقت بھی آیا جب دونوں کی راستے میں ملاقات ہوگئی۔ تیار شدہ جواب دہرانے کی چاہت میں اس نے پوچھا، کہاں جارہے ہو؟ دوسرا طالبعلم بولا، بازار سبزی لانے جارہا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے ایک بار پھر تیار شدہ جواب بیکار کر دیا تھا۔

اس پورے تمثیلی واقعے کو بیان کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ انسانی سماج میں نفرت پھیلانے کی اس قسم کی کوششیں اکثر ہوتی رہتی ہیں مگر نفرت تو نفرت ہی ہے اسکی عمر لمبی نہیں ہوتی۔ اس دنیا کی سب سے بڑی سچائی تو محبت ہی ہے۔ ممکن ہے سیاستدانوں کے گمراہ کن بیانات اور عوام کو مذہب، ذات، زبان اور نسل میں بانٹنے کی کوششیں وقتی طور پر کام کر جائیں مگر اخیر میں حاوی محبت ہی ہوتی ہے۔ آدمی کے خمیر میں سب سے زیادہ تناسب محبت کا ہی ہے لہٰذا محبت ہی انجام کار سرخرو ہوتی ہے۔

نفرت کا علاج

نفرت ہمارے سماج کا ناسور ہے۔ یہ انسانی معاشرے میں مختلف سطح پر پھیلا ہوا ہے اور اسکا صرف ایک علاج ہے کہ نفرت کے جواب میں محبت کو عام کیا جائے۔ نفرت کا جواب محبت سے دیا جائے۔ نفرت کرنے والوں سے نفرت کا برتاؤ، ویسا ہی ہے کہ اگر کتے نے آدمی کو کاٹا تو آدمی بھی کتے کو کاٹ لے۔ جس طرح یہ غیر مناسب عمل ہے اسی طرح نفرت کا جواب نفرت سے دینا بھی غیر مناسب ہے۔ اگر نفرت کے جواب میں ویسا ہی برتاؤ کیا جائے تو پھر اس کا سلسلہ چل پڑیگا اور ہمارا معاشرہ نفرت سے بھر جائیگا۔ ہر طرف نفرت ہی نفرت ہوگی۔ یہ دنیا انسان کے رہنے لائق نہیں رہ جائیگی۔ جہاں ہر طرف نفرت کی حکمرانی ہوگی وہاں انسان کیسے رہ پائیگا؟ لہذا نفرت کے جواب میں محبت کا اظہار ہی اس کا بہترین حل ہے۔ اہل تصوف کی کامیابی اور تصوف کی

Marfat.com

مقبولیت کا ایک بڑا سبب اسی میں پنہاں ہے اور یہ عین طریقۂ رسول کے مطابق ہے۔ آج سماج میں نفرت بڑھ رہی ہے۔ مذہب، ذات، رنگ ونسل اور علاقائیت کے نام پر نفرت وتعصب عام ہے۔ تصوف اس کا بہترین حل پیش کرتا ہے۔ تمام انسان بہ حیثیت انسان برابر ہیں، کوئی پیدائش سے چھوٹا بڑا نہیں، کوئی اونچ نیچ نہیں۔ خواہ کسی بھی رنگ ونسل اور کسی بھی علاقے سے تعلق رکھنے والا انسان ہو وہ ہمارے لئے قابلِ احترام ہے کیونکہ وہ خالقِ کائنات کی صفتِ تخلیق کا مظہر ہے۔ ہر آدمی آدم کی اولاد ہے اور اس لحاظ سے سبھی مساوی ہیں۔ فارسی کے مشہور شاعر اور صوفی شیخ سعدی کہتے ہیں:

بنی آدم اعضائے یکدیگرند
کہ در آفرینش زِ یک جوہر ند
چو عضوے بدرد آورد روزگار
دیگر عضو ہا را نماند قرار

یعنی آدم کی اولاد ایک بدن کے مختلف اعضاء کی طرح ہیں، کہ سبھی اپنی پیدائش میں ایک جوہر سے ہیں۔ جب جسم کے ایک عضو کو کوئی تکلیف پہونچتی ہے تو دوسرا عضو بھی تکلیف محسوس کرتا ہے۔ سعدی کا یہ قول انسانیت کی بنیاد ہے اور تصوف کے مزاج کا اظہار ہے۔ یہی خیال تقریباً تمام صوفیہ کے ہاں الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ ملتا ہے۔ آج اگر اس خیال کو کتاب سے باہر نکالا جائے اور زندگی کا حصہ بنایا جائے، عملی طور پر اسے لاگو کیا جائے تو دنیا سے نفرت کا وجود مٹ سکتا ہے۔ انسان انسان کا بھائی بن کر رہ سکتا ہے۔ اخوت ومحبت کا ماحول قائم ہوسکتا ہے اور امن وامان کی فضا اس خاکدانِ عالم کو جنت کا نمونہ بنا سکتی ہے۔

○○○

Marfat.com

وہ کیوں کہتے ہو جو تم خود نہیں کرتے؟

(قرآن)

Marfat.com

عجیب خوف میں ہر شخص مبتلا سا لگے
کہ دل بھی سینے میں دھڑکے تو حادثہ سا لگے
بہت سے لوگ ہیں مکر و فریب پر زندہ
کوئی رسول بنا ہے ، کوئی خدا سا لگے

بیکلؔ اتساہی

Marfat.com

حقوقِ انسانی اور تصوف

حقوقِ انسانی کیا ہیں؟

اس دنیا میں ہر انسان کے کچھ بنیادی حقوق (HUMAN RIGHTS) ہیں، جنھیں بین الاقوامی سطح پر تسلیم کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض حقوق تو وہ ہیں جن میں سبھی لوگ برابر ہیں مگر بعض حقوق میں سارے انسان برابر نہیں۔ مثال کے طور پر جینے کا حق، روٹی کپڑا اور مکان پانے کا حق، اپنی مرضی کے مذہب کو اختیار کرنے کا حق اور اس پر عمل کرنے کا حق، روزگار پانے کا حق، عزت وعصمت کے تحفظ کا حق، زبان وبیان کی آزادی کا حق، سیاسی آزادی کا حق، انسانی مساوات کا حق یہ تمام حقوق بنیادی انسانی حقوق ہیں۔ ان کے علاوہ بچوں کے کچھ حقوق ہیں، جیسے

Marfat.com

تعلیم وتربیت کا حق، پرورش کا حق وغیرہ۔ اسی طرح اقلیتوں، خواتین، بوڑھوں، کمزوروں اور بیماروں کے کچھ حقوق ہیں۔ جو قیدی جیل میں بند ہیں ان کے کچھ حقوق ہیں۔ اگر دنیا کے حالات نے کچھ لوگوں کو پناہ گزین بنادیا ہے تو ان کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ یہ تمام حقوق عالمی سطح پر منظور شدہ ہیں اور انھیں اقوامِ متحدہ (UNITED NATIONS) نے بھی تسلیم کیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان پر دنیا میں کم ہی عمل ہوا ہے۔

حقوقِ انسانی کے ادارے

دنیا میں حقوقِ انسانی کا خیال رکھنے کے لئے مختلف ادارے موجود ہیں۔ عالمی سطح پر حقوق انسانی کی نگہداشت کے لئے اقوامِ متحدہ (UNITED NATION) ہے۔ ہر ملک کی حکومت اپنے شہریوں کے بنیادی حقوق کی نگراں ہے۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ اپنے تمام شہریوں میں مساوات قائم کرے، انھیں انصاف دلائے، ان کا تحفظ کرے اور دیگر حقوق کی پاسداری کرے۔ ملک کے اندر بہت سے ادارے ہیں جو حقوق دلانے میں شہریوں کی مدد کرتے ہیں، جیسے پولس کا کام ہے کہ وہ لوگوں کو پرامن زندگی کے لئے ماحول فراہم کرے۔ عدلیہ کا کام ہے کہ وہ شہریوں کو انصاف دلائے۔ وزارت خوراک کا کام ہے کہ وہ لوگوں کو روزگار فراہم کرنے میں مدد کرے۔ عورتوں اور بچوں کی نگہداشت اور ان کے حقوق کی پاسداری کے لئے بھی ملک کے اندر بہت سے ادارے قائم ہیں۔ WOMEN COMISSION عورتوں کے حقوق کا خیال رکھنے کے لئے ہے اور ان کے ساتھ کسی قسم کا بھید بھاؤ نہ ہو اس کو لازمی بنانا، اس کی ذمہ داری ہے۔ SC/ST COMISSION شڈول کاسٹ اور شدول ٹرائب کے حقوق کی نگہبانی کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ اسی طرح MINORITY COMISSIN کا کام ہے اقلیتوں کے حقوق کی نگہبانی۔ ان اداروں کے علاوہ بھی ہر ملک میں مختلف ادارے ہیں جو الگ الگ طبقات کے حقوق پر نظر رکھنے کے لئے ہیں۔ ویسے مجموعی طور پر سبھی طبقات کے حقوق کی نگرانی حکومت کی ذمہ

Marfat.com

داری ہے اور یہ تمام ادارے بھی حکومتوں کی نگرانی میں ہی کام کرتے ہیں۔ان اداروں کے علاوہ بہت سے غیر سرکاری ادارے بھی ہیں جو حقوقِ انسانی کی نگرانی کرتے ہیں۔ان میں سے کچھ ادارے علاقائی ہیں، کچھ قومی اور کچھ بین الاقوامی ہیں۔ان اداروں کی رپورٹیں بیچ بیچ میں میڈیا میں آتی رہتی ہیں۔

حقوقِ انسانی کی ضرورت

انسان عام جانداروں کے برعکس ایک سماج میں رہتا ہے۔اس سماج میں مختلف قسم کے افراد رہتے سہتے ہیں اور اپنے اپنے ڈھنگ سے زندگی بسر کرتے ہیں۔وہ اس سماج کا عادی ہے اور دیگر جانداروں کی طرح تنہا غاروں یا جنگلوں میں نہیں رہ سکتا۔اس سماج کے کچھ اصول اور ضابطے ہیں، جن کی پابندی اس کے لئے لازمی ہے۔یہاں رہنے والوں سے اس کا کچھ نہ کچھ رشتہ ہے۔کوئی اس کا باپ ہے تو کوئی بیٹا۔کوئی اس کی ماں ہے تو کوئی بیٹی۔کوئی رشتے دار ہے تو کوئی پڑوسی۔کسی کے ساتھ قریبی رشتہ ہے تو کسی کے ساتھ دور کا رشتہ۔کسی کے ساتھ محض سماجی رشتہ ہے تو کسی کے ساتھ مذہبی رشتہ۔کسی کے ساتھ قومی رشتہ ہے تو کسی کے ساتھ انسانی رشتہ۔آدمی کا آدمی کے ساتھ خواہ جو بھی رشتہ ہو لیکن وہ ایک دوسرے کے تعلق سے کچھ حقوق ضرور رکھتا ہے۔اگر ایک انسان کا دوسرے انسان سے کوئی رشتہ نہ ہو تو بھی انسانی رشتہ تو ضرور ہوگا اور اس رشتے کے تحت بھی ان دونوں کے بیچ میں کچھ حقوق ضرور ہونگے۔ایک آدمی انگلشتان کا ہو اور دوسرا افریقہ کا۔ایک کا رنگ گورا ہو اور دوسرے کا سیاہ۔ایک انگلش بولتا ہو اور دوسرا افریقی مگر حقوق کے معاملے میں دونوں کو ایک دوسرے کا خیال رکھنا پڑے گا، کیونکہ وہ انسان ہیں اور اس رشتے سے ایک دوسرے پر حقوق عائد ہوتے ہیں۔حقوق سب پر عائد ہوتے ہیں اور لازم ہے کہ ہر انسان ان کا خیال رکھے، اگر ایک حقوق انسانی کا خیال رکھے اور دوسرا نہ رکھے تو سماج میں مساوات نہیں آسکتی۔ معاشرہ تب ہی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتا ہے جب لوگ ایک دوسرے کے حقوق نہ ادا کریں۔

Marfat.com

حقوقِ انسانی اور عالمی برادری

اگر دنیا میں حقوقِ انسانی کے تعلق سے تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو یہ جان کر بے حد مایوسی ہوتی ہے کہ انسان نے کبھی بھی انسانی حقوق کا خیال نہیں رکھا۔ وہ اکثر انسانی حقوق کی پامالی کرتا رہا ہے۔ جب کبھی اسے اقتدار ملا تو اس نے خود کو ظل الٰہی اور باقی دنیا کو کیڑے مکوڑوں سے کمتر سمجھا۔ حقوقِ انسانی کی پامالی سب سے زیادہ انھیں لوگوں نے کی ہے جن کے ہاتھوں میں اقتدار رہا ہے۔ صاحبانِ اقتدار سدا خود کو قانون سے بالاتر سمجھتے رہے اور باقی لوگ ان کے ظلم کی چکی میں پستے رہے۔ وہ لوگوں کے لئے روٹی، کپڑا اور مکان کا کیا انتظام کر سکتے تھے، جو خود عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی چھین کر عیاشی کرتے رہے۔ وہ حکمراں جن کے حرم میں ننھی کلیاں، کھلنے سے پہلے مسل دی جاتی تھیں، ان سے دخترانِ قوم کی عزت و آبرو کی حفاظت کی امید فضول تھی۔ جن کے خلاف کھلنے والی زبان سدا کے لئے خاموش کر دی جاتی تھی، ان سے اظہار رائے کی آزادی کا حق پانے کی بات کیسے کی جا سکتی تھی۔ جن کے شہزادے خود شہریوں کے حقوق کی پامالی کرتے ہوں، ان شہنشاہوں سے شہریوں کے حقوق کے تحفظ کی توقع فضول ہی تھی۔ عہدِ وسطیٰ میں نہ تو جمہوریت تھی اور نہ ہی شہریوں کے پاس یہ حقوق تھے کہ وہ اپنی مرضی کی حکومت کو منتخب کر سکیں۔ وہاں ہر قزاق کو سکندر مان لیا جاتا تھا۔ وہاں ہر جیتنے والا لٹیرا شہنشاہ کہا جاتا تھا۔ وہاں ہر فاتح قاتل ظلِ الٰہی تھا۔ کوئی بھی ایک فوجی جمعیت اکٹھی کر کے کسی علاقے پر حملہ کر کے اپنی حکومت قائم کر سکتا تھا۔ اب ملک، ملک کے عوام، ملک کے وسائل کا مالک وہ ہوتا اور باقی سب لوگوں کو اس کے احکام کی پابندی کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ جب حالات ایسے ہوں تو حقوقِ انسانی کے تحفظ کی بات بھی ایک مذاق بن کر رہ جاتی ہے۔ اس ماحول میں کیسے حقوق اور کہاں کی انسانیت؟ جو کچھ مل جائے اسے شہری غنیمت جان سکتے ہیں۔

حوصلہ دیکھیئے ہر روز قیامت ہے مگر
ہم نے گھر چھوڑا ہے اپنا نہ وطن چھوڑا ہے

Marfat.com

انسانی حقوق کی پامالی عہدِ حاضر میں

جب انسان تہذیب وتمدن اور علم وہنر سے ناآشنا تھا تو انسانی حقوق کی پامالی ہوتی تھی، اور یہ بات قرینِ قیاس بھی ہے مگر عہدِ حاضر جو تہذیب وتمدن اور علم وہنر کا دور ہے، آدمی اپنے اور دوسروں کے حقوق سے اچھی طرح واقف ہے، ایسے میں حقوقِ انسانی کی پامالی زیادہ حیرت انگیز ہے۔اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ وہ اپنے حقوق کو پامال ہوتا نہیں دیکھ سکتا مگر دوسروں کے حقوق کی پامالی وہ خود کرتا ہے۔ دنیا کے وہ ممالک جو خود کو دوسروں سے زیادہ مہذب، متمدن اور ترقی یافتہ بتاتے ہیں وہی سب سے زیادہ حقوقِ انسانی کی پامالی کرتے نظر آتے ہیں۔ ایک انسان کا سب سے پہلا حق ہے جینے کا حق۔ یہ حق اسے اس وقت سے مل جاتا ہے جب وہ ماں کے شکم میں جنین کی شکل میں آتا ہے۔اس سے یہ حق کوئی بھی نہیں چھین سکتا۔ اسے یہ حق اس کے خالق نے دیا ہے اور اسے چھیننے کا حق بھی اسی کا ہے۔ برعکس اس کے دنیا کے طاقتور ممالک دوسرے ملکوں کے لوگوں سے یہ حق بھی چھین لیتے ہیں۔ دنیا میں اس کی لمبی تاریخ رہی ہے۔ جنگ عظیم اول اور دوم میں لاکھوں افراد لقمۂ اجل بنے۔ یہ لوگ اپنے بنیادی حق سے محروم کردیئے گئے اور انھیں ان کے بنیادی حق سے محروم کرنے والے کوئی پیشہ ور قاتل، لٹیرے نہیں تھے، بلکہ پڑھے لکھے مہذب افراد تھے۔ جب ہیروشیما، ناگاساکی پر ایٹم بم برسا کر لاکھوں افراد کو موت کی نیند سلا دیا گیا تو دنیا کے مہذب ممالک میں خوشیاں منائی گئیں اور چراغاں کیا گیا۔ نہ تو ایٹم بم گرانے والے حقوقِ انسانی سے ناواقف تھے اور نہ ہی چراغاں کرنے والے مگر پھر بھی مہذب دنیا نے وہ سب کچھ کیا جو انسانیت کے لئے بھی باعثِ عار ہے۔ عراق اور افغانستان میں اب تک لاکھوں افراد کی جانیں لی جا چکی ہیں۔ مغربی دیو استبداد اور نہ جانے کیا کیا قہر ڈھائے گا۔ اب ان ملکوں کی صورت حال یہ ہے کہ لاکھوں لوگ روزگار سے محروم ہو چکے ہیں، اپنے گھر بار چھوڑ کر رفیوجیوں کی زندگی جی رہے ہیں۔ بچے تعلیم وتربیت سے محروم ہو چکے ہیں اور ہر روز طرح طرح کے مسائل جنم لے رہے ہیں۔

Marfat.com

یہاں قاتل ہے، خنجر ہے، لہو ہے
ہمارے شہر میں رہئے تو جانیں

آدمی کے بنیادی حقوق میں اس کی سیاسی آزادی بھی ہے۔ برطانیہ نے ایک مدت تک دنیا کو سیاسی طور پر غلام بنائے رکھا اور اس کی سیاسی آزادی کو سلب کئے رکھا۔ یہی نہیں اس کے دورِ اقتدار میں لوگوں کی مذہبی، شخصی آزادی بھی ان سے سلب کر لی گئی تھی۔ برطانیہ کے چنگل سے جو ممالک آزاد ہوئے، بعد کے دور میں ان ملکوں میں سازشوں کا دور چلا اور عوام کی مرضی کے خلاف وہاں اپنے من پسند حکمرانوں کو قبضہ دلا دیا گیا۔ سعودی عرب، کویت، یمن، عراق، شام، برونئی، افغانستان، الجزائر اور سویت یونین سے الگ ہونے والے ملکوں سمیت ایسے ممالک کی تعداد درجنوں میں ہے جہاں عوام کی مرضی کے خلاف یورپ وامریکہ کے پسندیدہ حکمراں اقتدار پر قابض ہیں۔ عوام کو ان کی فطری آزادی سے محروم کر دیا گیا ہے اور وہ ایک گھٹن بھرے ماحول میں جینے پر مجبور ہیں۔ پاکستان اور ترکی میں یہ کھیل بار بار کھیلا گیا مگر خوش قسمتی سے یہاں فی الوقت عوام کے ذریعے منتخب حکومتیں اقتدار میں ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان ملکوں کی پالیسیوں پر آج بھی بیرونی اثرات ہیں۔

حقوقِ انسانی کی پامالی معاشرے میں

حقوقِ انسانی کی پامالی کی مختلف صورتیں آج کل دیکھنے کو مل رہی ہیں۔ ایک دو صورتیں تو وہ ہیں جن کا ذکر اوپر کی سطور میں ہوا۔ حقوقِ انسانی کی پامالی کی ایک صورت جو آج کل بہت زیادہ دیکھنے کو مل رہی ہے، وہ یہ ہے کہ ماں کے پیٹ میں جنین کا قتل کر دیا جاتا ہے۔ حقوقِ انسانی کی پامالی کی یہ انتہائی بھیانک شکل ہے۔ بھارت میں سالانہ تقریباً ایک کروڑ ایسے معاملات ہوتے ہیں۔ حالانکہ سرکاری طور پر ایسے واقعات کی تعداد بہت کم بتائی جاتی ہے۔ ایک سرکاری رپورٹ کے مطابق ۲۰۰۱۔۲۰۰۵ کے دوران مادہ جنین کشی کے لگ بھگ چھ لاکھ بانوے ہزار معاملے

Marfat.com

سامنے آئے۔ عام جنین کشی کے واقعات اس سے الگ ہیں اور یہ سرکاری اعداد وشمار ہیں ورنہ اندازہ ہے کہ ہر سال پورے دیش میں لگ بھگ ایک کروڑ لڑکیوں کو پیدا ہونے سے پہلے ہی مار ڈالا جاتا ہے۔ female foeticide ستی سے زیادہ بھیانک قتل ہے مگر پھر بھی جاری ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان بچیوں کا کیا پاپ ہے جنھیں ماؤں کے پیٹ میں ہی قتل کر دیا جاتا ہے۔؟

شکم مادر میں مادہ جنین کشی کے کئی بھیانک نتائج سامنے آرہے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ ملک میں لڑکیوں کی تعداد گھٹتی جارہی ہے اور آبادی کا توازن بگڑتا جارہا ہے۔ ۲۰۱۱ء میں مکمل ہوئی مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق چھ سال سے کم عمر کی لڑکیوں کی تعداد ایک ہزار لڑکوں کے مقابلے صرف نو سو چودہ ہے، جبکہ ۲۰۰۱ء میں یہ نو سو ستائیس تھی۔ یعنی دس برسوں میں ۴۰ء افیصد کی اس میں کمی آئی ہے۔ جن صوبوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کی پیدائش کے اعداد میں زیادہ فرق ہے، وہ ہیں اترا کھنڈ، پنجاب، ہریانہ، دلی، راجستھان، اتر پردیش، گجرات اور مہاراشٹر۔

دیش کے کچھ ضلعوں میں لڑکیوں کی گھٹتی ہوئی تعداد نے بہت بری صورتحال پیدا کر دی ہے۔ دمن و دیو آئی لینڈ میں ہزار مردوں کے مقابلے صرف پانچ سو تینتیس خواتین ہیں۔ لداخ کے لیہہ میں ہزار مردوں کے مقابلے صرف پانچ سو تراسی خواتین ہیں۔ اروناچل پردیش کے ضلع توانگ (TAWANG) میں ہزار مردوں کے مقابلے سات سو ایک خواتین ہیں۔ اروناچل پردیش کے ضلع ویسٹ کمانگ (WEST KAMANG) میں ہزار مردوں کے مقابلے سات سو پچپن عورتیں ہیں۔ سکم کے شمالی ضلع (NORTH DISTRICT) میں ہزار مردوں کے مقابلے سات سو اڑسٹھ خواتین ہیں۔

۲۰۱۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق پنجاب میں چھ سال سے کم عمر ایک ہزار لڑکوں کے مقابلے لڑکیوں کی تعداد آٹھ سو چھیالیس ہے۔ جبکہ ۲۰۰۰ء ایک میں یہ سات سو اٹھانوے تھی۔ اترا کھنڈ میں یہ آٹھ سو چھیاسی ہے۔ ہریانہ میں آٹھ سو تیس ہے۔ دلی میں آٹھ سو چھیاسٹھ ہے۔ راجستھان میں آٹھ سو تراسی ہے۔ اتر پردیش میں آٹھ سو ننانوے ہے جبکہ گجرات

Marfat.com

میں یہ تعداد آٹھ سو چھیاسی اور مہاراشٹر میں آٹھ سو تراسی ہے۔اس وقت دیش کے زیادہ تر حصوں میں لڑکیوں کی آبادی کم ہوتی جارہی ہے۔

علاوہ ازیں ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں جب کنواری مائیں سماجی شرم کے خوف سے اپنے حمل کا اسقاط کرادیتی ہیں۔ایک اور طرح کا اسقاط بھی بھارت میں بہت عام ہے کہ سرکار کی 'چھوٹا خاندان' کی پالیسی سے متاثر افراد اپنے خاندان کو محدود رکھنے کے لئے اَن چاہے بچے کا اسقاط کرادیتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ سب سے زیادہ اسقاط کے واقعات مادہ جنین کے ہی ہوتے ہیں اور حکومتیں روک تھام کی کوششیں نہیں کرتیں۔ سبب یہ ہے کہ وہ سمجھتی ہیں اس طرح آبادی پر کنٹرول پایا جاسکتا ہے۔مادہ جنین کشی کے معاملے میں بھارت کی سماجی صورت حال زیادہ خوفناک ہے،لیکن یہ سلسلہ یہیں تک نہیں ٹھہرتا،سماج کا جوطبقہ جنس کی شناخت کے لئے غیر قانونی الٹرا ساؤنڈ کرانے کی طاقت نہیں رکھتا وہ پیدا ہونے کے بعد بچیوں کو قتل کردیتا ہے۔ایسے واقعات اگرچہ بہت خفیہ ہوتے ہیں مگر کئی بار میڈیا میں بھی آجاتے ہیں۔اس کے لئے عموماً بچہ پیدا کرانے میں مدد دینے والی آیا کی ہی خدمات لی جاتی ہیں۔اسے کچھ پیسے دے کر قتل کرادیا جاتا ہے۔کئی بار ماؤں کو بھی مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی بچی کا قتل کریں۔اس قسم کے واقعات گاؤں سے شہر تک ہر جگہ ہوتے ہیں۔اس کا سب سے بڑا سبب لڑکیوں کے تعلق سے سماجی سوچ ہے۔ یہاں کا سماجی تانا بانا کچھ ایسا ہے کہ لڑکیوں کی پیدائش کو سراسر گھاٹے کا سودا سمجھا جاتا ہے۔ پہلے پیدائش کا خرچ، پھر پرورش کا خرچ اور محنت، انکی دیکھ ریکھ اور عزت وآبرو کی حفاظت ،اس کے بعد ان کی شادی پر خرچ۔اتنا سب کچھ کرنے کے بعد بھی زندگی بھر کی کمائی ہوئی دولت میں وہ حصہ دار بن جاتی ہیں اور ایک خاندان کی دولت دوسرے خاندان میں چلی جاتی ہے۔اتنے سارے جھمیلوں سے چھٹکارا پانے کا سب سے آسان اور کارگر طریقہ یہ نظر آتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں ہی اس کی جنس کی پہچان کرلی جائے اور معمولی خرچ پر اسقاط کرالیا جائے۔آج کوئی بھی یہ سوچنے کو تیار نہیں کہ وہ ایک جان کا قتل کررہا ہے اور یہ اس سے بھی بدتر قتل ہے جو ایک باشعور انسان، دوسرے باشعور انسان کا

Marfat.com

کرتا ہے۔ وہاں تو مقتول اپنی جان بچانے کی کوشش کر سکتا ہے مگر یہاں ایک ایسی لاچار جان ہے جو کسی طرح خود کو بچانے کی جدوجہد نہیں کر سکتی۔

چین دنیا کے ان ملکوں میں سے ایک ہے جہاں سب سے زیادہ جنین کشی ہوتی ہے۔ یہاں حکومت نے ایک بچے کا قانون لاگو کر رکھا ہے۔ لوگوں کی سوچ ہے کہ جب ایک ہی بچہ پیدا کرنا ہے تو بیٹی کیوں؟ لہٰذا جب تک ان کی چاہت کے مطابق بیٹا نہ ہو جائے تب تک وہ اسقاطِ حمل کراتے رہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ وہ حمل میں لڑکیوں کا قتل کرتے جاتے ہیں۔ فی الوقت چین کی یہ صورتحال ہے کہ ایک سو چونتیس مردوں کے مقابلے محض سو خواتین ہیں۔ یہاں مردوں کو شادی کے لئے لڑکیاں نہیں مل پا رہی ہیں، جس سے سماج میں کئی قسم کے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ کروڑوں مرد خواتین کی کمی کے سبب کنوارے رہنے پر مجبور ہیں۔ عورتیں شادی کرنے کے عوض رقم مانگتی ہیں اور شرطیں رکھتی ہیں۔ جو جہیز ہندستانی سماج میں لڑکیوں کے والدین کے لئے ناسور بن چکا ہے اسی کی ایک بالکل الگ صورت چین میں دیکھنے کو مل رہی ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ اگر چینی حکومت نے اپنی پالیسی میں تبدیلی نہ کی تو مستقبل میں یہاں اور بری صورت حال سامنے آسکتی ہے۔

چین اور بھارت میں خاندانی منصوبہ بندی کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ سراسر انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ اس کے لئے سماجی سوچ کے ساتھ ساتھ حکومتوں کی پالیسیاں بھی ذمہ دار ہیں۔ یہی سبب ہے کہ حکومت جس کی ذمہ داری عوام کی جانوں کی حفاظت ہے اسی کی ناک کے نیچے کروڑوں جانیں موت کے منہ میں جا رہی ہیں اور وہ خاموش تماشائی ہے۔ اس قسم کے واقعات بڑے پیمانے پر ہوتے ہیں مگر حکومت ان کے اعداد و شمار کو گھٹا کر پیش کرتی ہے۔ ذمہ داروں کو سزائیں نہیں ملتیں، بلکہ وہ الٹراساؤنڈ سنٹرس جو اس قسم کی جانچ کرتے ہیں اگر کبھی پکڑے گئے تو صرف چند دن کے لئے ان کے رجسٹریشن کینسل ہوتے ہیں اور پھر حسب سابق بحال کر دیئے جاتے ہیں۔ حقوقِ انسانی کی اس خلاف ورزی سے پورے سماج کے سسٹم پر حرف آ رہی ہے

Marfat.com

مگر اس کے باوجود حکومت کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ایک بے حسی کی کیفیت جو حکومت کی پہچان ہے، یہاں بھی طاری ہے۔حالانکہ اس سلسلے میں قانون بھی موجود ہے مگر کبھی کسی کو سزا نہیں ہوئی۔سرکاری اعداد و شمار کہتے ہیں کہ ایسے کیسیز میں بالکل کوئی کارروائی نہیں ہوتی۔غور طلب ہے کہ قانونی طور پر بیس ہفتوں کے اندر اسقاط حمل کوئی جرم نہیں، البتہ جنس کی شناخت جرم ہے۔(اس سلسلے میں تفصیلی جانکاری کے لئے راقم الحروف کے ذریعے تیار کردہ ڈاکومنٹری فلم ''آدھی دنیا خطرے میں'' دیکھیں، جو انٹرنیٹ پر بھی موجود ہے۔)

بھارت اور چین کے علاوہ بھی بہت سے ملکوں میں اسقاط حمل کے واقعات ہوتے ہیں اور بچوں کو پیدائش سے قبل ہی قتل کر دیا جاتا ہے، مگر یہاں کی صورتحال دوسرے ملکوں کے مقابلے مختلف ہے۔مغربی ممالک میں جہاں شکم مادر میں بچوں کا قتل ہوتا ہے وہاں، اس کا سب سے بڑا سبب بچوں کی ذمہ داری سے فرار کا رویہ ہے۔ان ملکوں میں غیر شادی شدہ افراد کا ایک دوسرے کے ساتھ جنسی تعلق کوئی بری بات نہیں۔اسے قانونی طور پر بھی جائز رکھا گیا ہے۔ایسی حالت میں بچے کی پیدائش سے ماں، باپ دونوں بچنا چاہتے ہیں۔نتیجہ کے طور پر اگر کبھی حمل قرار پا جائے تو وہ اسقاط کرانا ہی پسند کرتے ہیں۔علاوہ ازیں شادی شدہ جوڑے بھی بچوں کی ذمہ داری اٹھانا نہیں چاہتے اور وہ اسقاط کے ذریعے اس سے نجات پا لیتے ہیں۔ظاہر سی بات ہے کہ یہ سب باتیں بھی حقوقِ انسانی کی خلاف ورزی میں آتی ہیں مگر جدید دنیا نے اپنی سہولت کے مطابق اسے جائز کر رکھا ہے۔وہ کھلے عام اس کا ارتکاب کر رہے ہیں اور بیشتر ملکوں کے قوانین بھی انھیں اس سے نہیں روکتے۔

سرکاری تشدد اور حقوقِ انسانی

مختلف حکومتوں اور ان کے تحت چلنے والے اداروں کی طرف سے حقوقِ انسانی کی بڑے پیمانے پر خلاف ورزی ہوتی رہتی ہے۔یہ کبھی اتنے بڑے پیمانے پر ہوتی ہے کہ لوگوں کے

Marfat.com

ذہن اس جانب مائل ہو جاتے ہیں مگر بار ہا چھوٹے پیمانے پر ہوتی ہے اور عوام کا دھیان اس طرف نہیں جاتا۔ پولس اور سیکیوریٹی فورسیز بھی اکثر انسانی حقوق کی پامالیاں کرتی رہتی ہیں۔ بھارت، پاکستان اور ایسے ہی دیگر ترقی پذیر ملکوں میں یہ باتیں بہت عام ہیں۔ یہاں ہم صرف بھارت سے جڑی ہوئی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔ سرحدی علاقوں میں بسنے والے یہ بات بہ خوبی جانتے ہیں کہ سلامتی افواج کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ لوگوں کے ساتھ مار پیٹ، ان کے سامان اٹھالینا اور مویشیوں کو ذبح کر کے کھا جانا، خواتین کی عصمت دری بہت عام بات ہے۔ مغربی بنگال اور کشمیر میں سرحد پر تعینات فوجیوں کے اس قسم کے کرتوت اکثر میڈیا میں آتے رہتے ہیں۔ حالانکہ حکومت کی کوشش رہتی ہے کہ اس قسم کے معاملات سرخیوں میں نہ آنے پائیں۔ ان علاقوں میں فرضی انکاؤنٹر کے واقعات بھی بڑے پیمانے پر ہوتے ہیں۔ کسی بھی بے گناہ کو ملک مخالف سرگرمیوں میں ملوث بتا کر گولیوں سے بھونا جا سکتا ہے۔ بار ہا اخباروں میں خبریں آتی رہتی ہیں کہ کچھ افراد کو سرحد پار کرتے وقت فوجیوں نے گولی ماردی یا کسی کو نقلی کرنسی و اسلحوں کے ساتھ سرحد پار کرتے وقت مڈبھیڑ میں ماردیا گیا۔ یہ سب واقعات کم ہی حقیقی ہوتے ہیں۔ اس قسم کے فرضی مڈبھیڑ پوری پلاننگ کے تحت ہوتے ہیں تاکہ اگر کبھی انکوائری بھی ہو تو سچائی سامنے نہ آسکے۔

بھارت میں فرضی مڈبھیڑ کی پوری تاریخ موجود ہے۔ اکا دکا واقعات تو ہوتے ہی رہے ہیں مگر باقاعدہ فرضی انکاؤنٹر کی شروعات ۱۹۷۰ء کی دہائی میں ہوئی جب ملک کے کچھ حصوں میں نکسلوادی تحریک نے زور پکڑا تھا۔ اس کے بعد پنجاب میں خالصتان کی تحریک نے زور پکڑا اور اسے کنٹرول کرنے کے لئے فرضی مڈبھیڑ کا سہارا لیا گیا۔ ریاست میں صدر راج کا نفاذ ہوا اور شری سدھارت شنکر رائے کی گورنرشپ کے زمانے میں بڑے پیمانے پر فرضی انکاؤنٹر کے واقعات ہوئے۔ ان میں سے بیشتر واقعات کی کوئی انکوائری نہیں ہوئی۔ اگر چند کی ہوئی بھی تو محض خانہ پری کے طور پر۔ کچھ ایسے ہی حالات کشمیر میں بھی رہے، جہاں علاحدگی کی تحریک کو دبانے کے لئے دھڑلے سے فرضی انکاؤنٹر ہوئے۔ فرضی مڈبھیڑوں کا تیسرا دور دہشت گردی کے نام پر شروع کیا

Marfat.com

گیا۔اس کے تحت پورے ملک میں مسلمان نوجوانوں کو بڑے پیمانے پر قتل کیا گیا۔ملک کے کئی صوبوں میں مسلم نوجوانوں کو دہشت گرد اور ملک دشمن بتا کر قتل کیا گیا۔صوبہ گجرات اس سلسلے میں سب سے زیادہ سرخیوں میں رہا۔ جہاں بڑے پیمانے پر اس قسم کے واقعات ہوئے۔کوثر بی اور عشرت جہاں انکاؤنٹرس کو یہاں خاصی شہرت حاصل ہوئی۔اس سلسلے میں کئی پولس افسران پر مقدمے چل رہے ہیں اور وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہیں۔یہ وہ فرضی مڈبھیڑ ہیں جو میڈیا میں آگئے ہیں اور کورٹ کی دخل اندازی کے سبب انصاف کی کچھ امیدیں بندھ گئی ہیں مگر ایسے واقعات کی بھی کمی نہیں کہ جن کی انکوائری حکومتوں نے نہیں ہونے دی یا کورٹ تک معاملہ ہی نہیں پہنچ پایا۔ایسا ہی ایک واقعہ کلکتے کے آصف رضا خان کا قتل ہے جو گجرات پولس کی تحویل میں تھا اور پولس نے اس کا قتل کر دیا۔بہانا یہ بنایا گیا کہ وہ بھاگ رہا تھا لہٰذا اس کا قتل کر دیا گیا۔اسی طرح راجدھانی دلی کے بٹلہ ہاؤس علاقے میں ایک فلیٹ کے اندر رہ رہے کچھ مسلمان نوجوانوں اور طالبعلموں کو پولس نے ایک فرضی مڈبھیڑ میں مار ڈالا۔ستم یہ کہ حکومت نے اس کی انکوائری بھی نہیں ہونے دی کہ سچائی سامنے آتی۔اس قسم کے واقعات بھارت میں ایک دو نہیں، درجنوں ہوئے اور بہت سے بے گناہوں کو پولس یا فوج نے مار ڈالا۔متاثرین کو آج تک انصاف نہیں ملا اور اس کی کوئی امید بھی نہیں ہے۔دلی پولس کے ذریعے کئے گئے کناٹ پلیس فرضی انکاؤنٹر اور غازی آباد پولس کے ذریعے ہونے والے دار سنگھ انکاؤنٹر میں آج بھی کئی پولس والے جیل میں بند ہیں۔

فرضی انکاؤنٹر کے علاوہ سرکاری سرپرستی میں حقوقِ انسانی کی خلاف ورزی کی ایک شکل ہے، غیر قانونی گرفتاری یا فرضی معاملات میں پھنسا کر بے گناہوں کو گرفتار کر لینا۔اس قسم کے واقعات اس ملک میں بڑے پیمانے پر ہوتے ہیں۔بار ہا دشمنی کے سبب یا رشوت نہ دینے پر پولس شہریوں کو گرفتار کر لیتی ہے اور اپنی گرفتاری کو جائز ٹھہرانے کے لئے فرضی مقدمات قائم کر دیتی ہے۔علاوہ ازیں اس ملک میں ہزاروں مسلم نوجوانوں کو دہشت گردی کے الزام میں گرفتار کیا جا چکا ہے۔ان کی زندگیاں جہنم بن چکی ہیں اور ان کی گرفتاری کو میڈیا نے اس انداز میں

Marfat.com

پیش کیا کہ ان کے گھر والوں کا جینا دوبھر ہوگیا ہے۔اب پورے خاندان اور رشتے داروں کو شک وشبہے کی نظر سے دیکھا جارہا ہے۔آس پڑوس اور محلے والے ان سے دوری بنارہے ہیں۔جن کے ساتھ کاروبار ہورہا تھا وہ لوگ بھی ان سے الگ ہوگئے ہیں۔اس طرح روزگار کے ذرائع بھی متاثر ہوئے۔حقوقِ انسانی کی خلاف ورزی سب سے زیادہ حکومت یا اس کے تحت چلنے والے ادارے کررہے ہیں۔سمجھا جاسکتا ہے کہ جب کوتوال ہی قتل کرنے لگے تو شہریوں کی زندگی کتنی محفوظ رہے گی۔

اس قسم کی حقوقِ انسانی کی خلاف ورزیاں آج کل پوری دنیا میں عام ہیں۔ہوسکتا ہے انداز کچھ بدلا ہوا ہو مگر سرکاری طور پر اس طرح کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔مغربی ممالک میں بھی اس قسم کے واقعات اکثر سامنے آتے رہتے ہیں۔بلکہ یہاں تو پالیسیاں ہی ایسی بنتی ہیں کہ حقوقِ انسانی کی خلاف ورزی کرنا آسان ہوجائے اور کسی خاص مذہب،نسل،جنس یا رنگ کے لوگوں کے ساتھ بھید بھاؤ کیا جاسکے۔دنیا کے کچھ ملکوں میں عورتوں کے پردے پر پابندی ہے تو کچھ ملکوں میں مسجدوں کے مناروں کی تعمیر پر پابندی ہے۔ظاہر ہے کہ یہ حقوق انسانی کی خلاف ورزی ہے اور ایک خاص طبقے کے ساتھ بھید بھاؤ ہے۔جن ملکوں میں صنف کی بنیاد پر بھید بھاؤ جرم ہے،وہیں دوسری طرف عورتوں کو اپنے جسم کو چھپانے کی بھی آزادی نہ ہو،اس طرح کے قانون سماج اور حکومت کے کھوکھلے رویے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔بہ الفاظِ دیگر ان ترقی یافتہ ممالک میں حقوقِ انسانی کی خلاف ورزی کو قانونی درجہ حاصل ہے۔

سماجی رویہ اور حقوقِ انسانی

سماج کا رویہ بھی بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس سے حقوقِ انسانی کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔بھارت میں عہد قدیم سے ذات پات کی بنیاد پر سماجی سسٹم قائم رہا ہے۔یہاں ایک طبقے کو پیدائشی اعتبار سے غلام اور اچھوت سمجھا جاتا رہا ہے۔یہ طبقہ ہر دور میں استحصال کا شکار رہا

Marfat.com

ہے۔عہدِ حاضر میں اگر چہ اس سوچ میں بدلاؤ آیا ہے مگر آج بھی ان کے خلاف ہونے والا بھید بھاؤ کا رویہ پوری طرح ختم نہیں ہوا ہے۔اس بھید بھاؤ کے خلاف قانون بھی موجود ہے مگر سماجی رویے میں پوری طرح بدلاؤ نہ آنے کے سبب ان کے حقوق پوری طرح محفوظ نہیں ہیں۔ظاہر ہے کہ اس سماجی رویے کی وجہ سے ایک طبقے کے حقوق پامال ہورہے ہیں۔

دنیا کے بیشتر ملکوں میں اقلیتوں کے حقوق محفوظ نہیں ہیں۔مذہبی اقلیتوں کو ستانے اور ان کے ساتھ بھید بھاؤ کرنے کے الزامات اکثر سامنے آتے رہتے ہیں۔اس کی ایک مثال یہ ہے کہ یورپی اور امریکی ملکوں میں ایک قانون کی رو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین قابلِ تعزیر جرم ہے۔لیکن پیغمبر اسلام ﷺ اور دوسرے مذاہب کے بزرگوں کی توہین جرم کے دائرے میں نہیں آتی۔اسی طرح بھارت میں مسلم اقلیتوں کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے اور پاکستان میں ہندو وسکھ اقلیتوں کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ ہوتا ہے۔ان دونوں ملکوں میں اقلیتوں کے حقوق کی پامالی بہت عام بات ہے۔

دنیا کے بیشتر ملکوں میں عورتوں کے ساتھ زیادتی اور ان کا استحصال عام بات ہے۔ کہنے کو تو یہ کہا جاتا ہے کہ عورتوں کو ان کے حقوق دے دیئے گئے ہیں مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ کو ہی لے لیجئے، جہاں آج تک کوئی خاتون صدر کے عہدے تک نہیں پہنچ پائی۔بھارت جیسے روایتی سوچ والے ملک میں تو عورتوں کے ہاتھوں میں اقتدار بار بار آیا ہے اور مردوں نے ان کی حکومتوں کو قبول بھی کیا ہے مگر عجیب بات ہے کہ جو ملک خواتین کے حقوق کے معاملے میں خود کو دنیا کا رہنما تصور کرتا ہے، وہیں آج تک کوئی عورت اقتدار تک نہیں پہنچی۔امریکہ میں ایک سیاہ فام کو بھی اقتدار تک پہنچنے میں سینکڑوں سال لگ گئے۔یہ سب اسی سبب سے ہے کہ سماج کا رویہ خود بھی حقوقِ انسانی کی پامالی کے لئے بہت حد تک ذمہ دار ہے۔(امریکہ میں عورتوں کے ساتھ جو زیادتی بھرا سماج کا رویہ ہے اس تعلق سے ایک رپورٹ اسی کتاب میں ''دہشت گردی اور تصوف'' کے موضوع کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔)

Marfat.com

حقوقِ انسانی اور جرائم کے اعداد و شمار

خدا کی یہ کائنات بہت خوبصورت ہے، لیکن جرائم اور عصیان کی زیادتی نے اسے ناقابلِ رہائش بنا دیا ہے۔ کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جب یہاں کوئی حقوقِ انسانی کی خلاف ورزی کا واقعہ رونما نہ ہوتا ہو۔ جب کوئی قتل، عصمت دری، جنسی ہراسانی، چوری، اور تشدد کی واردات نہ ہوتی ہو۔ ایسا کوئی رکارڈ نہیں ہے جس سے یہ پتہ چل سکے کہ اس دھرتی پر کُل کتنے جرائم ہوتے ہیں، رکارڈ صرف ان کا ہے جنکی رپورٹیں پولس میں درج ہوتی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جتنی وارداتیں ہوتی ہیں ان میں سے بہت کم پولس کے رکارڈ میں آتی ہیں، بیشتر متاثرین اسے درج نہیں کراتے، کیونکہ بھارت، پاکستان، بنگلہ دیش جیسے سینکڑوں ملکوں میں انصاف پر سے شہریوں کا بھروسہ اٹھ چکا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ دشوار گزار راستہ ہے اور انصاف بھی شاید ہی ملے، لہٰذا جو ہوگیا اسے نظرانداز کر دینا ہی بہتر ہے۔ خاص طور پر عورتیں سماجی سسٹم میں جکڑی ہوئی ہیں اور وہ اپنے اوپر ہونے والے مظالم کو پولس تک نہیں لے جاتیں۔ اسی طرح دنیا کے بیشتر ملکوں میں غربت اور جہالت ہے، جس کے سبب عوام کو یہ نہیں پتہ کہ وہ انصاف کیسے حاصل کریں؟

دنیا میں جرائم کس قدر بڑھے ہیں، اس کا اندازہ عالمی HOMICIDE کے اعداد و شمار سے لگایا جاسکتا ہے۔ حالانکہ یہ اعداد صرف قتل کے ہیں، لیکن دیگر جرائم کا اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہاں دنیا میں ہونے والے جرائم کی ایک معمولی جھلک پیش کی جارہی ہے ورنہ جو کچھ اس وقت وقوع پذیر ہورہا ہے اسے بیان کرنے کے لئے ایک دفتر بھی کم ہے۔ ۲۰۱۰ء میں دنیا میں ایک لاکھ کی آبادی پر کس ملک میں کتنے قتل ہوئے ہیں، چند کے اعداد درج ذیل ہیں۔ جنوبی افریقہ ۳۴، سنٹرل امریکہ ۲۵، جنوبی امریکہ ۲۱، مغربی وسنٹرل افریقہ ۱۹، مشرقی افریقہ ۲۳، افریقہ ۱۷ء۴، کیریبین ۲۱۔ ان ملکوں میں دیگر جرائم بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ ایک مزے کی بات یہ ہے کہ امریکہ بھی ان ملکوں میں سے ایک ہے جہاں جرائم اور قتل وغارت گری کی وارداتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ عورتوں کے ساتھ زیادتی اور استحصال کی خبریں بھی یہیں سے زیادہ آتی ہیں۔ امریکہ

Marfat.com

ایسا ملک ہے جو خودساختہ پولس مین بن کر ساری دنیا میں امن وامان قائم کرنے کے نام پر اپنی ٹانگیں اڑاتا رہتا ہے۔وہ افغانستان میں عورتوں کو طالبان کے ظلم سے نجات دلانے کے نام پرداخل ہوا مگر اعدادوشمار کے مطابق امریکہ جرائم اور عورتوں کے حقوق کی پامالی کے معاملے میں افغانستان سے بھی آگے ہے۔جن ملکوں میں سب سے کم جرائم ہوتے ہیں،ان میں مشرقِ وسطیٰ کے مسلم ممالک بھی شامل ہیں۔

دنیا میں جرائم کا گراف روز بروز اوپر آتا جارہا ہے۔ WAR ZONE کو تو چھوڑ یئے، جو شہر اور ملک پر امن سمجھے جاتے ہیں وہاں بھی امن وامان کی صورت حال بہت خراب ہے۔اس وقت عالمی سطح پر دس ایسے شہروں کی فہرست تیار کی گئی ہے جو ۲۰۱۱ء میں سب سے خطرناک تھے،ان شہروں میں قتل وخونریزی اور اغوا وعصمت دری بہت عام باتیں ہیں۔تشدد یہاں کا معمول ہے اور چوری، ڈکیتی روزمرہ کا دستور۔ان شہروں کے نام درج ذیل ہیں:

1. BOGOTA(COLOMBIA)2.CUDAD,JUAREZ(MEXICO) 3.ST.LOUIS(MISSOURI)4.PORT-AU-PRINCE(HAITI) 5.MOGADISHU(SOMALIA) 6.CARACASE(VENEZUELA) 7.PORT ORESBY(PAPUA,NEW GUINEA) 8.GROZNEY(CHECHANYA) 9.SANTO DOMINGO(DOMINICAN REPUBLIC) 10.MUZAFFARABAD(PAKISTAN)

بھارت ان ملکوں میں سے ایک ہے جہاں آبادی کے ساتھ جرائم میں بھی بے تحاشا اضافہ ہوا ہے۔ایک رپورٹ کے مطابق ۱۹۵۳ء کے بعد سے جس قدر آبادی میں اضافہ ہوا ہے، اس سے کہیں زیادہ جرائم بڑھے ہیں۔وزارتِ داخلہ کے تحت چلنے والے ادارے نیشنل کرائم رکارڈ بیورو کی ایک رپورٹ کے مطابق ۱۹۵۳ء میں ۹،۸۰۲،۱ قتل کی وارداتیں ہوئی تھیں جو ۲۰۰۶ء میں بڑھ کر ۳۲،۴۸۱ ہوگئیں۔یعنی ۵۳ برسوں میں ۲۳۱ فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔اس دوران اغوا کے

Marfat.com

واقعات ۱۵،۲۶۱ ۲۶۱ سے بڑھ کر ۲۳،۹۹۱ ہو گئے ہیں یعنی ۳۵۶ فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔اسی طرح ۱۹۵۳ء میں چھنتائی کی ۸۴۰۷ وارداتیں پورے ملک میں ہوئی تھیں، جو ۲۰۰۶ء میں بڑھ کر ۲۳،۹۹۱ ہو گئیں یعنی ۱۲۰ فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔اس بیچ فسادات میں ۱۷۶ فیصد کا اضافہ درج کیا گیا ہے، جو ۲۰،۵۲۹ سے بڑھ کر ۵۶،۶۴۱ ہو گئے ہیں۔۲۰۰۶ء میں کل معاملات جو درج کئے گئے تھے، بشمول INDIAN PANEL CODE اور SPECIAL/LOCAL LAWS کے تحت درج ہونے والے معاملات ، انکی مجموعی تعداد ۵۱،۲۴،۲۶۰ تھی۔۲۰۰۶ء میں IPC CRIME RATE ۱۶۷،۷ء تھی، جو کہ ۲۰۰۵ء کے مقابلے ۵ء۱ فیصد زیادہ تھی۔

۲۸ اکتوبر ۲۰۱۱ء کو انڈین اکسپریس میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق نیشنل کرائم رکارڈ بیورو کے ۲۰۱۰ء کے اعداد وشمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ بھارت کی تمام ریاستوں میں سب سے زیادہ جرائم اتر پردیش میں ہوتے ہیں۔یہاں ۳۳،۹ء فیصد جرائم رکارڈ کئے گئے۔جبکہ سب سے زیادہ عصمت دری کی وارداتیں مدھیہ پردیش میں ہوئیں اور عورتوں کے خلاف ہونے والے جرائم میں آندھرا پردیش اوّل رہا۔غور طلب ہے کہ ۲۰۱۰ء میں کل ۶۷،۵۰،۷۴۸ معاملے درج کئے گئے جن میں ۲۲،۲۴،۸۳۱ IPC کے تحت درج ہوئے اور ۴۵،۲۵،۹۱۷ معاملات SLL کے تحت درج کئے گئے۔

بھارت میں کل جتنے جرائم رکارڈ میں آتے ہیں، ان کا نصف خواتین سے متعلق ہوتا ہے۔یہ سرکاری اعداد وشمار ہیں۔آبادی میں جس قدر اضافہ ہوا ہے اس کے مقابلے زیادہ تیزی سے عورتوں کے خلاف جرائم میں اضافہ ہوا ہے۔اس سلسلے میں ۱۹۹۸ء اور ۲۰۱۰ء کے دوران ملنے والے سرکاری اعداد وشمار موجود ہیں، جو خواتین کے خلاف ہونے والے جرائم میں زبردست اضافے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔عورتوں سے متعلق ایک اور حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے خلاف ہونے والے جرائم میں سے بیشتر رکارڈ میں نہیں آتے۔عصمت دری، چھیڑ چھاڑ اور جنسی ہراسانی کے زیادہ تر معاملے سماجی وجوہات کی بنا پر پولس میں درج نہیں کرائے

Marfat.com

جاتے، اور خاموشی کے ساتھ دبا دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح جہیز کو سماجی طور پر قبول کرلیا گیا ہے اور اس کی لین دین ہوتی رہتی ہے، یہ قانوناً جرم ہے باوجود اس کے جاری ہے۔ عورتوں کی جو سماجی حیثیت ہے اس کے تحت وہ خاموشی سے اسے برداشت کرتی رہتی ہیں۔ جہیز اور خواتین سے متعلق دیگر معاملات تب ہی پولس میں پہنچتے ہیں جب پانی حد سے گزر جاتا ہے۔ (سرکاری اعداد وشمار کے لئے NATIONAL CRIME RECODS BUREAU کی ویب سائٹ دیکھیں)

بھارت ایک کثیر آبادی والا ملک ہے اور یہاں عورتوں کے خلاف جرائم بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق صرف بھارت کے آندھرا پردیش میں ۲۰۱۰۔۲۰۰۸ء کے دوران عورتوں کے خلاف ہونے والے جن جرائم کی رپورٹیں درج کی گئیں ان کی تعداد ۷۶۹۲۴ ہے۔ ان میں ۳،۸۰۷ معاملے عصمت دری کے ہیں۔ ۱۴۵۱۱ معاملے چھیڑ خوانی سے متعلق ہیں۔ ۱۱۶۳۳ کیسیز جنسی ہراسانی کے ہیں۔ جن خواتین نے معاملے درج کرائے ہیں ان میں سے بیشتر خواتین ۱۴ سال سے ۳۰ سال کی عمر کی ہیں۔ اسی طرح دنیا کے سب سے بڑے جمہوری ملک کی راجدھانی دہلی کو بھارت کے شہروں میں جرائم کی راجدھانی ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ یہاں عورتوں کے خلاف سب سے زیادہ جرائم ہوئے ہیں۔ ۲۰۱۰۔۲۰۰۸ء کے دوران ۱۰۲،۱۱ معاملے درج ہوئے ہیں۔ ان میں ۱،۲۱۴ معاملے عصمت دری کے ہیں۔ ۱۵۷۴ کیسیز چھیڑ خوانی کے ہیں۔ ۳۰۹ معاملے جنسی ہراسانی کے ہیں۔ یعنی بیشتر معاملات سیکس سے جڑے ہوئے ہیں۔ یہ اعداد وشمار chanakyaneeti.wordpress.com کے ویب سائٹ سے ماخوذ ہیں۔

یہاں ایک اور بات قابلِ توجہ ہے کہ جس طرح عورتوں کے خلاف جرائم زیادہ ہوتے ہیں اسی طرح بچوں کے خلاف ہونے والے جرائم بھی بہت زیادہ ہیں۔ بچے نہیں جانتے کہ ان کے حقوق کیا ہیں؟ اور نہ ہی انھیں یہ پتہ ہے کہ وہ اپنے حقوق کے تعلق سے کس سے شکایت کریں؟ لہٰذا اُن کے حقوق کی پامالی ہوتی رہتی ہے اور اگر ان کے والدین اس تعلق سے بیدار نہ ہوں تو یہ

Marfat.com

سلسلہ جاری رہتا ہے اور کوئی اسے روکنے والا نہیں ہوتا۔ بعض اوقات تو خود والدین ہی اس کے لئے ذمہ دار ہوتے ہیں اور بچوں کی زندگیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ بچہ مزدوری بھارت جیسے ترقی پذیر ملکوں میں بہت عام ہے۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ والدین خود ہی اپنے بچوں کو مزدوری پر لگا دیتے ہیں۔ یہ عموماً غربت کے سبب ہوتا ہے۔ مزدور بچوں کے اوپر مختلف قسم کے مظالم ڈھائے جاتے ہیں، جن میں جنسی استحصال بھی شامل ہے۔ قحبہ خانوں میں بھی ایسی سیکس ورکرس خاصی تعداد میں ہیں جو ابھی نابالغ ہیں مگر حالات نے انھیں بدتر مقام پر پہنچا دیا ہے۔ اس وقت مختلف شکلوں میں بچوں کے حقوق کی خلاف ورزی ہو رہی ہے، مگر ان کی روک تھام کے لئے کارگر قدم نہیں اٹھائے جا رہے ہیں۔

حقوقِ انسانی کے نام پر بے اعتدالیاں

دنیا میں حقوقِ انسانی کی کوئی طے شدہ تعریف نہیں ہے اور نہ کوئی ایسا اصول ہے جس کے تحت ہم یہ طے کر سکیں کہ کون کون سے حقوق، انسانی حقوق کے دائرے میں آتے ہیں۔ اس لئے جب جس حکومت کو جو بات اچھی لگی اسے انسانی حقوق کے دائرے میں شامل کر لیا اور جو بات پسند نہیں آئی، اسے خارج کر دیا۔ جن ملکوں میں عورتوں کے پردے پر پابندی عائد ہے وہاں اس پابندی سے کسی قسم کے حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہوتی، دوسری طرف انھیں ملکوں میں ہم جنسی کی روک تھام سے حقوقِ انسانی کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ بھارت میں بھی ہم جنس پرستوں کو کھلی چھوٹ دینے کی بات ہو رہی ہے اور اس کے لئے وہی دلیل لائی جا رہی ہے جو مغربی ممالک لاتے ہیں۔ یعنی وہ انسان کے انتخابِ ذوق کا معاملہ ہے اور دو افراد کی رضامندی کی بات ہے۔ جب دو بالغ افراد اس کے لئے راضی ہوں تو انھیں اس سے روکنا حقوق انسانی کی خلاف ورزی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر کوئی خودکشی کرنا چاہے تو کیا دنیا کا قانون اسے اس کی اجازت دیتا ہے؟ حالانکہ

Marfat.com

یہ بھی اس کی پسند اور خواہش کا معاملہ ہے۔ جب قانون اس کی اجازت نہیں دیتا تو کس طرح ہم جنس پرستی کو قانون کے دائرے میں جائز ٹھہرانے کی بات کی جاتی ہے اور اسے حقوقِ انسانی کے دائرے میں لایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے یہاں حقوقِ انسانی کے دائرے کو بڑھا کر اپنی مرضی کی بات کو اس میں شامل کیا جارہا ہے، تو دوسری طرف جو باتیں واقعتاً اس کے دائرے میں آتی ہیں انھیں اس سے خارج کیا جارہا ہے۔ اصل میں یہ سب بے اعتدالیاں ہیں، جو صرف اس لئے سرایت کرتی جارہی ہیں کہ حقوقِ انسانی طے کرنے کے لئے انسان کے پاس کوئی معیار نہیں ہے۔ وہ جب جس بات کو چاہتا ہے حقوقِ انسانی کے دائرے میں لاتا ہے اور جب جس بات کو نکالنا چاہتا ہے نکال دیتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ کچھ باتیں ایک ملک میں حقوق انسانی کے دائرے کے اندر آتی ہیں اور وہی باتیں دوسرے ملک میں اس دائرے کے باہر ہیں۔

حقوقِ انسانی میں صوفیاء کے نظریات

جہاں ایک طرف آج کا جدید سماج یہ طے نہیں کر پایا ہے کہ حقوقِ انسانی ہیں کیا؟ حقوقِ انسانی کی تعریف کیا ہے؟ اور انھیں کن اصولوں کے تحت طے کیا جانا چاہئے؟ وہیں دوسری طرف اہلِ تصوف اس مسئلے کو صدیوں پہلے حل کر چکے ہیں؟ صوفیہ کی نظر میں یہ ایک بنیادی مسئلہ ہے اور اس کے ضابطے اللہ کی طرف سے ہی طے کر دیئے گئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ حقوق دو طرح کے ہیں۔ ایک حقوق اللہ اور دوسرے حقوق العباد۔ یعنی انسان پر کچھ اللہ کے حقوق ہیں، جیسے اس کے احکام کی پابندی، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ۔ دوسرے بندوں کے حقوق ہیں، جیسے ماں باپ کے حقوق اپنی اولاد پر، بچوں کے حقوق اپنے والدین پر، رشتے داروں کے حقوق رشتے داروں پر، پڑوسیوں کے حقوق پڑوسیوں پر اور انسانوں کے حقوق انسانوں پر۔ اسی پر بس نہیں یہاں تو عورتوں کے حقوق، اقلیتوں کے حقوق، قیدیوں کے حقوق، پناہ گزینوں کے حقوق یہاں تک کہ بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت بھی شرح وبسط کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے۔ ان

Marfat.com

حقوق کے تحت حکمرانوں اور رعیت کے حقوق بھی بیان کر دیئے گئے ہیں نیز پولس، حکام اور منصفوں کے دائرۂ کار کو بھی بتا دیا گیا ہے۔ یہاں نہ تو کسی قسم کا کنفیوزن ہے اور نہ تو یہ امکان کہ اس دائرے میں کچھ ایسی باتیں شامل کر دی جائیں جو دائرے سے باہر ہیں اور نہ ہی داخل باتوں کو خارج کرنے کے امکانات۔ یہاں انسانی حقوق کا دائرہ جامع اور مانع ہے۔ یہاں انسانی حقوق پر اتنا زیادہ زور ہے کہ انھیں جنت میں داخلے کی سند سمجھا جاتا ہے۔ یہی نہیں یہاں تو یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ حقوق اللہ کی خلاف ورزی اللہ معاف کر دے تو کر دے، مگر حقوق العباد کی خلاف ورزی وہ بھی نہیں معاف کرے گا جب تک کہ بندہ خود نہ معاف کرے۔ یہاں کسی کے ساتھ بھید بھاؤ کی بات نہیں ہوتی، سبھی انسان ہیں اور ایک آدم کی اولاد سے ہیں، لہٰذا وہ بھائی بھائی ہیں اور سب کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ جس مسلک میں جانوروں کے احترام کی بات کی جاتی ہو اور ان کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرنے کا درس دیا جاتا ہو، وہاں انسانی شرافت واحترام کا کیا مقام ہوگا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ معروف عالم دین اور صوفی حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ ان حقوق کا خصوصی ذکر کرنے سے پہلے کچھ عمومی باتیں لکھتے ہیں:

> ''ہر وہ شخص جو دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اس کے میل جول کے لئے کچھ آداب ہیں اور وہ اس کے حق کے مطابق ہیں، اور وہ اسی قدر ہے جس قدر وہ رابطہ ہے، جس کی وجہ سے وہ باہم میل جول رکھتے ہیں اور رابطہ یا تو قرابت کی وجہ سے ہوگا اور یہ سب سے خاص ہے یا اخوت اسلامی ہوگی اور یہ سب سے عام ہے۔ اخوت کے معنیٰ میں دوستی اور ہم نشینی شامل ہے۔ یا ہمسائیگی کی وجہ سے رابطہ ہوگا یا سفر کی وجہ سے یا مکتب و درس کی وجہ سے ہوگا پھر یہ دوستی ہوگی یا اخوت۔ ان روابط میں سے ہر ایک کے کچھ درجات ہیں، قرابت کا حق ہے لیکن ذی رحم محرم (ایسا قریبی رشتے دار جس سے نکاح حرام ہو، جیسے ماں، باپ وغیرہ) کا بھی حق زیادہ تاکیدی ہے اور محرم کا بھی حق ہے، لیکن والدین کا حق اس سے بھی زیادہ موکد ہے۔

اسی طرح پڑوسی کا بھی حق ہے لیکن مکان کے قرب و بعد کی وجہ سے یہ حق بھی مختلف ہے اور نسبت کے وقت فرق ظاہر ہوتا ہے، مثلاً دوسرے شہروں میں ہمسایہ اسی طرح ہوتا ہے، جس طرح اپنے شہروں میں رشتہ دار ہوتے ہیں، کیونکہ شہر میں وہ ہمسائیگی کے حق کے ساتھ خاص ہے۔ اسی طرح پہچان کی وجہ سے مسلمان کا حق زیادہ تاکیدی ہو جاتا ہے، اور پہچان کے بھی کئی درجات ہیں، جس کی پہچان دیکھ کر ہوتی ہے، اس کا حق سن کر پہچان حاصل ہونے والے کے حق سے زیادہ موکد ہے۔ اس پہچان کے بعد باہم ملاقات سے حق مزید پکا ہو جاتا ہے۔"

(احیاء العلوم، دوم (الفت و بھائی چارے کا بیان، باب ۳)

جیسا کہ اوپر کے اقتباس سے ظاہر ہے سماج میں رہنے والے ہر فرد کے دوسرے افراد پر کچھ حقوق ہیں۔ کوئی رشتے دار ہے تو زیادہ ہیں اور رشتے دار نہیں تو رابطے کی بنیاد پر حقوق طے ہوتے ہیں۔ جس کے ساتھ زیادہ قریبی روابط ہیں اس کے حقوق بھی زیادہ ہیں۔ اسی طرح جو جتنا قریبی پڑوسی ہے اس کے اتنے ہی زیادہ حقوق ہیں۔ جس سے کوئی تعلق نہیں اس سے انسانیت کا تعلق ہے اور ایک سماج میں رہنے کا تعلق ہے، لہٰذا اس بنیاد پر بھی سب کے ایک دوسرے پر حقوق عائد ہوتے ہیں۔

بچوں کے حقوق، صوفیہ کی نظر میں

حمل قرار پانے کے بعد اس کے حق میں وصیت درست ہے۔ وصیت صرف انسان کے حق میں ہوتی ہے گویا علماء اور صوفیاء جنین کو بھی انسانی جان تصور کرتے ہیں اور اُس کے حقوق تسلیم کرتے ہیں اور اسی لئے وصیت کو درست قرار دیتے ہیں۔ آج کی دنیا جو جنین کشی کر رہی ہے اس کے لئے یہ احکام تازیانہ عبرت ہیں۔ یہی نہیں اگر کسی نے کسی کا حمل ضائع کر دیا تو اس کے لئے وہ سزا کا مستحق قرار پائے گا۔

Marfat.com

جب حمل قرار پانے کے بعد جنین کے حقوق ثابت ہو سکتے ہیں تو بچوں کے حقوق بدرجہ اُتم ہونگے۔ یہاں بچوں کے حقوق ہیں کہ ان کے والدین ان کی پرورش کریں اور اور انکی صحیح طریقے سے تعلیم وتربیت کریں، ان کے ساتھ محبت بھرا برتاؤ کریں۔ کشمیر کے معروف صوفی حضرت سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور زمانہ کتاب ذخیرۃ الملوک میں لکھتے ہیں:

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں نیکی کس کے ساتھ کروں؟ آپ نے فرمایا کہ ماں اور باپ کے ساتھ۔ اس نے عرض کی یارسول اللہ میرے ماں باپ تو فوت ہو چکے ہیں، پھر آپ نے فرمایا اپنے فرزندوں کے ساتھ۔ جیسا کہ ماں باپ کا حق تیرے ذمہ ہے ویسا ہی بال بچوں کا حق تیرے ذمے ہے۔''

(صفحہ ۱۴۲)

والدین اپنے بچوں کی پرورش اور ان کی اچھی تعلیم وتربیت کے لئے ذمہ دار ہیں۔ یہ بچوں کے حقوق ہیں جو انھیں اپنے والدین سے ملنے چاہئیں۔ ان کے لئے وہ اللہ کی حضور میں جوابدہ بھی ہیں۔ شاہ ہمدان حضرت سید علی ہمدانی لکھتے ہیں:

''اے عزیز! اولاد، ماں باپ کے پاس اللہ کی امانت ہے۔ قیامت کے دن ان کے حقوق کا ماں باپ پر مطالبہ ہوگا۔ اس امانت کا وجود شیشے کی طرح ہے جو بھلائیوں اور برائیوں کو قبول کرنے والا ہے اور اس امانت کا حقیقی جوہر جدھر چاہو جھک سکتا ہے۔ اگر ماں باپ اور استاد نیک وصالح ہیں تو بچوں میں بھی وہ نشانات نمایاں ہونگے اور علم وتقویٰ پر ان کی عادت پختہ ہوگی۔ بلکہ وہ دونوں جہانوں میں برگزیدہ ہو جائیں گے اور ماں، باپ واستاد ثواب میں حصہ دار ہونگے۔ اگر ماں، باپ واستاد، ہی فاسق وجاہل اور غافل ہونگے تو ان کی بدچلنیوں کے آثار بچوں کی طبیعت میں قائم ہو جائیں گے۔ جو دونوں جہان کی بدبختی کا باعث ہونگے۔ جن کا

Marfat.com

نتیجہ ظلم اور بدکاری، فتنہ وفساد اور عُجب وتکبر ہوگا۔ ماں، باپ اور استاد، ان بدکاریوں کے حصہ دار ہوتے ہیں۔" (ذخیرۃ الملوک، صفحہ ۱۴۳)

والدین پر بچوں کے کچھ حقوق ہیں، لیکن ایسا نہیں کہ بچوں کے حقوق صرف والدین پر ہی ہوں۔ بچوں کے تعلق سے ان کے دیگر رشتے دار، سماج اور حکومت کی بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ ان ذمہ داریوں کا ذکر صوفیہ کی کتابوں، ملفوظات اور مکتوبات میں ملتا ہے۔ فوائد الفواد، جلد چہارم میں حضرت نظام الدین اولیاء کی ایک محفل کا ذکر کرتے ہوئے، امیر حسن سنجری تحریر فرماتے ہیں:

"بچوں کی محبت کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی۔ فرمایا! رسول اللہ ﷺ بچوں سے بڑی محبت کیا کرتے تھے اور ان کے ساتھ نرمی ومہربانی سے پیش آیا کرتے تھے۔ پھر یہ حکایت بیان فرمائی، کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے امام حسن کو دیکھا کہ بچوں میں کھیل رہے ہیں۔ ایک ہاتھ تھوڑی تلے اور ایک سر پر رکھ کر بوسہ دیا۔ اسی اثناء میں، میں نے عرض کیا کہ کہتے ہیں کہ، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے امیر المومنین حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خاطر اونٹ کی سی آواز بھی نکالی۔ فرمایا! ہاں، یہ تو عام مشہور ہے اور کتابوں میں درج ہے، پھر فرمایا نعمہ الجمل حلیما۔

پھر یہ حکایت بیان فرمائی کہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں ایک یار کو کسی ولایت کا حاکم مقرر کر کے وہاں کی حکومت کا حکم نامہ اس کے نام لکھ کر اسے دیا۔ اثنائے راہ میں امیر المومنین نے ایک چھوٹے بچے کو گود میں لیا اور پیار کرنے لگے۔ اس یار نے کہا میرے دس بچے ہیں، لیکن مجھے ان سے الفت نہیں اور نہ میں انھیں پیار کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ حکم نامہ مجھے دو۔ اس نے دیا تو لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرمایا کہ جب تجھے چھوٹوں سے محبت نہیں تو بڑوں سے کب ہوگی؟ واللہ اعلم۔" (مجلس ۴۲،)

Marfat.com

پیار و محبت انسانی فطرت کا حصہ ہے اور بڑوں کے بیچ خواہ جھگڑے ہو جائیں، ان کے درمیان نااتفاقی ہو جائے مگر بچوں سے انسان ہر حال میں پیار کرتا ہے، ان کے ساتھ مہربانی بھرا برتاؤ کرتا ہے۔ یہ بچوں کا حق بھی ہے کہ ان سے پیار کیا جائے، ان کے ساتھ شفقت اور نرمی سے پیش آیا جائے۔ بچوں کے ساتھ سختی، نفرت یا تشدد بھرا برتاؤ ان کے حقوق کی خلاف ورزی ہے اور اس رویے کے سبب ان کے مزاج پر منفی اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں، جو تاعمر قائم رہتے ہیں۔ یہ تعلیم صرف حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں نہیں بلکہ تمام صوفیہ کی ہے۔ حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ''بچوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنا نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی۔ آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو بچوں سے ملاقات کرتے، وہاں کھڑے ہو جاتے اور بچوں کو اٹھا کر اپنے ساتھ بٹھانے کا حکم دیتے، تو ان میں سے کسی کو آپ کے آگے اور کسی کو پیچھے بٹھا دیا جاتا اور بعض بچوں کو بٹھانے کے لئے آپ صحابۂ کرام کو حکم دیتے۔ کئی مرتبہ بچے ایک دوسرے پر فخر کرتے ہوئے کہتے، مجھے نبی اکرم ﷺ نے آگے بٹھایا اور تمہیں پیچھے سوار کیا اور بعض کہتے کہ تمہیں پیچھے بٹھانے کے لئے نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا۔ اسی طرح چھوٹے بچے کو لایا جاتا تاکہ آپ اس کے لئے برکت کی دعاء فرمائیں اور اس کا نام رکھیں تو آپ اسے پکڑ کر اپنی گود میں بٹھا لیتے۔ کئی مرتبہ بچہ پیشاب کر دیتا اور دیکھنے والے زور زور سے آواز دیتے تو آپ فرماتے، بچے کا پیشاب نہ روکو۔ تو اسے چھوڑ دیتے یہاں تک کہ وہ مکمل طور پر پیشاب کر لیتا۔ پھر اس کے لئے دعاء فرماتے اور اس کا نام رکھتے اور اس سلسلے میں اس کے گھر والوں کو خوش کرتے تاکہ وہ یہ نہ خیال کریں کہ بچے کے پیشاب کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہوئی ہے، جب وہ چلے جاتے تو آپ اپنا کپڑا مبارک دھو لیتے۔''

احیاء العلوم، دوم (حقوق کا بیان)

Marfat.com

ہمارے اوپر صرف اپنے بچوں کے ہی حقوق نہیں ہیں بلکہ سماج کے ہر بچے کا کوئی نہ کوئی حق ہے۔ بچے ملک اور سماج کا مستقبل ہیں۔ اگر ان کی پرورش اچھے خطوط پر ہوگی تو معاشرے کو اچھے افراد ملیں گے، اور اگر ان کی پرورش صحیح ڈھنگ سے نہیں ہوئی تو معاشرے کو تخریب کار ملیں گے، جو سماج کو بنانے کے بجائے بگاڑ کر رکھ دیں گے۔ آج جو ہم سماج میں ہر سطح پر بگاڑ دیکھ رہے ہیں اور قدم قدم پر تخریب کاری کے مناظر نظر آرہے ہیں وہ تمام اسی سبب ہیں کہ آج جن لوگوں کے کندھوں پر معاشرے کی ذمہ داریاں ہیں وہی بگڑے ہوئے ہیں اور ان کی پرورش درست خطوط پر نہیں ہوئی ہے۔ وہ احساسِ ذمہ داری سے عاری ہیں اور ان کے قلوب خوفِ خداوندی سے خالی ہیں۔

بیٹیوں کے حقوق

اس دنیا کا وجود مرد وعورت دونوں سے ہے۔ یہ دونوں زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ کسی ایک کی کمی سے اس گاڑی کا چلنا ممکن نہیں۔ صوفیاء کی نظر میں دونوں کی اپنی اہمیت ہے۔ وہ دونوں کو اللہ کی صفتِ تخلیق کا مظہر سمجھتے ہیں اور زندگی کے وجود کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ عورت کو قابلِ احترام مانتے ہیں اور ماں، بہن، بیٹی بیوی یا رشتہ دار کی صورت میں اس کے حقوق کو تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر اس سے کوئی رشتہ نہ ہو صرف انسانیت کا رشتہ ہو تو بھی قابلِ احترام تصور کرتے ہیں۔ اس تعلق سے صوفیہ کی تعلیمات کی اہمیت اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ جدید دنیا میں لڑکیوں کو پیدا ہونے سے قبل ہی قتل کر دیا جا رہا ہے۔ اگر کسی طرح اس کی پیدائش ہو گئی تو اس کے احترام کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ اسے طرح طرح کے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ نمبر دو کی شہری بن کر رہ جاتی ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات میں بھی بیٹیوں کا ذکر ملتا ہے اور آپ ان سے محبت والفت کی تعلیم دیتے ہیں۔ امیر حسن سنجری آپ کی ایک مجلس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

Marfat.com

''ملیح جو میرا پرانا یار ہے، تھوڑی مصری لایا تھا، کیونکہ اس کی لڑکی کا نکاح ہوا تھا۔ خواجہ صاحب کو معلوم ہوا کہ اس کے ہاں چار لڑکیاں ہیں۔ الغرض مصری دیکھ کر پوچھا کہ کیسی ہے؟ میں نے عرض کی، اس کی لڑکی کا نکاح ہوا ہے۔ خواجہ صاحب نے اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ جس کے ہاں ایک لڑکی ہو اس کے اور دوزخ کے بیچ پردہ بن جاتا ہے۔ تیری تو چار لڑکیاں ہیں۔ پھر زبانِ مبارک سے فرمایا ابوالنبات نے مرزوق کو کہا کہ بیٹیوں کا رزق فراخ ہوتا ہے۔''

(فوائد الفواد، جلد چہارم، مجلس ۴۱)

بیٹیوں کے قتل کے واقعات زمانۂ جاہلیت میں ہوا کرتے تھے اور جدید جاہلیت میں بھی اس کا رواج ہے، البتہ نئی تیکنالوجی کے چلتے انداز بدل گیا ہے۔ لڑکیوں کے ساتھ ناانصافیاں پہلے بھی ہوتی تھیں اور آج بھی ہو رہی ہیں۔ ان پر ظلم وزیادتی کے واقعات پہلے بھی عام تھے اور آج بھی عام ہیں۔ فرق یہ ہے کہ پہلے پیدائش کے بعد قتل کیا جاتا تھا اور اب جدید مشینوں کی ایجاد نے حمل میں ہی شناخت اور قتل کو ممکن کر دیا ہے۔ ایسے میں صوفیہ کی تعلیمات دنیا کے لئے مشعلِ راہ ہیں جو بیٹیوں کی حفاظت کی راہ دکھاتی ہیں اور انھیں جنت میں داخلے کا پروانہ بتاتی ہیں۔ بیٹیوں کے متعلق صوفیہ کے لٹریچر میں بہت کچھ ملتا ہے مگر ہم یہاں ایک اور حوالہ پیش کر کے بات ختم کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اپنے پیر ومرشد خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمہ کے ملفوظات نقل فرماتے ہیں:

''بیٹیاں اللہ کا ہدیہ ہیں، وہ شخص جسے اللہ نے بیٹی دی ہے وہ اسے پیار کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر راضی اور خوش ہوتا ہے۔ جس نے لڑکی کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کیا اللہ اسے ستّر حج کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ گویا اس نے ستّر غلام آزاد کئے۔ جو ماں باپ لڑکیوں سے محبت کرتے اور ان پر مہربان ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر مہربان ہوتا ہے اور رحمت فرماتا ہے۔'' (انیس الارواح، مجلس ۱۰)

Marfat.com

صرف صوفیہ کی تعلیمات میں بیٹیوں کی پرورش اوران کی دیکھ بھال کے لئے لوگوں کو اس طرح تیار کیا جاتا ہے۔ دنیا کی کسی تہذیب یا مذہب میں لوگوں کو اس طرح بیٹیوں کی تعلیم وتربیت اوران کی پرورش کے لئے راضی نہیں کیا جاتا۔ صوفیہ کی نظر میں یہ بیٹیوں کے حقوق ہیں کہ والدین ان کی پیدائش پر خوش ہوں اور محبت وخوشدلی کے ساتھ ان کی پرورش کریں۔ انھیں بیٹوں سے کمتر نہ سمجھیں۔

والدین کے حقوق

جس طرح والدین پر بچوں کے حقوق ہیں، اسی طرح اولاد کے ذمے بھی والدین کے حقوق ہیں۔ جن کے والدین باحیات ہوں ان کے لئے لازم ہے کہ ان کی خدمت کریں اوران کی اطاعت وفرمانبرداری کریں۔ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دنیا کے تمام مذاہب میں دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا و بالوالدین احسانا (اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔) اسی طرح احادیث میں بھی والدین کی اطاعت وخدمت اوران کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم ہے۔ کشمیر کے معروف صوفی امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ''ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول علیہ السلام سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ باپ کی خوشنودی جنت کا دروازہ ہے۔ اگر تم کو جنت کی تمنا ہے تو اس دروازے کی حفاظت کرو، اگر مرضی نہیں ہے تو اسے ضائع کردو۔
>
> حکیم بن خرام کہتے ہیں کہ میں نے رسول علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میں کس کے ساتھ بھلائی کروں؟ آپ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ پھر میں نے عرض کی یارسول اللہ، اس کے بعد کس کے ساتھ؟ آپ نے فرمایا ماں کے ساتھ۔ پھر میں نے عرض کی یارسول اللہ، اس کے بعد کس کے ساتھ تو آپ نے فرمایا، باپ کے ساتھ۔'' (ذخیرۃ الملوک، صفحہ ۱۳۰۔۱۳۱)

Marfat.com

صوفیہ کی تعلیمات میں والدین کے حقوق کا خیال رکھنے کی خاص تاکید کی گئی ہے۔جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اس قسم کی تعلیمات جگہ جگہ ان کی کتابوں، ملفوظات اور مکتوبات میں ملتی ہیں۔ حضرت سید علی ہمدانی لکھتے ہیں:

''والدین کا وجود فرزند کے وجود کے لئے سببِ اول ہے، کیونکہ عالمِ دنیا میں بیٹے کا وجود انھیں کے ذریعے پیدا ہوا ہے، اور بیٹے کے وجود میں ذاتی وصفاتی نورانیت صرف انھیں کی پیدائش سے ظہور پاتی ہے۔لڑکپن کے زمانے میں جب بچہ نہایت ہی ناتواں، ضعیف اور بے سہارا تھا تو اس وقت ماں، باپ کی محبت اور شفقت اور دلداری اس کی حامی اور مددگار تھی، اور جن ضروریات کو وہ بیان نہیں کرسکتا تھا وہ ان کو مہیا کردیتے تھے۔اور یہ بھی پروردگار کی رحمت ہے کہ پرورش ومہربانی اور رحم درپردہ ان کے ذریعے سے نمودار ہوکر ان کے طبعی آئینہ میں عکس اندازی کرتے ہوئے صورت پذیر ہوئی تھی۔ان صفات کے نتائج ہی مولود کے وجود کو نقصان کے مقام سے کمالیت کے درجہ پر چڑھا دیتی ہیں۔اس لئے پروردگار نے ان کی اطاعت اور خدمت اولاد پر واجب کردی۔''

(ذخیرۃ الملوک، صفحہ ۱۳۴۔۱۳۵)

احسان کا بدلہ، احسان کے سوا کچھ اور نہیں ہوسکتا۔والدین بچوں پر جتنا احسان کرتے ہیں اس کی مثال دنیا میں کہیں اور نہیں مل سکتی۔ جب والدین ضعیف اور بوڑھے ہوجاتے ہیں تو اولاد کی خدمت کے محتاج بھی ہوتے ہیں۔ایسے میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک نہ کرنا اولاد کی نالائقی ہی ہوسکتی ہے۔آج کل ایسی خبریں بھی اخباروں میں آتی رہتی ہیں کہ بیٹے نے اپنے والدین کا قتل کردیا۔یہ نئے عہد کی ستم ظریفی ہے کہ اولاد دوسروں کے ساتھ ساتھ اپنے والدین کے حقوق بھی بھولتی جارہی ہے۔صوفیہ کے لٹریچر میں اس کی خاص تاکید آئی ہے کہ اولاد اپنے والدین کے حقوق فراموش نہ کرے۔والدین اس کے لئے چھوٹے پالنہار ہیں۔جب وہ لاچار

Marfat.com

تھا۔ اچھے برے کی تمیز نہ تھی تو انھوں نے اس کی پرورش کی، اس کی آسائش کا خاص خیال رکھا اور ہر حال میں اس کی حفاظت کی۔ جب وہ اپنا روزگار خود نہیں حاصل کرسکتا تھا تو انھوں نے اسے کھلایا، پلایا اور اس کی دیکھ ریکھ کی۔ اب وہ ضرورت مند ہیں تو اولاد کی ذمہ داری ہے کہ ان کی خدمت کرے۔

بیویوں کے حقوق

میاں، بیوی کا رشتہ انسانیت اور سماج کے لئے ایک لازمی رشتہ ہے۔ اس کے بغیر یا تو انسان کا وجود باقی نہ رہے یا سماج میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو جائیں۔ اس رشتے پر وجودِ آدمیت کی بنیاد ہے۔ اسی لئے صوفیہ کرام نے جس طرح دیگر انسانوں کے حقوق کی بات لکھی ہے اسی طرح حقوقِ زوجین بھی لکھا ہے۔ یہاں سید علی ہمدانی علیہ الرحمہ کی تحریر سے ایک اقتباس پیش ہے:

''اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ نیکی اور خوش اخلاقی سے گزارہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ کی آخری وصیت جو تھی وہ یہ تھی، درمیانی نماز کو قائم رکھنا، نوکروں پر شفقت کرنا، خدا سے ڈرنا، عورتوں کے حقوق کی رعایت رکھنا، کیونکہ وہ تمہارے ہاتھوں میں ہیں۔ تو ان حقوق سے جو عورتوں کے مردوں پر ہیں، سب سے بڑا یہ ہے کہ ان کو قولی و فعلی امور میں سختی سے ایذا نہ دیں، بلکہ ان کی بدخوئی اور تیز مزاجی کو صبر و تحمل سے برداشت کریں۔ ترش روی بالکل نہ اختیار کریں۔''

(ذخیرۃ الملوک، صفحہ ۱۳۶)

حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہورِ عالم کتاب احیاء العلوم، دوم (معاشرت کا بیان) میں لکھا ہے:

''جان لو کہ حسنِ اخلاق صرف اسی کا نام نہیں کہ عورت کو تکلیف نہ پہنچاؤ، بلکہ اس کی طرف سے پہنچنے والی اذیت کو بھی برداشت کرنا اچھا اخلاق ہے۔''

Marfat.com

یہ اس تعلیم کی ایک جھلک ہے جو صوفیہ نے عورتوں کے تعلق سے لوگوں کو دی ہیں۔ انھوں نے قدم قدم پر اس بات کی رہنمائی کی ہے کہ مرد وعورت ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں۔عورتوں کے جو حقوق مردوں پر لازم کئے گئے ہیں، ان میں یہ ہیں کہ مرد، عورت کی حفاظت، اس کے روزگار، اس کے لباس اور اس کی رہائش کے لئے ذمہ دار ہے۔ یہ سب مرد کے فرائض ہیں نہ کہ اس کا احسان۔ یہ تمام ذمہ داریاں اسے خوشی خوشی ادا کرنی چاہئیں۔ باوجود اس کے اگر کسی قسم کی بداخلاقی کا عورت مظاہرہ کرے تو اسے بھی نظرانداز کر دینا چاہئے۔ البتہ بدخوئی حد سے نہ گزر جائے اس کے لئے اس کی تادیب بھی ضروری ہے۔ بیوی کی شکل میں عورت کی ذمے داری اس کے شوہر کے ذمے ہے۔ بیٹی کی صورت میں اس کی ذمہ داری اس کا شوہر اٹھائے گا۔ بہن کی ذمہ داری اس کا بھائی اٹھائے گا۔ اسی طرح دیگر خواتین کے بھی حقوق مقرر کر دئے گئے ہیں۔

جس طرح شوہر کے ذمے عورت کے حقوق ہیں، اسی طرح عورت کے ذمے شوہر کے بھی حقوق ہیں۔ بیوی پر لازم ہے کہ شوہر کی اطاعت کرے، اس کی خوشی کو اپنی خوشی اور اس کے غم کو اپنا غم تصور کرے۔ شوہر سے ضرورت کے مطابق اشیاء کا مطالبہ کر سکتی ہے، مگر اس سے زیادہ مانگ کر اسے پریشان نہ کرے۔ میاں، بیوی کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ ایک دوسرے کی جنسی ضرورتیں پوری کریں، تاکہ ان کے اخلاق میں کسی قسم کی خرابی نہ آئے اور دونوں عفت مآب زندگی گزاریں۔

نوکروں اور غلاموں کے حقوق

انسان پر جس طرح دوسروں کے حقوق ہیں اسی طرح اس کے ذمے اپنے نوکروں اور غلاموں کے حقوق بھی ہیں۔ صوفیہ کے یہاں ان کے حقوق کی جس قدر پاسداری کی گئی ہے، اس قدر تو کمیونسٹ مینی فسٹو میں بھی نہیں کی گئی ہے۔ فرق یہ ہے کہ صوفیہ کی تعلیمات میں اعتدال ہے اور

Marfat.com

کمیونسٹ نظریے میں اعتدال نہیں، افراط وتفریط ہے۔ سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ، جو لوگ تمہاری ملک وتصرف میں ہیں، ان کے حق ادا کرنے میں اللہ سے ڈرو۔ جیسا خود کھاتے ہو، ویسا ہی انھیں کھلاؤ اور جیسا لباس خود پہنتے ہو ویسا ہی انھیں بھی پہناؤ، اور جس کام کے کرنے کی وہ طاقت نہیں رکھتے ان سے نہ کراؤ، اور جن کو تم پسند کرتے ہو انھیں رکھ لو اور جنھیں تم پسند نہیں کرتے ان کو بیچ دو۔ اللہ کے بندوں پر عذاب نہ کرو، کیونکہ جو تمہارے تصرف میں ہیں، وہ بھی تمہاری ہی طرح ہیں۔ اگر ان کو تمہارا مالک بنادے تو اس قادر مطلق کی قدرت میں تمہارا کیا چارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہی درست ہوتا ہے۔“

(ذخیرۃ الملوک، صفحہ ۱۴۸)

اوپر کے اقتباس میں نوکروں اور غلاموں کے حقوق کا ذکر ہے۔ مالک جو خود کھائے وہی انھیں بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہی انھیں بھی پہنائے۔ ان سے طاقت سے زیادہ کام نہ لے، وہ جتنا کام کر سکتے ہیں اتنا ہی کام ان سے کرایا جائے۔ وہ بھی ویسے ہی انسان ہیں جیسا کہ خود ان کا مالک۔ اللہ کی قدرت ہے وہ جسے چاہے جو مقام دے دے۔ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ آقا کو غلام بنادے اور غلام کو آقا۔ اس کی دنیا میں کئی مثالیں بھی موجود ہیں۔ انجیل وقرآن میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ درج ہے کہ وہ کس طرح غلام بنے اور پھر غلام سے بادشاہ۔

اصل میں بہ حیثیت انسان سبھی برابر ہیں لہذا اس کی اجازت نہیں کہ کوئی اپنے نوکر یا غلام پر ظلم وزیادتی کرے۔ اس کے حقوق بھی دوسرے انسانوں کی طرح ہی ہیں۔ یہاں نوکر وغلام رکھنے کی شرطیں اتنی سخت رکھ دی گئی ہیں کہ کوئی آسانی سے کسی کو غلام نہ رکھ سکے۔ اسی کے اثرات تھے جنھوں نے بعد میں غلامی کی روایت کو ہی ختم کر دیا۔ امیر کبیر سید علی ہمدانی نے آقا پر غلام کے سات حقوق گنوائے ہیں:

Marfat.com

''۱۔کھانے اور لباس میں غلام کو اپنے برابر رکھے۔

۲۔ان کی ہمت سے زیادہ ان کو کام نہ بتلائے۔

۳۔شرعی احکام اور حدود کی ان کو تعلیم دے۔

۴۔تمام دن جب وہ کام کرتے رہے ہوں تو رات کو ان کو کام نہ بتلائے۔

۵۔حقارت کی نظر سے ان کو نہ دیکھے۔

۶۔نماز پڑھنے کے وقت ان کو ایسا کام نہ بتلائے، جس سے ان کی نماز میں حرج ہو۔

۷۔اگر نوکر کے کام سے دین کا نقصان نہیں تو اس کو ضرور معاف کرے اور کرتا رہے۔'' (ذخیرۃ الملوک، صفحہ ۱۵۰)

جب غلاموں کو اس قدر حقوق دیئے گئے ہیں تو نوکروں اور مزدوروں کے حقوق بہر حال ان سے زیادہ ہونگے۔اگر غلاموں اور نوکروں کو ان کے حقوق دے دیئے جائیں تو ان میں اور مالک میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا۔وہ بھی دوسروں کی طرح ہو جائیں گے،لیکن صوفیہ کے ان طریقوں پر کم لوگوں نے عمل کیا۔سید علی ہمدانی تحریر فرماتے ہیں:

''نقل ہے کہ عون بن عبداللہ کا غلام نہایت بدمزاج تھا اور وہ بسا اوقات بے ادبی سے پیش آتا تھا۔جب کبھی کبھار عون کو غصہ آجاتا تو صرف یہی کہتے کہ یہ غلام اپنے مالک کی طرح ہے۔یعنی میری نافرمانی اتنی نہیں کرتا، جتنی کہ میں اپنے مالک کی کرتا ہوں، اور کبھی جب لوگ آپ کو یہ کہتے کہ اس سرکش غلام کو بیچ دو تو آپ یہ فرماتے کہ اگر میں اسے بیچ دوں، تو میرے نفس سرکش کی بدخوئی کو کون روکے گا؟ الغرض جو شخص غلاموں کا مالک ہے اس کو قیامت کے دن غلاموں کے حق ادا کرنے کے بارے میں ضرور سوال ہوگا۔'' (ذخیرۃ الملوک، صفحہ ۱۴۹)

صوفیہ کا زیادہ زور کمزور طبقات کو ان کے حقوق دلانے کی طرف ہوتا تھا لہٰذا انھوں نے

Marfat.com

غلاموں کے حقوق کی طرف زیادہ توجہ دی۔ یہ وہ طبقہ تھا جو ہر دور میں ظلم واستحصال کا شکار رہا۔ بھارت میں بھی ایک نسلی غلامی کا سلسلہ جاری تھا۔ اس طبقے کو یہاں شودر کہا جاتا تھا اور اسے اس قدر ناپاک سمجھا جاتا تھا کہ اس سے جسم کا چھو جانا بھی ناپاکی کی بات تھی۔ صوفیہ نے جب بھارت کا رخ کیا تو یہاں بھی سب سے زیادہ اسی طبقے کے حقوق پر نظر رکھی۔ یہی سبب ہے کہ صوفیہ کے پیروکاروں میں بھی اسی طبقے کے افراد کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔ ہم نے سید علی ہمدانی کی جس کتاب کے حوالے سے بات کی وہ خاص بھارت کے تناظر میں لکھی گئی ہے اور خود سید علی ہمدانی کی دعوت وتبلیغ کا مرکز کشمیر رہا ہے جو ان کے عہد میں قدیم جاہلانہ رسموں اور روایتی نظریات کا گڑھ تھا۔

دوستوں کے حقوق

آدمی کے اوپر مختلف لوگوں کے حقوق ہیں۔ جو لوگ اس کے اہل وعیال یا رشتے دار ہیں ان کے حقوق تو ہیں ہی، ساتھ ہی اس کے ذمے دوست واحباب کے بھی حقوق ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی ساتھ سفر کر رہا ہے تو اس کی رعایت کا بھی صوفیہ پاس ولحاظ رکھتے تھے اور اس کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی ایک مجلس کے ذکر میں خواجہ امیر حسن سنجری لکھتے ہیں:

> ''جب قدم بوسی کی تو نہایت مرحمت اور شفقت فرمائی اور رستے کی تکلیفوں کی بابت پوچھنا شروع کیا اور بہت بندہ نوازی فرمائی۔ ملیح جو میرا بہت پرانا یار ہے، اسے کچھ بیماری کی تکلیف تھی۔ وہ اسی طرح بیماری کی حالت میں میرے ہمراہ حاضرِ خدمت ہوا۔ اس کی بیماری کا حال پوچھا۔ میں نے عرض کی کہ اس کی بیماری کے سبب رستے میں ٹھیر گیا تھا۔ فرمایا! اچھا کیا۔ جب یار کے ہمراہ ہوں تو واجب ہے کہ بیماری کے وقت بھی اس کے ہمراہ رہیں اور اس کے ساتھ وفا سے پیش آئیں۔
>
> پھر اس بارے میں یہ حکایت بیان فرمائی کہ ابراہیم خواص ہمیشہ سفر میں رہا

Marfat.com

کرتے تھے۔ کسی شہر میں چالیس دن سے زیادہ نہیں ٹھہرتے تھے۔ جہاں جاتے چالیس روز سے کم قیام کرتے پھر اور شہر میں چلے جاتے۔ آپ کی عمر اسی طرح صرف ہوگئی۔ ایک مرتبہ ایک جوان نے آپ کے ہمراہ رہنے کی التماس کی۔ فرمایا! تو میرے ساتھ نہیں رہ سکے گا۔ میں کبھی اس شہر میں ہوتا ہوں، کبھی دوسرے شہر میں۔ کبھی بے ساماں ہوتا ہوں اور کبھی با ساماں۔ لیکن وہ جوان اپنی بات پر اڑا رہا کہ میں ضرور آپ کے ہمراہ رہونگا۔ جب منت سماجت کی تو آپ بھی راضی ہو گئے ۔القصہ آپ اس کے ہمراہ شہر بہ شہر پھرتے رہے۔ جہاں جاتے چالیس روز سے زیادہ نہ ٹھیرتے۔ ایک مقام پر وہ جوان بیمار ہوگیا، جس کے سبب آپ کو تین مہینے ٹھیرنا پڑا۔ بعد ازاں ایک روز اس جوان کو نان اور مچھلی کی خواہش ہوئی، جو آپ پر ظاہر کی۔ آپ کے پاس ایک گدھا تھا، جس پر کبھی کبھی سوار ہوا کرتے تھے۔ اس کے سوا اور کوئی وجہِ خرچ نہ تھی۔ اسے بیچ کر اس جوان کی خواہش پوری کی۔ جب کچھ عرصہ گزر گیا تو جوان تندرست ہوگیا۔ آپ نے پھر سفر کا ارادہ کیا تو اس جوان نے کہا اپنا گدھا مجھے دے دو تا کہ میں سوار ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تو تیری روٹی اور مچھلی کی خاطر فروخت کر دیا تھا۔ القصہ وہاں سے روانہ ہوئے اور تین دن آپ نے اس جوان کو گردن پر اٹھا کر سفر کیا۔ اس حکایت سے خواجہ صاحب کا مطلب یہ تھا کہ ہم صحبتوں سے عمدگی کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہئے۔"

(فوائد الفواد، چہارم، مجلس ۳۸)

اپنے ہمسفر کے ساتھ حسن سلوک کا یہ انداز صرف صوفیہ کے کردار میں ہی مل سکتا ہے اور یہ تعلیم صرف لفظی تعلیم نہیں ہوتی بلکہ عمل کی شکل میں لوگوں کے سامنے آتی ہے۔ اہل تصوف اللہ کے بندوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کو خدا کی رضامندی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ وہ اپنے گفتار و کردار سے خدمتِ خلق کی تعلیم دیتے تھے۔ ہمراہیوں کے بھی حقوق ہیں اور لازم ہے کہ ان

Marfat.com

کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے۔ ریلوں اور بسوں میں ایک ساتھ سفر کرنے والے مسافروں کے بیچ اکثر کہاسنی ہوتی رہتی ہے مگر یہ بات صوفیہ کی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ جس جگہ دو افراد ہونگے تو ان میں ایک دوسرے سے کسی قسم کی تکلیف کا ہونا فطری بات ہے۔ اس کے لئے لڑنا جھگڑنا یا تکلیف کا اظہار کرنا اچھی بات نہیں۔ ہمسفر کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے۔ صوفیہ کی تعلیمات میں ایسی باتیں بار بار دیکھنے کو ملتی ہیں کہ انھوں نے اپنے ہمسفر کی خاطر مشقتیں برداشت کیں۔ اوپر کے اقتباس میں جس کردار و عمل کی جھلکیاں پیش کی گئی ہیں، وہ صوفیہ کا خاصہ ہیں۔ دوست اگر دوست کے کام نہ آئے تو وہ دوست کیسا؟ اور صوفیہ کی تو تعلیم یہ ہے کہ سب سے محبت اور بھائی چارہ کے رشتے رکھو۔ سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ”نقل ہے کہ ایک شخص نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہا کہ میں آپ کے ساتھ برادری کا سلسلہ جاری رکھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے کہا کہ کیا تجھے برادری کی شرائط معلوم ہیں۔ اس نے عرض کی آپ فرمادیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی چارہ کا پہلا ادنیٰ تر حق تو یہ ہے کہ تیرے مال میں میرا اختیار تجھ سے زیادہ ہو اور حکمائے عرب نے یہ بھی لکھا ہے کہ محبوب کی رضا میں اگر دوست اپنے مال خرچ کردے تو اس کی محبت کا اندازہ معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے مال کو لوگوں کا محبوب بنادیا ہے۔“ (ذخیرۃ الملوک، صفحہ ۱۵۶)

سچی محبت اور دوستی وہی ہوتی ہے جس میں انسان اپنے محبوب کے لئے اپنی عزیز ترین چیز کو بھی قربان کرنے سے دریغ نہ کرے۔ دوست کا دوسرے دوست پر یہ حق ہے کہ وہ وقت ضرورت اس کے کام آئے اور ہر حال میں اس کی بھلائی کا خیال رکھے۔ یہاں تک کہ وہ غیبت بھی برداشت نہ کرے اور اس کے سامنے اگر غیبت ہو رہی ہو تو اسے روک دے۔ یہ ایک انسان کے دوسرے انسان پر بھی حقوق ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے تعلق سے غیبت نہ کریں، اور آپس میں حسد کا جذبہ نہ رکھیں۔

Marfat.com

پڑوسیوں کے حقوق

جس طرح آدمی پر اس کی اولاد، والدین، عزیز و اقارب کے حقوق ہیں اسی طرح اس کے پڑوسیوں کے بھی حقوق ہیں۔ جو پڑوسی جتنا قریبی ہے، اس کے حقوق بھی اتنے ہی زیادہ ہیں۔ یہ شرط نہیں کہ پڑوسی مسلمان ہو تو ہی اس کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے۔ پڑوسی کسی بھی مذہب، کسی بھی طبقے، کسی بھی علاقے، کسی بھی رنگ و نسل کا ہو، اس کے حقوق بنتے ہیں۔ ویسے بھی ان اختلافات کی صوفیہ کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں۔ امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، اے ابو درداء جو شخص تیرا پڑوسی ہو اسکے ساتھ اچھی ہمسائیگی اختیار کرو، مومن ہو گے، اور لوگوں کے لئے وہ بات پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، مسلمان ہو گے۔''

(احیاء العلوم، دوم (حقوق کا بیان) بحوالہ کنز العمال، جلد ۵، صفحہ ۸۵۱)

اوپر کی حدیث کا مطلب ہے کہ کامل مومن اور اچھا مسلمان ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے آدمی اچھا پڑوسی بن جائے اور دوسروں کے تئیں اس کا دل اتنا کھلا ہوا ہو کہ ان کے لئے بھی ویسا ہی بھلا سوچے جیسا کہ خود اپنے لئے سوچتا ہے۔ جو شخص اچھا پڑوسی نہیں بن سکتا وہ اچھا مسلمان بھی نہیں بن سکتا۔ یہی بات دوسری جگہ بھی بیان کی گئی:

''جو شخص تمہارا پڑوسی بنے اس سے اچھی ہمسائیگی رکھو، (مکمل) مسلمان ہو جاؤ گے۔'' احیاء العلوم، دوم (حقوق کا بیان) بحوالہ سنن ابنِ ماجہ، ابواب الزہد

پڑوسی پر پڑوسی کے حقوق بہت زیادہ ہیں۔ صوفیہ اکثر ایک حدیث کا ذکر کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے سامنے ذکر کیا گیا کہ ایک شخص روزہ رکھتا ہے اور اللہ کی عبادت کرتا ہے مگر پڑوسی کو تکلیف پہنچاتا ہے، آپ نے فرمایا کہ وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ صوفیہ نے تو یہاں تک لکھا کہ آدمی اپنے پڑوسی کے کتے کو بھی تکلیف نہ پہنچائے کیونکہ اس سے پڑوسی کو اذیت پہنچے گی اور اسے اذیت پہنچانا جائز نہیں۔ امام محمد غزالی لکھتے ہیں:

Marfat.com

''نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، جب تم نے اپنے پڑوسی کے کتے کو مارا تو تم نے اپنے پڑوسی کو تکلیف پہنچائی۔'' (احیاء العلوم، دوم (پڑوسی کے حقوق کا بیان)

پڑوسی کے حقوق کے تعلق سے صوفیہ کا حکم کتنا تاکیدی ہے اس کا اندازہ امام محمد غزالی کے ایک اقتباس سے لگتا ہے:

''جان لو کہ ہمسائیگی کا حق صرف یہی نہیں کہ اسے اذیت نہ پہنچائی جائے، بلکہ اس کی طرف سے تکلیف برداشت کرنا بھی اس میں شامل ہے، کیونکہ پڑوسی بھی اس شخص کی طرف سے اذیت برداشت کرتا ہے، تو اس میں اس کے حق کی ادائیگی نہیں ہوئی۔ محض تکلیف برداشت کرنا ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ نرمی برتنا اور اچھے سلوک کرنا بھی اس کا حق ہے، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ فقیر پڑوسی قیامت کے دن مالدار پڑوسی کا دامن پکڑ کر کہے گا، اے میرے رب! اس سے پوچھ اس نے مجھے اپنے حسنِ سلوک سے کیوں محروم کیا اور مجھ پر اپنا دروازہ کیوں بند کیا؟''

(احیاء العلوم، دوم (پڑوسیوں کے حقوق کا بیان)

جس جگہ انسان رہتے ہوں وہاں ایک دوسرے کی ضرورت ہوگی اور ایک دوسرے سے کچھ شکایتیں بھی ہونگی۔ اس لئے پڑوسیوں کے حقوق میں دونوں قسم کی باتیں شامل کردی گئیں، یعنی ایک تو یہ کہ آدمی اپنے پڑوسی کے خوشی وغم میں شریک ہو اس کی بھلائی سوچے اور ساتھ ہی اگر کوئی تکلیف دہ بات اس سے سرزد ہو جائے تو برداشت بھی کرے۔ اُسے یہ احساس ہونا چاہیے کہ تکلیف وہ اکیلے ہی نہیں برداشت کرتا بلکہ دوسرا پڑوسی بھی اسی طرح برداشت کر رہا ہے۔

رشتے داروں کے حقوق

جس طرح پڑوسیوں کے کچھ حقوق ہیں اسی طرح رشتے داروں کے بھی حقوق ہیں، اور انھیں ادا کرنے کی صوفیہ اور علماء نے تاکید کی ہے۔ امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ رشتے داروں کے

Marfat.com

حقوق کے تعلق سے بہت سی قرآنی آیتیں اور حدیثیں درج کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے خلیل (ﷺ) نے وصیت فرمائی کہ میں صلہ رحمی کروں اگرچہ رشتہ دار پیٹھ پھیر جائیں اور سچ بات کہوں اگرچہ کڑوا ہو۔'' احیاء العلوم، دوم (رشتے داروں کے حقوق کا بیان)

دوستوں اور مخلص رشتے داروں کے ساتھ تو سبھی اچھا سلوک کرتے ہیں، مزا تو جب ہے کہ ان کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کیا جائے جو برا سلوک کرتے ہوں۔ بداخلاقی سے پیش آنے والوں کے ساتھ خوش اخلاقی کی تعلیم سیرت نبوی کا حصہ ہے اور اسے صوفیہ نے دل وجان سے اپنایا۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیہ ہر اس شخص کے ساتھ نرمی سے پیش آتے جو ان کے ساتھ سختی کرتا۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات 'فوائد الفواد' میں اس کی بار بار تاکید ملتی ہے۔

امام غزالی علیہ الرحمہ نے جو احادیث درج کی ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

''نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، بہترین صدقہ وہ ہے جو پوشیدہ عداوت رکھنے والے رشتہ دار کو دیا جائے۔ (مسند امام احمد بن حنبل، جلد ۳ صفحہ ۴۰۲)

سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ تم اس سے صلہ رحمی کرو، جو تم سے تعلق توڑتا ہے۔ اسے دو جو تمہیں محروم رکھتا ہے اور جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دو۔''

احیاء العلوم، دوم (رشتے داروں کے حقوق کا بیان)

رشتہ توڑنے والے کے ساتھ اچھا برتاؤ ٹوٹتے ہوئے رشتے کے جڑنے کا سبب بن سکتا ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اگر اگلا آپ کے حقوق نہیں ادا کرتا تو بھی آپ کو اس بات کی چھوٹ نہیں مل سکتی کہ آپ بھی اس کے حقوق ادا نہ کریں، کیونکہ حقوق کا تعلق اللہ کے احکام سے ہے، اگر اگلا حکمِ خداوندی کو نظر انداز کر کے عذابِ الٰہی کا مستحق ہوتا ہے تو آپ بھی کیوں وہی جرم دانستہ طور پر کریں۔ اگر کوئی کانٹا بوتا ہے اور اس کے جواب میں دوسرا بھی کانٹے بوئے تو یہ دنیا کانٹوں سے بھر جائیگی، اس لئے نفرت کا جواب نفرت نہیں، محبت ہے۔

Marfat.com

آدمی کے آدمی پر حقوق

ایک سماج میں رہنے والے تمام انسانوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ان کا ایک دوسرے سے کوئی نسبی، نسلی، خونی یا مذہبی رشتہ ہو نہ ہو لیکن انسانیت کا رشتہ ضرور ہے اور اس لحاظ سے انھیں آپسی معاملات میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ اچھے برتاؤ کی صوفیہ تعلیم دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ اقوال ان کے ملفوظات میں ملتے ہیں۔فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا معاملہ خلقت کے ساتھ دو طرح کا ہے اور خلقت کا معاملہ آپس میں تین طرح کا۔اللہ تعالیٰ کا معاملہ خلق سے عدل ہے یا فضل، لیکن خلقت کا آپس میں عدل ہے یا فضل ہے یا ظلم۔اگر لوگ آپس میں عدل کریں یا فضل کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر فضل فرماتا ہے، لیکن اگر آپس میں ظلم کریں تو اللہ تعالیٰ ان سے عدل سے پیش آتا ہے۔''

(فوائد الفواد، سوم، مجلس ۱۳)

ملفوظات کے الفاظ کو دوبارہ پڑھیے اور غور کیجیے کہ صوفیہ کی تعلیمات کیا ہیں؟ الفاظ کا مفہوم بہت واضح ہے۔سماج میں رہنے والے لوگ اگر ایک دوسرے کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں اور ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آئیں تو وہ اللہ کے فضل کے مستحق ہوتے ہیں۔وہ اگر آپس میں عدل کریں تو بھی وہ فضلِ خداوندی کے مستحق ہوتے ہیں لیکن اگر وہ ظلم و بربریت کا مظاہرہ کریں، ایک دوسرے کے حقوق کی پامالی کریں اور زمین میں فتنہ وفساد برپا کریں تو اللہ ان کے درمیان انصاف فرماتا ہے۔یعنی انصاف کا تقاضا ہے کہ ظالم کو سزا اور مظلوم کو جزا دی جائے۔

کسی انجانے مسافر یا اجنبی انسان کی مدد سے عام طور پر لوگ پہلوتہی کرتے ہیں اور بڑے شہروں میں تو عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی مسافر کو حادثہ پیش آجائے تو لوگ اس کی مدد بھی نہیں کرتے۔بیشتر لوگوں کو یہ خیال دامن گیر رہتا ہے کہ پولس ان سے پوچھ تاچھ کرے گی اور

Marfat.com

انھیں کورٹ کچہری کے چکر کاٹنے پڑیں گے۔ کوئی انسان تڑپ کر دم توڑ دیتا ہے اور دوسرے اسے پانی تک نہیں پلاتے۔ جب صوفیہ پانی پلانے کو باعثِ ثواب قرار دیتے ہیں تو ایک دم توڑتے انسان کی مدد کرنا ان کی نظر میں کتنے بڑے ثواب کا کام ہوگا، اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمہ کے ملفوظات نقل کرتے ہوئے خواجہ معین الدین چشتی تحریر فرماتے ہیں:

''جب کوئی پیاسے کو پانی پلاتا ہے اس وقت اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ وہ ایسا ہوتا ہے گویا ابھی شکم مادر سے پیدا ہوا ہو۔ اگر وہ مر جائے تو اس کا شمار شہداء میں ہوگا۔ پھر فرمایا جو شخص بھوکے کو کھانا کھلائے اللہ اس کی ہزار حاجتیں پوری کرتا ہے اور جہنم سے آزاد کرتا ہے اور جنت میں اس کے لئے محل مخصوص کرتا ہے۔''

(انیس الارواح، مجلس ۱۰)

جو انسان اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے یہ باتیں بہت اہم ہیں۔ یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے صوفیہ لوگوں کو حقوق العباد ادا کرنے کے لئے تیار کرتے تھے۔ کسی اجنبی کی کوئی اجنبی کیوں مدد کرے؟ اس کا اس میں کیا مفاد ہے؟ لیکن صوفیہ کی نظر میں ایک انسان دوسرے انسان سے انسانیت کا رشتہ رکھتا ہے، اس لئے وہ مدد کا مستحق ہے اور اس مدد کے بدلے اسے اللہ سے رحم و کرم کی امید رکھنی چاہئے۔ وہ رحیم ہے اور رحم کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ وہ کریم ہے اور بخشش کرنے والے اسے پسند ہیں۔ اس کے فضل کو متوجہ کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آدمی اس کے بندوں پر احسان کرے۔ کنز العمال، اول صفحہ ۱۵۱ کی ایک حدیث کو اکثر صوفیہ بیان کرتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''افضل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں۔''

احیاء العلوم، دوم (حقوق کا بیان)

امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم، دوم میں دو حدیثیں نقل فرماتے ہیں:

''اہل اور غیر اہل سب سے اچھا برتاؤ کرو۔ اگر تم اہل تک پہنچ گئے تو وہ اس کا

Marfat.com

مستحق ہے اور اگر وہ اس کا اہل نہ تھا تو خود تم اس کے مستحق ہو۔

(میزان الاعتدال، جلد دوم، صفحہ ۵۵۰)

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''دین کے بعد عقل کی بنیاد لوگوں سے محبت کرنا اور ہر نیک و بد کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے۔''

(کنز العمال، جلد ۹، صفحہ ۱۰۵)

اچھوں کے ساتھ بھلائی کرنے میں ہر کوئی یقین رکھتا ہے مگر ناپسندیدہ افراد کے ساتھ کوئی بھلائی نہیں کرنا چاہتا مگر تصوف کا یہ سبق ہے کہ کوئی مستحق ہو یا غیر مستحق ہر شخص کے ساتھ بھلائی کیا جائے۔ یہ ایک تو ہمارا انسانی اور سماجی حق ہے، دوسرے ممکن ہے برے کے ساتھ اچھا برتاؤ اس کے دِل کو بدل دے اور وہ ہمیشہ کے لئے برائیوں سے توبہ کرلے۔ ویسے بھی سبھی ایک خالق کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ایک مالک کے بندے ہیں تو ان کے ساتھ بھلائی کا برتاؤ ہی کرنا چاہئے۔ جب ان کا پالنہار گناہ اور نافرمانی کے سبب ان پر روزی کا دروازہ بند نہیں کرتا تو ہم کون ہوتے ہیں اس کے بندوں کے ساتھ برا سلوک کرنے والے۔ جیسا کہ اوپر کی حدیث میں بیان ہوا، کہ دین کے بعد عقل کی بنیاد لوگوں سے محبت کرنا اور ہر نیک و بد سے اچھا سلوک کرنا ہے۔ سچ پوچھو تو یہ حسنِ سلوک ہی سکھانے کے لئے ہزاروں انبیاء کرام اس دنیا میں تشریف لائے۔ پیار و محبت، اخلاق و مروت، بھائی چارہ اور انسانیت ہی ارحم الراحمین کا دین اور رحمۃ اللعالمین کا پیغام ہے۔ تمام انسانوں کے حقوق میں سے سب سے بنیادی حق یہی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے پیار، محبت کریں اور ایک دوسرے کو تکلیف نہ پہنچائیں۔ یہ وہ اعمال ہیں جن پر عمل پیرا رہ کر سماج کے حقوق ادا کئے جاسکتے ہیں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ سماج میں جس طرح حقوق کی پامالی ہورہی ہے، آدمی آدمی کے حقوق کو پامال کررہا ہے، عورتوں، بچوں، کمزوروں، بوڑھوں اور پسماندہ و مظلوم طبقات کے حقوق جس طرح غصب کئے جارہے ہیں، ایسے حالات میں ہم کیسے اللہ سے اس کے فضل کی امید کرسکتے

Marfat.com

ہیں؟ ملک کے سیاسی لیڈران، وزراء، حکام اور اونچے عہدوں پر بیٹھے بااختیار افراد جس طرح سے عوام کے حقوق پر غاصبانہ طور پر قابض ہیں اور قوم کی دولت میں بدعنوانی کررہے ہیں وہ تمام اللہ کے قہر وغضب کو دعوت دینے والا ہے۔

اللہ کے بندوں کو ایذا

اللہ کے بندوں کو ایذا دینا ان کے حقوق کی پامالی ہے۔صوفیہ کی نظر میں یہ بہت بری بات ہے کہ انسان، انسان کو کسی قسم کی تکلیف پہنچائے۔اس سلسلے میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے الفاظ خواجہ معین الدین چشتی نے تحریر کیے ہیں:

> ''مومن کو تکلیف دینے کے متعلق حدیث ہے۔ابو ہریرہ نے حدیث اس طرح بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، جس کسی نے مسلمان کو ستایا اس نے مجھے ناراض کیا۔جس نے مجھے ناراض کیا اس نے اللہ کو ناراض کیا۔ہر مومن کے سینے میں اسّی پردے ہوتے ہیں اور ہر پردے پر فرشتہ کھڑا ہوتا ہے، جو شخص کسی مومن کو تکلیف پہنچاتا اور دکھ دیتا ہے وہ ان اسّی فرشتوں کو تکلیف دیتا ہے۔''
>
> (انیس الارواح، مجلس ۷)

مومن کو تکلیف پہنچانے کی اوپر کے ملفوظات میں مذمت آئی ہے۔لیکن ایسا نہیں کہ یہ مذمت صرف مومن کو ایذا دینے کی ہے، اصل میں کسی بھی انسان کو ایذا دینا برا ہے۔سبھی اللہ کی مخلوق ہیں۔یہاں مومن کا لفظ اس لئے استعمال ہوا کہ جس سماج کی بات ہورہی تھی وہاں صرف مسلمان تھے اور جن لوگوں کے سامنے بات ہورہی تھی وہ بھی مسلمان تھے۔حدیث میں دوسرے مقام پر مسلمان کی تخصیص نہیں بلکہ انسان کہا گیا ہے۔وہاں 'ناس' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے، انسان۔اصل میں ایک انسان کا دوسرے انسان پر حق ہے کہ وہ اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے۔السلام علیکم کے الفاظ کے ذریعے اسی حق کی یاد دہانی بار بار کرائی جاتی ہے۔'تم پر

Marfat.com

سلامتی ہو' کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ تم میری طرف سے مامون ہو اور اللہ کی طرف سے فضل ورحمت ہو، اس کی دعاء کرتا ہوں۔ اس کے جواب میں دوسرا شخص ایسے ہی الفاظ دہرا کر اپنی اور سے بھی اسی قسم کی خواہشات و جذبات کا اظہار کرتا ہے۔ سلام اصل میں بندوں کو ایک دوسرے کے تعلق سے سلامتی کے حق کی یاددہانی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آج یہ صرف رسم بن کر رہ گیا ہے اور اس کی روح غائب ہوگئی ہے۔ احادیث میں بار بار کہا گیا ہے کہ 'جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ نہ ہوں وہ مسلمان نہیں'۔ یہاں اس بات کی بھی اجازت نہیں کہ انسان سخت بات کہہ کر کسی کو تکلیف پہنچائے تو پھر اسے مارنے، اس کا مال ہڑپنے اور اس کے ساتھ برا سلوک کرنے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟ صوفیہ اپنی مجلسوں میں بار بار اس حدیث کا ذکر کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا۔"

احیاء العلوم، دوم (حقوق کا بیان) بحوالہ مسند امام احمد بن حنبل، جلد دوم، صفحہ ۲۰۷

سماج میں رہنے والے اگر اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور آخرت میں اس کی جوابدہی کا خیال رکھیں تو ضرور وہ ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کریں گے۔ آج جو خرابیاں ہمارے معاشرے میں در آئی ہیں ان کا بڑا سبب یہی ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے حقوق کے تعلق سے حساس نہیں ہیں۔

عوام کے حقوق کی پامالی

عوام کے معاملات کے لئے حکمراں ذمہ دار ہوتے ہیں۔ ان کی بنائی ہوئی پالیسیوں کے اثرات عوام پر پڑتے ہیں۔ ملک کے حالات اور اس کے مستقبل کا انحصار حکمرانوں کی بنائی ہوئی پالیسیوں پر ہوتا ہے۔ اسی طرح عوام کے ٹیکس سے حاصل شدہ پیسے اور قوم کی دولت کے وہ نگہبان ہوتے ہیں۔ ان کی یہ بھی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ عوام کی دولت کو عوامی اور فلاحی کاموں پر

Marfat.com

خرچ کریں نیز ان کے بیچ مساوات قائم کریں۔ کسی کے ساتھ جانبداری نہ کریں اور سب کے ساتھ انصاف کریں۔ یہ تمام باتیں آج بھی حکومتوں کی قانونی ذمہ داریاں ہیں مگر عملی طور پر ان کا فقدان ہے۔ اس سلسلے میں صوفیہ نے حکمرانوں کو خاص تاکید کی ہے کہ وہ عوام کے حقوق کا خیال رکھیں اور ان کی دولت میں بدعنوانی نہ کریں۔ ایسا کرنے سے انھیں خدا کی بارگاہ میں جوابدہ ہونا پڑے گا۔ حضرت سید علی ہمدانی علیہ الرحمہ اپنی کتاب 'ذخیرۃ الملوک' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو حاکم اپنی رعایا پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کردیتا ہے۔'' (صفحہ ۱۶۴)

''علی کرم اللہ وجہہ نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میدانِ محشر میں بادشاہِ ظالم اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ اس کا کوئی سفارشی اور مددگار نہ ہوگا۔ وہ دوزخ کے کنویں میں ڈالا جائے گا۔ وہ دوزخ کے عذاب میں ایسا سرگرداں ہوگا جیسے چکی کے پاٹ پریشان پھرتے ہیں۔ افسوس کہ اس کنویں کے قعر میں جکڑا جائے گا۔'' (صفحہ ۱۶۵)

اسی کتاب میں حضرت سید علی ہمدانی نے وہ حقوق بھی گنوائے ہیں جو ایک حکمراں پر اپنی رعایا کے تعلق سے عاید ہوتے ہیں۔ (اس سلسلے میں کچھ باتیں اسی کتاب میں کسی اور مقام پر بیان کی گئی ہیں لہٰذا انھیں دہرانا مناسب نہیں ہوگا۔ آگے انشاءاللہ بیان آئے گا)

حقوقِ انسانی کی پامالی کیوں؟

حقوقِ انسانی کی پامالی موجودہ سماج کا سب اہم معاملہ ہے۔ ہر کسی کو ایسا لگتا ہے کہ اس کے حقوق دبائے جا رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ خود بھی دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے پہلوتہی کرتا ہے۔ حکمراں طبقہ عوام کے حقوق غصب کرنے میں سب سے زیادہ پیش پیش نظر آتا ہے، حالانکہ ہر مسئلے کے حل کے لئے قانون موجود ہے۔ عوام اور خواص سبھی قانون سے بے خوف

Marfat.com

نظر آتے ہیں اسی لئے کوئی بھی ایمانداری کے ساتھ اپنی ذمہ داری ادا نہیں کرتا۔موجودہ دور حقوقِ انسانی کے تعلق سے بیداری کا دور ہے مگر دوسرے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ حقوقِ انسانی کی خلاف ورزی کا دور بھی ہے۔جس بڑے پیمانے پر حقوقِ انسانی پامال کرنے کے واقعات اس دور میں رونما ہورہے ہیں شاید ہی پہلے کبھی ہوئے ہوں۔آج ہر مسئلے کا حل قانون بنا کر نکالنے کی کوشش ہوتی ہے اور قانون بننے کے بعد بھی یہ مسئلہ حل نہیں ہو پاتا۔آدمی کبھی اس پہلو پر غور نہیں کرتا کہ غلطی کہاں ہورہی ہے۔اگر قانون بنانے سے کوئی مسئلہ حل ہو پاتا تو یہ بہت آسان حل تھا مگر ایسا ممکن نہیں ہے۔اصل میں مسائل کا سب سے بہتر اور فطری حل صوفیہ کی تعلیمات میں ملتا ہے۔مسائل کا جنم داتا انسان ہے۔انسان سے ہی سماج بنتا ہے لہٰذا اگر سماج کو ٹھیک کرنا ہے تو سماج کے افراد کو ٹھیک کرنا ہوگا۔فرد کو ٹھیک کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کے دل کو درست کیا جائے۔ دل وہ عضو ہے جس کی اصلاح سے آدمی کی اصلاح ہوتی ہے اور اس کی خرابی سے آدمی کے اخلاق وکردار بگڑ جاتے ہیں۔یہی سبب ہے کہ تصوف آدمی کے دل کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اگر لوگوں کے دل کی اصلاح ہوجائے تو پورے سماج کی اصلاح ہوسکتی ہے۔

موجودہ سماجی، سیاسی، تعلیمی، تمدنی نظام کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس کی بنیاد سے خدا اور آخرت کے تصور کو ختم کر دیا گیا ہے۔اس سماج میں رہنے والے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے کردار وعمل کے لئے کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہیں۔اس دنیا کے علاوہ کوئی ایسی دنیا نہیں جہاں آدمی کو اپنے کئے ہوئے کاموں کا حساب دینا پڑے۔وہ جب تک زندہ ہیں عیش کرلیں۔دنیا میں قانون سے بچ گئے تو پھر کوئی قانون ان کا مواخذہ نہیں کرے گا۔تصوف،آدمی کی اس سوچ کے برعکس اسے خدا کے سامنے جوابدہ بتاتا ہے۔وہ اس دنیا کو دارالعمل بتاتا ہے۔یعنی یہاں انسان اللہ کے احکام کی بجاآوری کے لئے آیا ہے اور اس کی جزا اسے دوسری دنیا میں ملے گی۔ جس انسان کا یہ خیال ہو کہ اسے اپنے کئے ہوئے کام کے لئے کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہونا ہے وہ دنیا اور قانون کی نظروں سے بچ کر کوئی بھی جرم کرسکتا ہے مگر جس کا یہ تصور ہو کہ کوئی سمیع وبصیر خدا

Marfat.com

ہر لمحے اس کی نگرانی کر رہا ہے اور اسے اپنے ہر عمل کا اس کے سامنے جواب دینا پڑے گا، وہ تنہائی میں بھی جرم کرنے سے باز رہے گا۔ انسان اپنے مزاج سے مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ تو اتنے شریف النفس اور نیک دل ہوتے ہیں کہ ان کے دل میں ارتکابِ جرم کا خیال ہی نہیں آتا مگر بعض افراد سزا کے خیال سے جرائم سے دور رہتے ہیں۔ تصوف آدمی کو شریف النفس بناتا ہے، لیکن اگر کوئی انسان اس خوبی کا حامل نہیں بن پایا تو وہ خدا کے سامنے جوابدہ ہونے کے تصور سے جرائم سے دور رہے۔ وہ خیال کرے کہ اگر اس نے دوسروں کے حقوق کی پامالی کی تو آخرت میں اس کا مواخذہ ہوگا۔ آج کی دنیا کے بیشتر مسائل کی بنیاد یہ ہے کہ انسان کی جوابدہی نہ تو دنیا میں طے ہے اور نہ وہ آخرت پر یقین رکھتا ہے۔ حالانکہ اگر اس کی جوابدہی دنیا اور آخرت میں طے ہو جائے تو بہت حد تک مسائل پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

اوپر ہم نے صوفیہ کے حوالے سے صرف چند حقوق کا ذکر کیا، حقیقت یہ ہے کہ کوئی طبقہ ایسا نہیں جس کے حقوق کے بارے میں صوفیہ نے بیان نہ کیا ہو۔ یہاں تک کہ جانوروں کے حقوق بھی بیان کر دیئے گئے ہیں۔ (جانوروں کے تعلق سے صوفیہ کے نظریات اسی کتاب میں دیگر دو مقامات پر بیان کئے گئے ہیں۔) حضرات صوفیہ عام طور پر اپنی کتابوں، مکتوبات اور ملفوظات میں حقوق کا بیان قرآن اور حدیث کے حوالے سے کرتے ہیں نیز اپنے ماقبل صوفیہ کے اقوال اور اعمال سے مثالیں پیش کرتے ہیں۔ اصل میں شرعی احکام کا بیان تو فقہ کی کتابوں میں موجود ہے مگر صوفیہ اس سے آگے بڑھ کر حق سے زیادہ دینے کی بات کرتے ہیں۔ جیسے زکوٰۃ ڈھائی فیصد ہے مگر صوفیہ کا ماننا ہے کہ اسی پر بس کیوں کیا جائے؟ اس سے آگے بڑھ کر غریبوں کی مدد کی جائے۔ بالکل اسی طرح حقوق کے معاملے میں بھی ان کی سوچ ہے۔

○○○

Marfat.com

تمہارے شہر میں اب کون کس سے پیار کرے
جہاں زمانہ محبت کو سنگسار کرے
یہاں کبیؔر نہ رومیؔ، نہ کوئی نذرلؔ ہے
دلوں کو کون محبت کا آبشار کرے
غوثؔ سیوانی

Marfat.com

دہشت گردی کے خاتمے میں تصوف کا کردار

دہشت گردی تاریخ کے آئینے میں

دہشت گردی اگر انسانی جانوں کے عدم احترام کا نام ہے تو تاریخ میں اسکی بہت ساری مثالیں مل جاتی ہیں۔ ہزاروں سال قبل کی دنیا کے حالات کا اگر جائزہ لیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ تاریخِ انسانی میں دہشت گردی کو قانونی طور پر جائز ٹھہرایا گیا تھا۔ دنیا کے سبھی ملکوں میں سماج کے لئے قوانین موجود تھے مگر ان میں کئی ایسی باتیں بھی شامل تھیں جو دہشت گردی کو کسی نہ کسی صورت میں درست ٹھہراتی تھیں۔ ان قوانین کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ یہ راجہ اور پرجا

Marfat.com

میں فرق کرتے تھے۔ یہ قوانین میں عام لوگوں کو ایک دوسرے کی جان لینے کی اجازت نہیں تھی مگر حکمرانوں کو اپنے ملک کے عوام کی جانوں، مالوں اور عزت و آبرو پر اختیار حاصل تھا۔ وہ جسکی چاہیں جان لے لیں اور جسے چاہیں معاف کر دیں یہ انکا خصوصی حق تھا۔

عام لوگوں سے بالکل الگ قوانین (LAWS) غلاموں کے لئے تھے، انکی جانوں کے مالک ان کے آقا تھے۔ وہ جس طرح چاہیں انھیں زندہ رکھیں یا قتل کر دیں انھیں یہ اختیار حاصل تھا۔ اسی طرح روم کے قانون کے مطابق باپ اپنے بچوں کی جانوں کا مالک ہوتا تھا۔ وہ انھیں قتل بھی کر سکتا تھا۔ یہ وہ قانون تھا جس پر رومیوں کو فخر تھا۔ بیویوں کی جانوں کے مالک ان کے شوہر ہوا کرتے تھے اور بچوں کو حمل میں قتل کرنے کا حق ماں کو حاصل تھا۔ عرب اور دیگر کئی ملکوں میں بچیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کرنے کا رواج تھا، اس عمل سے انھیں کوئی قانون نہیں روکتا تھا۔ بلکہ یہ بات وہاں کے مختلف قبیلوں کے لئے باعث فخر تھی۔ ایک دوسرے کی جان لینا ان کا پسندیدہ شوق تھا اگر دو قبیلوں کے بیچ کوئی لڑائی شروع ہو جاتی تو برسوں چلتی رہتی اور وہ ایک دوسرے کی جان لیتے رہتے۔ اس دہشت گردی سے انھیں کوئی روکنے والا نہیں تھا۔ دنیا کے کئی ملکوں میں تو انسانوں کا گوشت کھانے کا بھی رواج تھا۔ چین جو اپنی حکمت و دانائی کے لئے دنیا میں ضرب المثل تھا وہاں دکانوں میں لٹکا کر انسانوں کا گوشت فروخت کیا جاتا تھا۔ دنیا کے کئی ملکوں میں انسانوں اور جانوروں کے درمیان کھیل کے مقابلے ہوتے جن میں کبھی انسان جانور کو قتل کر دیتا تو کبھی درندے انسانوں کا خون بہا دیتے۔ غلاموں کو بھوکے درندوں کے سامنے ڈالنے کا عام رواج تھا اور یہ سب صرف تفریح طبع کے لئے ہوتا تھا۔

بھارت میں بھی کئی ظالمانہ دستور رائج تھے۔ وہ ملک جو اہنسا اور عدم تشدد کے مرکز کے طور پر جانا جاتا ہے، وہاں دلتوں کو غلام بنا کر رکھا گیا تھا۔ جو حقوق دوسروں کو حاصل تھے وہ انھیں حاصل نہیں تھے۔ ان پر ظلم و ستم کی انتہا کی جاتی تھی۔ کئی بار تو انکی جان بھی لے لی جاتی تھی اور ایسا کرنے والے کے خلاف کوئی قانونی کارروائی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ دلت اگر مذہبی کتابوں کا کوئی

Marfat.com

حصہ سن لیتے تو اس جرم میں ان کے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جاتا تھا۔ بھارت میں ایک ظالمانہ طریقہ ستی کے نام سے رائج تھا کہ بیوہ عورت کو اس کے شوہر کی لاش کے ساتھ زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ یہاں ایک رسم ''جل بروا'' کے نام سے رائج تھی جس کے تحت ماں باپ اپنے بچوں کو گنگا میں زندہ ڈبو دیتے تھے۔ یہ سب اس ملک میں ہو رہا تھا جہاں گوتم بدھ کا عدم تشدد (NONVIOLENCE) کا پیغام گونجا تھا۔ جس ملک میں جانوروں کی جانوں کی حفاظت کے لئے قانون موجود تھے وہاں انسانی جان کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ گویا سماج میں مختلف صورتوں میں دہشت گردی رائج تھی اور اسے سماجی و قانونی قبولیت بھی حاصل تھی۔

دہشت گردی موجودہ دور میں

گھروں کو توڑتا ہے، ذہن میں نقشہ بناتا ہے
کوئی اِک ضد کی خاطر شہر کو صحرا بناتا ہے

آج کل اخبارات سے ٹی وی چینلوں تک اور ایوانِ حکومت سے نجی محفلوں تک جس موضوع پر سب سے زیادہ بحث ہوتی ہے، وہ ہے دہشت گردی۔ دہشت گردی کی اصطلاح بھی حال ہی کی ایجاد ہے اور اسے سب سے زیادہ استعمال کیا گیا 9/11 کے حملوں کے بعد۔ ۲۰۰۱ میں امریکہ کے شہر نیویارک میں مشہورِ عالم ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو تباہ کر دیا گیا۔ یہ حملہ کس نے کیا؟ یہ راز آج بھی راز ہی ہے۔ اسی کے ساتھ اس سے متعلق بہت سے سوالوں کے جواب آج بھی نہیں مل پائے ہیں۔ لیکن یہ ضرور ہوا کہ اس کے بعد امریکہ نے افغانستان اور عراق پر حملے کر کے دونوں ملکوں کو تباہ کر دیا۔ لاکھوں بے قصور انسانوں کی جانیں گئیں۔ ننھے ننھے معصوم بچوں نے دوا اور خوراک کے بغیر تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیا۔ لوگ غذائی اشیاء (FOODS) کو ترس گئے اور فرش مخمل کو جوتوں سے روندنے والے سر چھپانے کی چھت کے محتاج ہو گئے۔ جن لوگوں نے اس ظلم و بربریت کے خلاف آواز بلند کی انھیں دہشت گرد کہا گیا۔ دوسرے ملکوں پر قبضہ کر کے وہاں کے عوام کو غلام

Marfat.com

بنانے والے، اور ان کے وسائل کو استعمال کرنے والے سورما کہلائے اور اپنے ملک کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والے (FREEDOM FIGHTERS) تشدد پسند، باغی، دہشت گرد کہے گئے۔

جنوں کا نام خرد ہوگیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

دہشت گردی کی جڑ اسرائیل

دور سمندر پار سے کوئی کرے بیوپار
پہلے بھیجے سرحدیں، پھر بیچے ہتھیار

امریکہ اور مغربی ممالک کی اسلام اور مسلم ممالک کے خلاف جنگ، دہشت گردی کی بد ترین مثال ہے۔ یہ کوئی نئی بات بھی نہیں، صدیوں سے اسلامی ممالک اور یورپ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہے ہیں۔ ماضی قریب میں شروع ہونے والی ایک مستقل جنگ اسرائیل کے وجود کی شکل میں سامنے آئی ہے۔ یہ وہ جنگ ہے جو تقریبا پینسٹھ برسوں سے جاری ہے۔ ۱۹۴۷ میں مغربی ملکوں کی سازش سے اسرئیل وجود میں آیا۔ یہاں بسنے والے فلسطینیوں کو انکی سرزمین سے بے دخل کر دیا گیا، جو آج بھی اپنے گھروں اور اپنی زمینوں سے محروم ہیں۔ اسرئیل کو وجود بخشنے والوں نے یہودیوں کو ساری دنیا سے لا لا کر بسانا شروع کیا اور اس وقت بھی بیشتر اسرئیلی باشندوں کے پاس دوہری شہریت ہے۔ فلسطین کے اصل باشندے اگر اپنی زمین اور اپنے ملک کے لئے لڑتے ہیں تو انھیں دہشت گرد قرار دیا جاتا ہے۔ یہ بات جگ ظاہر ہے کہ دہشت گردی کا ارتکاب کرنے والے اکثر اپنے مخالفین کو ہی دہشت گرد قرار دیتے ہیں۔ اس کی مثالیں اسرئیل سے امریکہ تک دیکھی جا سکتی ہیں۔

Marfat.com

وسائل پر قبضہ کی دہشت گردی

دہشت گردی کی ایک صورت ان ممالک میں دیکھنے کو مل رہی ہے، جہاں تیل، معدنیات اور دیگر انسانی وسائل کی بھرمار ہے۔ کئی افریقی اور ایشیائی ممالک پر سامراجی (IMPERIALISTS) طاقتوں نے بالواسطہ یا بلا واسطہ قبضہ کر رکھا ہے۔ بیشتر افریقی ملکوں میں انتہا درجے کی غریبی ہے، لیکن جہاں کہیں بھی معدنیاتی وسائل پائے جاتے ہیں، وہاں مغربی طاقتیں پہنچ جاتی ہیں اور لوٹ کھسوٹ کا کھیل شروع ہو جاتا ہے۔ عرب ملکوں میں اگرچہ کچھ بادشاہوں کی حکومتیں ہیں مگر حقیقتاً یہاں امریکہ اور یورپی ممالک کی حکومت ہی چلتی ہے۔ یہاں ان کی مرضی کے بغیر ایک تنکا نہیں ہلتا۔ سعودی عرب، کویت اور عراق کے ساتھ تو امریکہ کے باقاعدہ معاہدے ہیں۔ مغربی سامراج کی دخل اندازی کی تازہ مثال لیبیا اور شام ہیں۔ مغربی ممالک ان کے وسائل کو اپنے استعمال میں لانا چاہتے ہیں مگر اس میں مشکلیں درپیش تھیں لہذا یہاں کے امریکہ مخالف حکمرانوں کو تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ لیبیائی حکمراں پر پہلے حملے کئے گئے اور جب وہ کمزور ہو گئے تو پورے ملک پر قبضہ کر کے معمر قذافی کا قتل کر دیا گیا۔ اب لیبیا میں مغرب کی کٹھ پتلی حکومت ہے اور ملک کے وسائل مغرب کے زیرِ اختیار ہیں۔ بلکل ایسی ہی پالیسی شام کے معاملے میں بھی اپنائی جا رہی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ شام کے حکمراں طبقے کے خلاف عوام برہم ہیں مگر اس آگ پر گھی ڈالنے کا کام کر رہے ہیں مغربی ممالک اور یہ سب نام نہاد جمہوریت کے نام پر ہو رہا ہے۔ جمہوریت مغرب کے لئے ایک دو دھاری تلوار کی طرح ہے، جب جیسے چاہا استعمال کر لیا۔ جب جمہوریت کا نام لے کر اپنے مخالفوں کو ختم کرنا ممکن لگا تو جمہوریت کی راگ الاپنے لگے اور جب عوام نے مغرب نواز حکمرانوں کو ٹھکرا دیا تو ملک میں بغاوت کرا کر اپنے من پسند حکمرانوں کو برسرِ اقتدار لے آئے۔ الجزائر میں کچھ ایسا ہی ہوا۔

Marfat.com

مصر اور ترکی میں سازشوں کا جال

مصر میں عوام کا غصہ حکمراں طبقے کے خلاف ابل پڑا اور مغرب نواز حکومت کے خاتمے کا وقت آیا تو عیار مغربی ممالک نے ریاکارانہ طور پر عوام کی حمایت کا اعلان کیا۔ مگر جب دیکھا کہ عوام ملک کی مقبول ترین سیاسی اور مذہبی جماعت اخوان المسلمون کو برسرِ اقتدار لانے والے ہیں تو مصر میں ایک بار پھر ریشہ دوانیوں میں اضافہ ہو گیا۔ اس پارٹی کو بدنام کرنے کے لئے مختلف حربوں کا استعمال کیا گیا۔ اسلام مخالف عالمی میڈیا بھی اس سازش میں انکا بھرپور ساتھ دیتا رہا۔ اسی طرح اسلام کی طرف رفتہ رفتہ قدم بڑھانے والا ترکی بھی مغرب کی نظروں میں بری طرح کھٹک رہا ہے۔ یہاں کبھی فوج کے ذریعے بغاوت کی کوشش کی جاتی ہے تو کبھی کردوں کو بغاوت پر اکسایا جاتا ہے۔ کبھی عدلیہ اور حکومت میں اختلافات ہونے کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے تو کبھی کسی اور طریقے سے ترکی کو کمزور کرنے کی کوششیں ہوتی ہیں۔ یہاں کئی بار عوام کے ذریعے منتخب حکومت کو فوج برخواست کر چکی ہے، صرف اس لئے کہ عوام نے ایک ایسی پارٹی کو چنا تھا جو اسلام میں یقین رکھتی ہے۔ اور اس سب کے پیچھے ان مغربی ملکوں کا ہاتھ رہا ہے جو جمہوریت کی دہائی دیتے نہیں تھکتے۔

سعودی عرب محفوظ کیوں؟

سعودی عربیہ ایک مسلم اکثریتی ملک ہے، مگر یہاں امن وامان ہے کیونکہ یہاں کے حکمراں امریکہ اور مغربی ممالک کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ یہاں اسلام کے نام پر جبر کا قانون رائج ہے، عوام کو زبان کھولنے کی اجازت نہیں، عورتوں کے ساتھ قیدیوں سا برتاؤ ہو رہا ہے مگر اس کے باوجود امریکہ خاموش ہے، مغربی ممالک چپ ہیں، عالمی برادری کو جمہوریت کی کوئی فکر نہیں ستاتی کیونکہ انکا مفاد اسی جبری نظام سے وابستہ ہے۔

Marfat.com

ایران تنہا ایسا مسلم ملک ہے جس نے اپنے یہاں جمہوری اسلامی نظام کا نفاذ کیا ہے اور مغرب کی ریشہ دوانیوں کے خلاف سینہ سپر ہے اس کا نتیجہ ہے کہ عالمی برادری میں اسے اچھوت کی جگہ پر رکھنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ مغربی ممالک اس کے خلاف صف آرا ہیں اور امریکہ، اسرائیل و اقوام متحدہ اسے نیست و نابود کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔

اصل دہشت گرد کون؟

یہی تمام اسباب و محرکات ہیں کہ مشرقی ممالک خاص طور پر مسلم ملکوں میں امریکہ اور مغربی ممالک کو ناپسند کیا جاتا ہے اور انکے خلاف عوام صف آرا ہو رہے ہیں۔ کٹھ پتلی حکومتیں بھی عوامی نشانے پر ہیں اور بعض ملکوں میں عوام نے مسلح بغاوت کا راستہ اپنایا ہے۔ امریکہ اور مغربی ملکوں کی داداگیری کے خلاف آواز بلند کرنے والے ہی اس دور میں دہشت گرد کہے جا رہے ہیں مگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو اصل دہشت گرد تو وہی ممالک ہیں جو دوسروں کے حقوق پر شبخون (SNIPE) مار رہے ہیں۔ دوسرے ملکوں کے وسائل کو وہاں کے عوام کی مرضی کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ دولت اور میڈیا کے بل بوتے پر ساری دنیا میں سچائی کے خلاف پرچار کر رہے ہیں۔

شہر کو جنگل بنا دینے میں جو مشہور تھا
آج کل سنتے ہیں وہ اللہ والا ہوگیا

دہشت کی ڈرون

دہشت گردی کی ایک صورت وہ بھی ہے جو دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر جاری ہے۔ پاکستان میں آج کل ڈرون حملے ہو رہے ہیں۔ یہ حملے دراصل دہشتگردی کا ہی ایک

Marfat.com

حصہ ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انھیں دہشت گردی کے خلاف جنگ کا حصہ قرار دیا جارہا ہے تاکہ بے گناہوں کی خونریزی کو درست ثابت کیا جاسکے اور جس طرح معصوموں کا خون بہایا جارہا ہے اسکی پردہ پوشی کی جاسکے۔ اس دہشت گردی میں امریکہ، ناٹو اور پاکستانی حکمراں برابر کے شریک ہیں۔ بے گناہوں کی آہیں اور بے قصوروں کی سسکیاں سننے والا کوئی نہیں۔ ننھے ننھے بچے، پردہ نشیں خواتین اور ضعیف وناتواں بزرگوں اور بیماروں کو بھی نہیں بخشا جارہا ہے۔ آخران کا قصور کیا ہے؟ انھوں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟ کیا یہ تمام لوگ دہشت گرد ہیں جو، اُن پر ڈرون حملے کر کے انھیں خاک وخون میں غلطاں کیا جارہا ہے؟ کیا انھوں نے ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ کیا تھا یا سازش میں شریک تھے؟ ان حالات کا بچوں کے معصوم ذہنوں پر بہت برا اثر ہورہا ہے اور وہ تشدد کی طرف مائل ہورہے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ یہ نسل مستقبل میں کسی اور جنگ کا ایندھن بنے۔

جو کل تک اپنی تختی پر ہمیشہ امن لکھتا تھا
وہ بچہ ریت پر اب جنگ کا نقشہ بناتا ہے

جابر حکمرانوں کی دہشت گردی

دہشت گردی کی ایک قسم وہ بھی ہے جو جابر حکمرانوں کی طرف سے عوام کے خلاف تشدد کی شکل میں سامنے آرہی ہے اور عوام کی مرضی کے خلاف ان پر حکومت کرنے والوں کی طرف سے جاری ہے۔ جبری نظام والے ملکوں میں سعودی عرب سرِفہرست ہے، جہاں ایک خاندان نے پورے ملک پر قبضہ کر رکھا ہے اور عوام کی دولت پر عیش کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ لیبیا، شام، یمن ،عراق اور کچھ دوسرے ملکوں کی صورت حال بھی اس سے الگ نہیں ہے۔ شام اور یمن کے عوام اس وقت حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ وہ بادشاہت اور ڈکٹیٹر شپ سے نجات چاہتے ہیں مگر حکمراں طبقہ عوامی احتجاج کا جواب بندوق کی گولیوں سے دے رہا ہے۔ لیبیا پر معمر قذافی اور عراق پر صدام حسین نے گولیوں کی مدد سے ہی ایک مدت تک حکومت کی اور آج کل عراق

Marfat.com

وافغانستان میں اسی قسم کی جبری حکومت جاری ہے۔ یقیناً یہ بھی دہشت گردی کی ایک قسم ہی کہی جائیگی۔

دہشت گردی کی ایک قسم یہ بھی ہے

حکمراں طبقے کی طرف سے عوام پر ظلم، بڑے ملکوں کی طرف سے کمزور ملکوں کے مفاد کے خلاف کام اور عوام پر انکی مرضی کے خلاف حکومت یہ سب یقیناً دہشت گردی ہے مگر ان کے علاوہ ایک دہشت گردی وہ بھی ہے جو مختلف جماعتیں عوام کے خلاف چلا رہی ہیں۔ ٹرینوں، بسوں اور عوامی مقامات پر بم رکھ کر بے قصور انسانوں کو قتل کرنا، مسجدوں، درگاہوں اور عبادت کی جگہوں پر خودکش حملے کر کے معصوموں کی جانیں لینا یقیناً دہشت گردی کی بدترین مثالیں ہیں۔ کبھی کبھی میڈیا میں ان تنظیموں کے نام بھی آتے ہیں مگر ان خبروں پر پوری طرح یقین کرنا بھی مشکل ہے کیونکہ میڈیا پر جس طبقے کا قبضہ ہے اسکی باتوں پر بغیر کسی آزاد ذریعے سے تصدیق کے بھروسہ کرنا جلد بازی ہوگی۔ بہرحال جو افراد اور تنظیمیں بھی اس قسم کی دہشت گردی میں ملوث ہوں وہ قابلِ مذمت ہیں۔ کوئی بھی مہذب سماج اس قسم کی حرکتوں کو برداشت نہیں کرسکتا۔

کس کے پاس کتنے ہلاکت خیز ہتھیار؟

جینے کا ارمان بہت ہے
مرنے کا سامان بہت ہے

دہشت گردی کی مختلف شکلیں ہیں مگر سب سے بھیانک شکل وہ ہے جو دنیا کے کئی ملکوں کی طرف سے جاری ہے، اسے ایٹمی دہشت گردی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس وقت کئی ملک ایٹمی ہتھیار بنا چکے ہیں اور جنھوں نے اب تک نہیں بنایا ہے وہ بنانے کی تیاری میں ہیں۔ یہ صورتحال

Marfat.com

اتنی خطرناک ہے کہ اگر کبھی ان اسلحوں کا استعمال ہوا تو قیامت برپا ہو جائیگی۔ اس وقت دنیا کے نو ملکوں کے پاس ایٹمی ہتھیار ہیں۔ ایک بے حد محتاط اندازے کے مطابق امریکہ کے پاس ۱۹۵۰ اسے ۱۸۰۵۰۰ تک ایٹمی ہتھیار موجود ہیں۔ روس کے پاس ۲۴۳۰ اسے ۱۱۰۰۰ تک اسلحے ہیں۔ برطانیہ کے پاس ۱۶۰ اسے ۲۲۵ تک، فرانس کے پاس ۱۹۰ اسے ۳۰۰ تک، چین کے پاس ۱۸۰ اسے ۲۴۰ تک، بھارت کے پاس ۸۰ اسے ۱۰۰ تک، پاکستان کے پاس ۹۰ اسے ۱۱۰ تک اور نارتھ کوریا کے پاس ۱۰ اجبکہ اسرائیل کے پاس ۸۰ اسے ۲۰۰ تک ایٹمی ہتھیار موجود ہیں۔ جرمنی، بلجیم، کناڈا، گریس، اٹلی، نیدرلینڈ اور ترکی ناٹو ممالک ہیں، جن کے پاس اگرچہ اپنے ایٹم بم نہیں مگر امریکہ ایک معاہدے کے تحت انھیں فراہم کر رہا ہے۔ ان کے علاوہ بعض وہ ممالک ہیں جن کے متعلق شک ہے کہ انھوں نے خفیہ طور پر ایٹمی ہتھیار بنالیا ہے۔ ایسے ملکوں کی تعداد بھی آدھ درجن کے قریب ہے۔

بم سے امن کبھی نہیں آتا
سیکھو تو افغان بہت ہے

امریکہ کے پاس بعض ایسے ہتھیار ہیں جو کسی دوسرے ملک کے پاس نہیں جیسے MQ9 ADAPTIV. REAPER DRONE. LASER AVANGER. یہ وہ ہتھیار ہیں جو دنیا کے کسی بھی حصے میں تباہی پھیلا سکتے ہیں۔ ایک لمحے میں ہزاروں زندگیوں کو موت میں بدل سکتے ہیں۔ فی الحال امریکا کے پاس گیارہ قسم کے ایسے ہتھیار ہیں، جو دنیا کے کسی دوسرے ملک کے پاس نہیں۔ یہ سب ایٹمی اسلحے ہیں۔

اس وقت دنیا میں ہتھیاروں کا سب سے بڑا تاجر امریکہ ہے۔ امریکی معیشت (ECONOMY) کا ایک حد تک دارومدار اسی صنعت پر ہے۔ ہتھیار کے بیوپاری دوسرے ملکوں میں اسرائیل، فرانس اور برطانیہ بھی شامل ہیں۔ یہ وہ ملک ہیں جو خود کو عالمی امن کے بڑے ٹھیکے دار سمجھتے ہیں، اور کمزور ملکوں کو دبانا اپنا حق جانتے ہیں۔ ان ممالک کی اسلحہ سازی کی صنعت

Marfat.com

تب ہی چل سکتی ہے جب دنیا میں خوف ودہشت کا ماحول برقرار رہے اور ایک ملک کی دوسرے ملک سے ان بن جاری رہے۔ یہ ممالک دوسروں کو تو امن کی تلقین کرتے ہیں مگر خود دہشت گردی اور تشدد کو بڑھاوا دیتے ہیں۔ امن کے ان خود ساختہ ٹھیکیداروں کو سب سے زیادہ عالمی بدامنی کی ضرورت ہے۔ جب تک دنیا میں بدامنی رہے گی، ان کی ہتھیاروں کی صنعت پھلتی پھولتی رہے گی۔ اس کے بغیر انکی معاشی حالت بگڑ جاتی ہے۔

سارے جہاں کو امن کی تعلیم کرے گا
پھر سب کے بیچ اسلحے تقسیم کرے گا

دنیا کی تباہی کا انتظام

اوپر جن ایٹمی ہتھیاروں کی تفصیلات درج کی گئیں انکی مقدار اتنی ہے کہ اگر انھیں کبھی استعمال کیا گیا تو کئی بار اس دنیا کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ ان کی مدد سے یہ دنیا کئی بار ویران کی جا سکتی ہے اور اسکی فضاؤں کو زہر آلود کیا جا سکتا ہے۔ زمین ایسی بنجر ہو سکتی ہے کہ پیڑ پودے اور سبزے اگانے کے لائق نہ بچے۔ اس سرزمین سے انسان ہی نہیں جانور اور درخت تک ختم ہو جائیں۔ یہ تو صرف ایٹمی ہتھیاروں کی تفصیلات تھیں ان کے علاوہ دیگر اسلحوں کی بھی کمی نہیں۔ سبھی ملکوں کے اسلحہ خانوں میں ایک سے بڑھ کر ایک ہلاکت خیز ہتھیار موجود ہیں، مگر اس کے باوجود ہلاکت خیزی کا جنون اپنے نقطۂ عروج پر پہنچنا باقی ہے۔ اس وقت ان سے بھی زیادہ ہلاکت خیز ہتھیار بنانے کی کوشش جاری ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ ایسے ہتھیار بھی بنائے جا چکے ہیں جو سیٹیلائٹس کو ناکارہ بنا سکتے ہیں، یعنی موبائل، فون، انٹرنیٹ اور دیگر آلاتِ ترسیل کو پہلے بیکار کیا جائے گا پھر لوگوں کو مارا جائے گا۔ ہتھیاروں کی یہ دوڑ کہاں تک جائیگی، کچھ کہا نہیں جا سکتا۔

شاید خدا بنائے گا کوئی نیا جہاں
دنیا کو یوں مٹائے گی اکیسویں صدی

Marfat.com

سماجی دہشت گردی

سماج میں تشدد برپا کرنا اور لوگوں کو خوف وہراس میں مبتلا کرنا بھی دہشتگردی ہے۔ ہمارے سماج میں، ہمارے آس پاس اس قسم کی وارداتیں آئے دن ہوتی رہتی ہیں، کچھ بڑی وارداتیں پولس اور میڈیا تک پہنچ جاتی ہیں، مگر بیشتر وارداتیں خبر نہیں بن پاتیں۔ سماجی دہشت گردی ساری دنیا میں عام ہے، ہر ملک میں اس قسم کی وارداتیں وقوع پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ اسکی ایک چھوٹی سی مثال امریکا سے ہے۔ اس رپورٹ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا کے انتہائی پرامن ملک امریکا میں جب ایسے حالات ہیں تو ان ملکوں کی کیا حالت ہوگی جہاں کوئی مستقل حکومت نہیں یا جہاں خانہ جنگی کی صورتحال ہے۔ امریکا کے عوام اپنے حقوق کے تئیں زیادہ حساس ہیں اور واقفیت رکھتے ہیں، یہاں سو فیصد تعلیمی تناسب ہے، باوجود اسکے جرائم اور تشدد کے معاملے میں بھی وہ بہت آگے ہے۔ سنٹر فار ڈیزیز کنٹرول اینڈ پریونشن (SFDCP) کی ایک سروے رپورٹ کے مطابق دنیا کے سب سے مہذب اور ترقی یافتہ ملک، ایٹمی سپر پاور امریکا میں بیس فیصد عورتیں عصمت دری کا شکار ہوتی ہیں اور پچیس فیصد عورتوں کو تشدد کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ اسی فیصد عورتیں پچیس سال سے کم عمر میں پہلی بار جنسی تشدد کا نشانہ بنتی ہیں۔ ان میں ایسی عورتوں کی بھی کمی نہیں جو اپنے قریبی رشتے داروں یا پارٹنرس کے ہاتھوں ہی اپنی عصمت گنواتی ہیں۔ الاسکا، یگان اور نیواڈہ میں سب سے زیادہ تشدد اور عصمت دری کے معاملے دیکھنے کو ملے۔ ہر آٹھ میں سے ایک عورت کا کہنا تھا کہ اسکے گھریلو فرد نے ہی اسے لقمۂ تر سمجھ کر ہوس کا شکار بنایا۔ اسی طرح ہر اے میں سے ایک مرد کا کہنا تھا کہ اسے غیر فطری جنسی عمل کا شکار ہونا پڑا۔ ہر سات میں سے ایک مرد کو زندگی میں کم سے کم ایک بار اپنے قریبی پارٹنر کے ہاتھوں جسمانی تشدد کا شکار ہونا پڑا۔ اس رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے امریکہ کی وزیر برائے صحت وانسانی خدمات کتھلین سی بکولس نے کہا ہے کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ لاکھوں امریکیوں کی زندگی کن تباہ کن حالات سے دوچار ہے۔ (اس رپورٹ کو دنیا کے مختلف اخباروں نے شائع کیا ہے۔ انٹرنیٹ پہ بھی موجود ہے۔)

Marfat.com

دہشت گردی قیامت کی علامت

دہشت گردی تقریباً ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور یہ سماج میں مختلف سطحوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ کہیں چھوٹی چھوٹی تنظیمیں اور افراد دہشت کا بازار گرم کر رہے ہیں تو کہیں حکومتیں اس کا ارتکاب کر رہی ہیں۔ دنیا بہت تیزی سے ہلاکت و بربادی کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اہل تصوف اسے قیامت کی نشانی قرار دیتے رہے ہیں۔ چشتی سلسلے کے مشہور صوفی حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمہ کے ملفوظات سے کچھ حصے ملاحظہ ہوں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا آخری زمانے میں گناہ کثرت سے ہونگے۔ مکہ کو وحشی لوگ ویران کریں گے۔ مدینہ منورہ قحط سے ویران ہوگا، وہاں خلقِ خدا بھوک سے مرجائیگی۔ بصرہ، عراق اور مشہد شراب خوری کی بدولت اور عورتوں کی بد اعمالی سے برباد ہونگے۔ شام بادشاہ کے ظلم سے تباہ ہوگا۔ روم کثرت لواطت سے ویران ہوگا۔ آسمان سے ہوا چلے گی آدمی موت کی نیند سو جائینگے۔ خراسان اور بلخ تاجروں کی خیانت سے تباہ ہونگے، انکی بد بختی کی بدولت مسلمان لقمۂ اجل ہوجائینگے۔ حضرت خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنا ہے کہ خوارزم اور اس کے گرد و نواح کے شہر راگ و رنگ اور منکرات کی بدولت تباہ ہونگے۔ وہ ایک دوسرے کو ہلاک کرتے ہوئے، ہلاک ہوجائیں گے۔ سیوستان مصائب اور زلزلوں سے تباہ ہوگا۔ مصری عورتوں کو قتل کرینگے کہ یہ فاطمہ ہے۔ یہ لوگ اللہ کے قہر سے زمین میں دھنس جائیں گے۔ ہند اور سندھ شراب خوری اور کثرت زنا سے تباہ ہونگے۔''

(انیس الارواح مجلس۔۳)

بغداد، دلی، ماسکو، لندن کے درمیاں
بارود بھی بچھائے گی اکیسویں صدی

Marfat.com

اوپر کے الفاظ ایک صوفی کی زبان سے ادا ہوئے ہیں، اور شاید مستقبل کی تصویر بھی ہیں۔ دنیا میں جو تباہی اور بربادی آنے والی ہے ممکن ہے وہ انھیں ایٹمی ہتھیاروں کے ذریعے آئے، جنھیں انسان نے اپنی ہلاکت کے لئے خود ہی بنایا ہے۔ گناہوں کے ذریعے شہروں اور ملکوں کے تباہ ہونے کے قصے آسمانی صحیفوں اور تاریخی کتابوں میں بیان ہوتے رہے ہیں، اگر یہ دنیا ایک بار پھر ہلاکت خیز ہتھیاروں کی بدولت تباہ ہو جائے تو حیرت نہیں ہونا چاہئے۔ خواجہ عثمان ہارونی نے اس مجلس کے اخیر میں جو الفاظ کہے وہ بھی قابل توجہ ہیں۔ فرمایا:

> ''اے درویش! انسان کو چاہئے کہ اس زمانہ کو قریب جان کر آخرت کا سامان تیار کرے۔''

اس آخری جملے کے بعد اس بات کے امکانات اور بھی بڑھ جاتے ہیں کہ وہ بربادی کا وقت زیادہ دور نہیں۔ کیونکہ ایک صوفی کی مستقبل بین نگاہوں سے مستقبل پوشیدہ نہیں۔ اللہ والوں کی زبان سے نکلنے والے الفاظ لوح محفوظ کی عبارت کی طرح ہوتے ہیں۔

جو شب کو کہہ دیا دن ہے تو دن نکل آیا
جو دن کو کہہ دیا شب ہے تو رات ہو کے رہی

جیو اور جینے دو

دنیا کا سب سے پہلا دستور ہے جیو اور جینے دو۔ یہ حق سب کا ہے۔ پورے مہذب سماج کا ہے۔ اس حق کے بغیر کوئی سماج وجود میں نہیں آسکتا۔ انسانی تمدن کی بنیادی اینٹ ہی خون انسانی کا احترام ہے۔ انسان، دوسرے انسان کی جان کا احترام کرے یہ ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ آدمی کسی بھی مذہب، کسی بھی رنگ و نسل کسی بھی علاقے کا ہو اس کا حق ہے کہ وہ زندہ رہے، جب تک کہ اس نے خود اس دستور کو نہ توڑا ہو اور دوسروں سے ان کے جینے کا حق نہ چھینا ہو۔ آج کی مہذب دنیا کا ہر قانون آدمی کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے۔ سماج کے اس اصول کو توڑنا اور کسی سے

Marfat.com

اس کے جینے کا حق چھیننا انتہائی سنگدلی اور بے رحمی ہے۔ جو انسان ایسی حرکت کا ارتکاب کرتا ہے وہی دہشت گرد ہے اور وہ اس سماج میں رہنے کے لائق نہیں۔ دنیا کے قوانین انسان کو دہشت گردی سے بزورِ قوت (BY FORCE) روکتے ہیں، مگر تصوف اس کی ایسی تربیت کرتا ہے کہ وہ اس قسم کے ظالمانہ کاموں کی طرف مائل ہی نہ ہو۔

انسانی جان کے احترام کی تعلیم

بیماری جتنی بڑی اور سنگین ہوتی ہے اس کا علاج بھی اتنا ہی اہم ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا علاج بھی بڑے پیمانے پر ہو۔ چونکہ دہشت گردی سے کوئی بھی ملک اچھوتا نہیں لہٰذا اس کے تدارک کی کوشش بھی بڑے پیمانے پر ہونی چاہئے۔ دہشت گردی کا اصل سبب ہے انسان کے دل کا خوفِ خدا سے خالی ہونا۔ جس کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اسی طرح آخرت کے تصور کا واضح نہ ہونا۔ تصوف کا اصل میدان ہے انسان کے دل میں اس کے پیدا کرنے والے کی معرفت (KNOWLEDGE OF GOD) جگانا، اس کے مالک کی پہچان کرانا۔ کچھ لوگ اس راستے پر آبلہ پائی کرتے ہیں مگر کچھ اس جانب توجہ ہی نہیں کرتے۔ ظاہر ہے ایسے لوگ اپنے مقصدِ وجود سے بے خبر ہیں۔ دہشت گردی سے انسان کو روکنے کے لئے دنیا کے سبھی قوانین میں گنجائش رکھی گئی ہے، یہ قوانین سزا کا خوف دلا کر لوگوں کو دہشت گردی سے روکتے ہیں مگر تصوف انھیں ایسے گناہوں سے دور رکھنے کے لئے روحانی طور پر تیار کرتا ہے۔ وہ آدمی کے دل کے اندر انسانی جان کی صحیح قدر و قیمت کا احساس پیدا کرتا ہے۔ انسانی جان کے احترام کا جذبہ پیدا کرتا ہے، خونِ ناحق سے دور رہنے کی ترغیب دیتا ہے تاکہ جہاں پولس اور قانون موجود نہ ہوں، وہاں بھی آدمی کسی کا خون بہانے سے باز رہے۔ جتنی موثر تعلیم اس سلسلے میں صوفیاء کے ہاں دی جاتی ہے کسی دوسری جگہ نہیں دی جاتی۔ اگر انسان صرف قانون کے خوف سے انسانی جان کا احترام کرے تو جہاں سزا و قضا کا دستور نہ ہو وہاں وہ کیسے جرم کے ارتکاب سے

Marfat.com

باز رہ سکتا ہے؟ جہاں پولس اور عدالت نہ پہونچ سکتی ہوں وہاں کوئی جرم سے کیسے رک سکتا ہے؟ مگر اس سلسلے میں روحانی قانون ایسا ہے کہ اس کے اثر سے ہر جگہ انسانی جانیں محفوظ (SAFE AND SECURE) رہ سکتی ہیں۔ یہاں پولس اور قانون کا ڈر نہیں ہوتا، یہاں تو اللہ کا خوف ہوتا ہے جو ہر جگہ، ہر وقت موجود ہے۔ جسکے قانون کی نظر سے کوئی نہیں بچ سکتا، کہیں نہیں بچ سکتا۔ سات کمروں کے اندر چھپ کر بھی اگر جرم کرو تو بھی وہ دیکھ لیتا ہے۔ دنیا کے تمام قانونوں کی نظر سے بچنا ممکن ہے مگر اس کی نظر سے بچنا ممکن نہیں۔

تصوف کی نظر میں جو سب سے اعلیٰ قانون ہے وہ ہے قرآنی قانون۔ وہ قرآن جو کہ تصوف کی بنیاد ہے اور جس کی تلاوت ہر صوفی اللہ کی عبادت کے دوران کرتا ہے۔ قرآنی دستور میں انسانی جان کے احترام کی جو باتیں موجود ہیں وہ دنیا کے کسی بھی قانون میں موجود نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہو:

> ''اسی بنا پر ہم نے بنی اسرائیل کو یہ لکھ کر دے دیا کہ جو کوئی کسی کی جان لے ،بغیر اس کے کہ اس نے کسی کی جان لی ہو، یا زمین میں فساد برپا کیا ہو، تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا، اور جس نے کسی کی جان بچائی تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچایا۔ ان لوگوں کے پاس ہمارے رسول کھلی ہدایتیں لے کر آئے مگر اس کے بعد ان میں سے بہت ایسے ہیں جو زمین میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔''
>
> (مائدہ،۳۲)

یہ صرف صوفیہ کا قرآنی دستور ہے جو ایک جان کے قتل کو تمام انسانوں کا قتل بتاتا ہے، اور ایک جان کی حفاظت کو پوری انسانیت کی حفاظت بتاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ صوفیہ کی تعلیم میں سب سے زیادہ زور انسانی جان کے احترام پر دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں کئی حدیثیں بھی اہل تصوف پیش کرتے ہیں، جن میں سے ایک مشہور حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

Marfat.com

''سب سے بڑے گناہوں میں سے ہے اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور کسی کی جان لینا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹ بولنا۔''

اسی طرح عرب میں اولاد کا قتل بھی ہوتا تھا۔ یہ قتل انھیں کھلانے پلانے کے ڈر سے ہوتا تھا جسے قرآن نے منع کیا اور اور کہا کہ:

''اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم جہاں تمہیں روزی دیتے ہیں وہیں انھیں بھی روزی دیتے ہیں۔'' (انعام۔۱۵۱)

یہ قتل بھی زیادہ سنگین قتل ہے والدین جو اپنے بچوں کی زندگی کا سبب بنتے ہیں جب وہی اپنے بچوں سے زندگیاں چھیننے لگیں تو کون انھیں بچا سکتا ہے۔ خونخوار جانور بھی اپنے بچوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اسے والدین کی سنگدلی ہی کہا جائے گا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بچوں کی زندگی ختم کردیں۔ آج کل شکم مادر میں بچیوں کی شناخت کرکے ان کے قتل کا سلسلہ چل رہا ہے۔ جو انتہائی سنگین جرم ہے، مگر اس کا تدارک نہ تو قانون کر پا رہا ہے اور نہ ہی پولس اور حکومت۔ اگر ہر انسان کے دل میں احترام انسانی کا جذبہ پیدا ہو جائے تو اسے روکا جا سکتا ہے۔ اسکی روک تھام کے لئے کی جانے والی اب تک کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہو چکی ہیں، کاش ایک کوشش ایسی بھی ہو، جس کی بنیاد روحانیت پر ہو۔ جنین کشی (FOETICIDE) دہشت گردی کی بدترین شکل ہے اور اس طریقے سے ہر سال صرف بھارت اور چین میں کئی کروڑ جانیں لے لی جاتی ہیں۔ اس جرم نے ان ملکوں میں کئی سماجی مسائل کھڑے کردیئے ہیں، جو دن بدن مزید سنگینی اختیار کرتے جارہے ہیں۔

کسی کو تکلیف نہ دو

دہشت گردی ایک خطرناک قسم کی انسانیت سوز حرکت ہے۔ یہ کسی ایک فرد کی طرف سے ہو یا حکومت کی طرف سے دونوں ہی بری ہیں، لیکن حکومت کی دہشت گردی زیادہ بری ہے کہ

Marfat.com

اس کے اثرات زیادہ بھیانک اور دوررس ہوتے ہیں۔ایک انسان اگر کسی کا قتل کرتا ہے تو ایک انسان مرتا ہے مگر ایک ملک کی حکومت اگر دہشت گردی پر اترتی ہے تو قومیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ جاپان کے ہیروشیما اور ناگاساکی پر امریکہ کے ذریعے ہونے والے ایٹمی حملے کے اثرات آج بھی نظر آتے ہیں۔لاکھوں لوگوں کی اب تک موت ہو چکی ہے اور بے شمار افراد نا قابل بیان امراض کے شکار ہو کر جینے پر مجبور ہیں۔انسان کے اندر اگر انسانی جان کے احترام کا جذبہ پیدا ہو جائے اور مرنے کے بعد جوابدہی کا احساس جاگ جائے تو شاید وہ لاکھوں انسانوں کی جانیں نہ لے۔ دنیا کے تمام انسان ملکر آج تک ایک آدمی کو پیدا نہیں کر سکے،مگر چند لوگ اپنی دہشت گردی سے ان گنت زندگیاں تباہ کر چکے ہیں۔کاش انھیں صوفیوں کے نظریات سے کچھ حصہ مل جائے اور انکی زندگی سے کچھ سبق مل جائے۔

حضرت امام محمد غزالی علیہ الرحمہ تحریر کرتے ہیں:

''رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے، جنت میں رحم کرنے والا ہی داخل ہوگا، صحابہ نے کہا ہم سب رحم کرنے والے ہیں، آپ نے فرمایا رحم کرنے والا وہ نہیں جو اپنے آپ پر رحم کرے بلکہ رحم کرنے والا وہ ہے، جو اپنے آپ پر اور دوسروں پر رحم کرے۔'' (مکاشفۃ القلوب، باب۔۱۸)

امام غزالی علیہ الرحمہ آگے تحریر فرماتے ہیں:

''حضور ﷺ نے فرمایا جب یتیم کو دکھ دیا جاتا ہے تو اس کے رونے سے عرش الٰہی کانپ جاتا ہے اور رب ذوالجلال فرماتا ہے اے فرشتو! اس یتیم کو جس کا باپ منوں مٹی تلے دفن ہو چکا ہے، کس نے رلایا۔'' (مکاشفۃ القلوب، باب۔۱۸)

''فرمان نبوی ہے جو کسی بھوکے کو کھانا کھلاتا ہے اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے اور جس نے کسی بھوکے سے کھانا روک لیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص سے اپنا فضل و کرم روک لے گا۔'' (مکاشفۃ القلوب، باب۔۱۸)

Marfat.com

شیخ ابوعبداللہ بلیانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

''درویشی صرف شب بیداری، نماز روزہ ہی نہیں ہے بلکہ یہ سب تو بندگی کے اسباب ہیں۔ درویشی یہ ہے کہ کسی کو تکلیف نہ دینا، اگر تجھے یہ بات حاصل ہو جائیگی تو واصل بن جائیگا۔'' (نفحات الانس، صفحہ ۴۸۸)

خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

''جب کوئی پیاسے کو پانی پلاتا ہے، اس وقت اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، وہ ایسا ہوتا ہے جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو، اگر وہ مر جائے تو اس کا شمار شہداء میں ہوگا۔ پھر فرمایا جو شخص بھوکے کو کھانا کھلائے اللہ اسکی ہزار ضرورتوں کو پورا کرتا ہے اور جہنم کی آگ سے اسے آزاد کرتا ہے اور جنت میں اسکے لئے محل مخصوص کرتا ہے۔'' (انیس الارواح، مجلس۔۱۰)

انسانوں اور جانوروں پر رحم وکرم کے بے شمار واقعات صوفیہ کے تذکروں میں ملتے ہیں ان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جانداروں پر رحم صوفیہ کے لئے کتنا اہم کام ہے۔ حضرت ابرہیم بن ادہم علیہ الرحمہ دوسری صدی ہجری کے مشہور صوفی ہیں، جنھوں نے بادشاہت چھوڑ کر فقر وفاقہ کے راستے کو اپنا لیا تھا۔ محنت مزدوری سے حاصل شدہ کمائی راہ خدا میں خرچ کرنا پسند کرتے تھے اور مخلوق پر رحم وکرم کرنا انھیں محبوب تھا۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم قشیری لکھتے ہیں:

''سہل بن ابراہیم کہتے ہیں، میں ابراہیم بن ادہم کی صحبت میں رہا۔ ایک بار بیمار پڑ گیا۔ انھوں نے تمام سرمایہ میری تیمارداری پر خرچ کر ڈالا۔ مجھے کچھ کھانے کی خواہش ہوئی تو انھوں نے اپنا گدھا بیچ کر اسکی قیمت مجھ پر خرچ کر دی۔ جب میں روبصحت ہوا تو پوچھا، ابراہیم گدھا کہاں ہے؟ فرمایا بیچ دیا۔ میں نے کہا اب میں کس پر سوار ہونگا؟ جواب دیا، میرے بھائی میری گردن پر، اور آپ مجھے اٹھا کر تین منزل تک لے گئے۔'' (ترجمہ رسالہ قشیریہ، صفحہ۔۱۲۴)

Marfat.com

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اپنے ایک مکتوب میں رحم ومہربانی کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''حق تعالیٰ کی خوشنودیوں میں کوشش کرنا چاہئے اور مخلوق خدا پر رحم کرنا چاہئے۔اللہ کے حکم کی تعظیم کرنا اور اللہ کی مخلوق پر شفقت کرنا یہ دونوں آخرت کی نجات کے لئے اصلِ عظیم ہیں۔'' (مکتوبات مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۹۸)

تصوف میں بس رحمت ہی رحمت ہے۔ کرم ہی کرم ہے۔ مروت ہی مروت ہے۔ اخلاق ہی اخلاق ہے۔تصوف میں انسان تو انسان، جانوروں کو بھی تکلیف پہونچانے کی اجازت نہیں تو پھر انسان کی قیمتی جان لینے کی اجازت کیونکر ہو سکتی ہے۔ یہاں تو بس رحم ہی رحم ہے۔ مہربانی ہی مہربانی ہے۔ بھوکوں کو کھانا کھلانے والا جنت کا حقدار ہو جاتا ہے، اللہ کے بندوں کو پانی پلانے والا حوضِ کوثر کا مالک بن جاتا ہے، اور اسکے بندوں پر ظلم کرنے والا اسکے غضب وجلال کو دعوت دیتا ہے۔ یہاں کسی جانور کے ساتھ بھی بے رحمانہ برتاؤ کی اجازت نہیں۔ جب رحم وکرم کی اتنی فضیلت ہے تو یہاں دہشت گردی کے لئے کہاں جگہ بچتی ہے۔انسان کو یہاں اللہ کی فیملی کا ممبر سمجھا جاتا ہے، وہ کسی بھی مذہب، ذات، نسل، علاقے اور رنگ کا ہو، اس کا شمار عیال اللہ میں ہوتا ہے لہٰذا وہ انسانی ہمدردی کا حقدار ہے، اس پر مہربانی کی جانی چاہئے۔مخلوق پر مہربانی، خالق کی مہربانی کو دعوت دیتی ہے۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

ظلم کی ممانعت

تصوف میں ظلم کی سخت ممانعت ہے صوفیہ کے ملفوظات اور انکی کتابیں اسکی مذمت سے بھری پڑی ہیں۔امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مقبول عام تصنیف مکاشفۃ القلوب میں ظلم کی

Marfat.com

برائی بیان کرتے ہوئے عربی کے کچھ اشعار نقل کئے ہیں، جن کا مفہوم ہے، جب تو صاحب اقتدار ہوتو کسی پر ظلم نہ کر کیونکہ ظلم کا انجام شرمندگی ہے۔ تیری آنکھیں سوئیں گی مگر مظلوم کی آنکھیں جاگ کر تیرے لئے اللہ تعالیٰ سے بددعاء کریں گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کبھی سوتا نہیں۔ امام محمد غزالی علیہ الرحمہ نے اپنی تصنیفات میں ظلم کے خلاف کئی واقعات بھی درج کئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

''وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کسی ظالم بادشاہ نے شاندار محل بنوایا ۔ایک مفلس بڑھیا آئی اور اس نے محل کے پہلو میں اپنی کٹیا بنالی، جس میں وہ سکون سے رہتی تھی ۔ایک مرتبہ ظالم بادشاہ نے سوار ہوکر محل کے ارد گرد چکر لگایا تو اسے بڑھیا کی کٹیا نظر آئی، اس نے پوچھا کس کی ہے؟ کہا گیا ایک بڑھیا ہے جو اس میں رہتی ہے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ اسے گرادو لہٰذا اسکے حکم سے گرادیا گیا۔ جب بڑھیا واپس آئی تو اس نے اپنی منہدم کٹیا کو دیکھ کر پوچھا کہ اسے کس نے گرادیا ہے؟ لوگوں نے کہا اسے بادشاہ نے دیکھا اور گرادیا۔ تب بڑھیا نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا اے اللہ اگر میں حاضر نہیں تھی تو، تو کہاں تھا؟ اللہ نے جبریل کو حکم دیا کہ محل کو اس کے رہنے والوں پر الٹ دو اور الٹ دیا گیا۔''

(مکاشفۃ القلوب، باب ۵۴)

ظلم کا انجام بھیانک ہوتا ہے اور تصوف انسان کے ذہن میں اسکی خرابی کو بیٹھاتا ہے۔ دنیا کی تعلیم اس کی سماجی خرابیوں کی طرف اشارہ کرتی ہے مگر تصوف کی تعلیم اس کی اصل خرابی کو سامنے لاتی ہے۔ جب تک انسان کے ذہن میں اس کی اخروی خرابی نہیں بیٹھتی ہے وہ ظلم سے باز نہیں آسکتا۔ اس کے لئے آخرت پر پختہ یقین ضروری ہے۔

آج کل مختلف سرکاروں کی طرف سے عوامی زمین جائداد کی اکویزیشن عام بات ہے ۔قیمتی زمین کے ٹکڑوں کو اونے پونے داموں پر خرید لیا جاتا ہے اور پھر انھیں مہنگی قیمت پر سرمایہ داروں کو فروخت کیا جاتا ہے۔ اس میں وزراء بھی خوب کمیشن کھاتے ہیں۔ یقیناً یہ بھی ظلم ہے اور

Marfat.com

اس طرح کے اقدامات جہاں مختلف قسم کے سماجی مسائل (SOCIAL ISSUES) کو جنم دیتے ہیں وہیں اللہ کے عذاب کا سبب بھی بنتے ہیں۔

لوگ ٹوٹ جاتے ہیں ایک گھر بنانے میں
تم ترس نہیں کھاتے بستیاں جلانے میں

حضرت سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ جل شانہٗ اپنے بندوں کو ظلم اور تعدی سے ہٹا کر مہربانی اور عدل واحسان کے راستے کی طرف بلاتا ہے اور قوموں کی برائیوں اور اعمال کی رسوائیوں سے منع کرتا ہے۔ خاص طور پر بادشاہوں اور حاکموں کو جو اس عبادت کے واسطے مامور کئے گئے ہیں، ان حقوق کے ادا کرنے پر پوچھے جائیں گے۔''

(ذخیرۃ الملوک، باب پنجم، صفحہ ۱۶۳)

عوام پر کسی قسم کا ظلم صوفیوں کی نظر میں اللہ کی مرضی کے خلاف ہے۔ اس بارے میں ظالم سے تو آخرت میں پوچھ تاچھ ہوگی ہی، ساتھ ہی ان بادشاہوں اور حاکموں کی بھی گرفت ہوگی جو اقتدار پر قابض ہیں اور عوام کو ظلم سے نہیں بچاتے۔

جانوروں کی جانوں کا احترام

انسانی جان کا احترام تو بڑی بات ہے، تصوف میں تو یہ معاملہ ہے کہ جانوروں کو بھی نقصان نہیں پہونچا سکتے کیونکہ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ ایک جانور کو ضائع کرنا ایسا ہے گویا خانہ کعبہ کو ویران کرنا۔ ذرا خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمہ کے ملفوظات سے ایک عبارت ملاحظہ فرمائیں:

''جو شخص خواہش نفس کے لئے جانور تلف کرے گویا اس نے خانہ کعبہ ویران کرنے کی کوشش کی۔ مگر جہاں جانور ذبح کرنا ہے وہاں ذبح کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ حاجی شرف زندانی کا ارشاد ہے، مجھے ستر سالہ بزرگ ملے ان کا کہنا تھا کہ

Marfat.com

انھوں نے کبھی کوئی جانور ذبح نہیں کیا۔ پھر فرمایا، فرمان مصطفوی ﷺ ہے جس شخص نے کسی جانور کو آگ میں پھینکا یا بے رحمی سے مار ڈالا اس کا کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا لگا تار دو ماہ کے روزے لکھے۔،،

(انیس الارواح، مجلس۔۱۱)

معتبر عالم اور صوفی امام محمد غزالی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

" فرمان حضور انور ﷺ ہے، مسلمان وہ ہے جسکے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہیں، اور جانوروں پر رحم کرے، ان سے انکی طاقت کے مطابق کام لے۔،،

(مکاشفۃ القلوب، باب۔۱۸)

اب ذرا سوچئے کہ جہاں جانوروں کو بلا ضرورت ذبح کرنے کی اجازت نہیں اور انھیں کسی قسم کی تکلیف دینا جائز نہیں بلکہ ایک قابل مواخذہ جرم (CRIME) ہے، وہاں انسانوں کو قتل کرنے یا ایسا ہتھیار بنانے کی کیسے اجازت ہوسکتی ہے، جو انسانی نسل کو ہی ہلاکت میں ڈالنے والا ہو۔ یہاں تو جانوروں پر رحم کئے بغیر ایک آدمی مکمل مسلمان نہیں ہوتا پھر انسان کی جان کی کتنی قدر و قیمت ہوگی اس کا اندازہ لگانا مشکل نہ ہوگا۔ جانوروں پر رحم کرنا کتنا بڑا ثواب کا کام ہے اس کا اندازہ امام غزالی علیہ الرحمہ کی ایک تحریر سے ہوتا ہے:

"حضور ﷺ کا فرمان ہے، ایک شخص سفر میں جارہا تھا کہ اسے راستے میں سخت پیاس لگی۔ اسے قریب ہی ایک کنواں نظر آیا۔ جب کنویں سے پانی پی کر چلا تو دیکھا، ایک کتّا پیاس کے مارے زبان باہر نکالے پڑا ہے۔ اسے خیال آیا کہ اسے بھی میری طرح پیاس لگی ہوگی۔ وہ واپس گیا۔ منہ میں پانی بھر کر کتے کے پاس آیا اور اسے پلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی رحم کی بدولت اس کے گناہوں کو معاف کر دیا۔

صحابہ نے سوال کیا یا رسول اللہ! جانوروں پر مہربانی کرنے سے ہمیں ثواب ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہر ذی روح پر شفقت کا اجر ملتا ہے۔،، (مکاشفۃ القلوب، باب۔۱۸

Marfat.com

جہاں ایک کتے پر مہربانی کے سبب زندگی بھر کے گناہوں کی مغفرت ہو جائے، جہاں ایک جانور سے اسکی طاقت سے زیادہ کام لینے کی اجازت نہ ہو، جہاں جنت میں داخلے کے لئے رحم دلی کی شرط ہو وہاں انسان کی جان کا احترام کس قدر ہوگا، یہ بات یقیناً سوچنے والی ہے۔ تصوف کا سبق صرف یہ نہیں کہ انسان اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت کرے، اس کا سبق یہ بھی ہے کہ وہ کسی بھی جاندار کو تکلیف نہ پہونچائے۔ اس عمل کے ذریعے بھی بندوں کو اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ اہلِ تصوف سب سے زیادہ زور دیتے ہیں معرفتِ الٰہی پر۔ کیونکہ وہ انسان کے وجود کا مقصد ہی اپنے خالق و مالک کی معرفت قرار دیتے ہیں۔ صوفیہ اپنے مریدین کی تربیت اسی نہج پر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے جو دل عرفانِ الٰہی سے معمور ہوگا اس میں خدا کی تخلیق کو نیست و نابود کرنے کا خیال کبھی نہیں آئیگا۔ صوفیہ قلبِ انسانی کو انوارِ الٰہی کا مرکز اور تجلیاتِ الٰہی کا مسکن تصور کرتے ہیں، اور جس انسان کا تھوڑا سا بھی تصوف سے لگاؤ ہوگا اور اس بات پر یقین رکھتا ہوگا وہ مرکزِ انوارِ الٰہی اور مسکنِ تجلیاتِ خدائی کو تباہ نہیں کریگا۔ قرآن کا فرمان بار بار پڑھیے:

"جس نے ایک انسان کا قتل کیا گویا اس نے تمام انسانوں کو مار ڈالا۔"

○○○

Marfat.com

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نے فرمایا۔۔

یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ باطن ذکرِ الٰہی سے معمور ہو اور ظاہر احکامِ شرعی سے آراستہ ہو۔

(مکتوباتِ امام ربانی، حصہ ۷۔ دفتر ۲۔ مکتوب ۷۹)

Marfat.com

گھر میں کسی کے دانہ برسے
اور کوئی دانے کو ترسے
تھوڑا سا احساس کا پانی
مانگ رہاتھا اِک پتھر سے
فاروقؔ سیوانی

Marfat.com

بدعنوانی کے خاتمے میں
تصوف کا کردار

تمہارے شہر کا منظر بڑا عجیب لگے
نہ کوئی دوست لگے نہ کوئی رقیب لگے
امیرِ شہر کو برگر بھی بدمزہ سا لگے
فقیرِ شہر کو روکھا ملے، نصیب لگے

مادہ پرستی کی کوکھ سے کئی مسائل جنم لیتے ہیں، مگر عہد حاضر کی ایک سچائی ہے کہ آج کے بیشتر مسائل کی جڑ مادہ پرستی (MATERIALISM) ہی ہے۔ دہشت گردی، تشدد، قتل

Marfat.com

وخونریزی، عالمی معاشی بحران ،ڈکٹیٹر شپ ،بدعنوانی، رشوت ستانی، اخلاقی بگاڑ اور دوسری کئی خرابیوں کی بنیادی وجہ یہی مادہ پرستی ہے۔ایک ملک پر دوسرے ملک کا حملہ کیوں ہوتا ہے؟ یقیناً اس کے اسباب ووسائل پر قبضے کے لئے ،وہاں دستیاب تیل اور دیگر قیمتی ذخائر کو اپنے استعمال میں لانے کے لئے۔ایک ملک پر قبضے کے لئے تشدد کا سہارا لیا جاتا ہے،اور پھر اس قبضے کو ختم کرانے کے لئے ایک لمبی جدو جہد ہوتی ہے، جو تشدد سے بھری ہوتی ہے۔اس جنگ میں قتل و خونریزی کے وہ مناظر بھی سامنے آتے ہیں جنھیں دیکھ کر شیطان بھی شرمندہ ہو جائے ،مگر انسان کو اس میں کوئی برائی نہیں نظر آتی۔

کیسا یہ کردار کیا ہے
شہروں کو مسمار کیا ہے

یہ حالات معصوم ذہنوں کو بھی متاثر کئے بغیر نہیں رہتے۔اس ماحول میں پرورش پانے والے بچے اس کے عادی ہو جاتے ہیں اوران کے لئے تشدد (VIOLANCE) کا کوئی مطلب نہیں رہ جاتا۔نہ وہ مرنے سے ڈرتے ہیں اور نہ ہی مارنے سے۔افغانستان، فلسطین اور کئی افریقی مما لک میں لگ بھگ یہی صورت حال ہے۔ہلاکت خیز ہتھیار یہاں کے بچوں کے لئے کھلونوں کی طرح ہیں ،اور ظاہر ہے کہ جنگوں کے بیچ ہوش سنبھالنے والوں، ٹینکوں پر کھیل کر جوان ہونے والوں کے لئے پر تشدد ماحول ایک عام سی بات ہوگی۔ایک مادہ پرستی ،مگر اس کی کوکھ سے جنم لینے والے مسائل ان گنت۔اسی طرح عوام پر انکی مرضی کے خلاف حکومت یعنی ڈکٹیٹر شپ اور جمہوریت میں بدعنوانی کے پیچھے بھی یہی سوچ ہوتی ہے کہ آدمی دولت اور سونے چاندی کے انبار لگاتا جائے۔کبھی انسان کے ذہن میں یہ خیال نہیں آتا کہ وہ اس بے انتہا دولت کا کیا کرے گا؟ وہ ھل من مزید کی چاہت میں بس دولت جمع کرتا جاتا ہے۔اِس کے لئے لاکھ اُسے غیر اخلاقی راستے اپنانے پڑیں۔لاکھ تشدد کا سہارا لینا پڑے ،لوگوں کے حقوق کی پامالی کرنی پڑے۔بلکہ کئی انسانوں کاقتل کرنا پڑے تو بھی وہ اس سے احتراز نہیں کرتا۔آج کل ساری دنیا میں ملٹی نیشنل کمپنیاں

Marfat.com

پھیلی ہوئی ہیں اور کاروبار کے نام پر لوٹ مچا رکھا ہے، مگر یہ سب کچھ دنیا کے لئے ایک عام بات ہے اور یہ سب بدعنوانی کی مختلف شکلیں ہیں۔

غریبی کیوں ہمارے شہر سے باہر نہیں جاتی
امیرِ شہر کے گھر کی ہر اِک شادی بتاتی ہے

بدعنوانی ایک عالمی مسئلہ

مادہ پرستی کا زور لگ بھگ ساری دنیا میں ہے اور انسان دولت کے لئے ہر کام کرنے کو تیار ہے۔ اسے اس بات کی قطعی فکر نہیں کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ درست ہے بھی یا نہیں! اسی لئے امانت داری کا تصور بھی ختم ہوتا جا رہا ہے۔ جو جس عہدے پر ہے وہ وہیں گڑبڑ گھوٹالے کر رہا ہے۔ بدعنوانی اور رشوت ستانی ہمارے سماج کے لئے اتنی عام بات ہوگئی ہے کہ اب کوئی اس کی پرواہ ہی نہیں کرتا۔ ترقی یافتہ ملکوں کے مقابلے ترقی پذیر ملکوں میں یہ زیادہ عام ہے۔ افریقہ کے غریب ممالک اور جنوبی ایشیاء میں تو اسے ایک صنعت کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ سیاست سے کھیل تک کوئی جگہ ایسی نہیں، جو بدعنوانی سے پاک ہو۔ بدعنوانی پر نظر رکھنے والی عالمی تنظیم ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل (TRANSPARENCY INTERNATIONAL) کی دسمبر ۲۰۱۱ میں جاری رپورٹ کے مطابق دنیا کے ۱۸۳ ملکوں میں بھارت کا بدعنوانی میں ۹۵ واں مقام ہے۔ نارتھ کوریا، صومالیہ، افغانستان، میانمار اور ازبکستان نمبروار دنیا کے سب سے کرپٹ ملک ہیں، جبکہ دنیا کے سب سے کم بدعنوان ملکوں میں نمبر ایک پر نیوزی لینڈ ہے، دوسرے پر ڈنمارک تیسرے نمبر پر فن لینڈ، چوتھے پر سویڈن اور پانچویں نمبر پر سنگاپور ہے۔ جرمنی ۱۴، جاپان ۱۷ اور امریکہ ۲۴ ویں مقام پر ہیں۔ بھارت کے پڑوسی ملکوں میں چین کا نمبر ۷۵ واں ہے۔ یعنی یہاں بھارت سے کم کرپشن ہے، جبکہ پاکستان کا نمبر ۱۳۴ واں ہے یعنی یہاں بھارت سے بھی زیادہ بدعنوانی ہے۔ گزشتہ سال بھارت بدعنوانی میں ۸۷ ویں مقام پر تھا، اب ۹۵ ویں مقام پر آ گیا ہے، یعنی

Marfat.com

سال بھر کے اندر یہاں بدعنوانی بڑھی ہے۔اس رپورٹ سے یہ بھی اندازہ ملتا ہے کہ جن ملکوں میں خانہ جنگی کی صورت حال ہے یا کوئی مستقل حکومت نہیں ہے وہاں بدعنوانی زیادہ ہے۔

آزاد بھارت میں بدعنوانی کی تاریخ

اگر دولت سے ہی سب قد کا اندازہ لگاتے ہیں
تو پھر اے مفلسی ہم داؤ پر کاسہ لگاتے ہیں

بھارت دنیا کے انتہائی بدعنوان ملکوں میں سے ایک ہے۔ یہاں آزادی کے بعد سے اب تک اربوں کھربوں روپے کی خرد برد ہو چکی ہے مگر آج تک اس معاملے میں کسی کو سزا نہیں دی گئی۔ وجہ صاف ہے کہ جنکے ہاتھوں میں ملک کا نظام ہے وہی سب سے بڑے بدعنوان ہیں۔ وہ اسے جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ اسی لئے وہ سیاست بھی کر رہے ہیں۔ سیاست انکے لئے صنعت سے زیادہ کچھ نہیں۔ بھارت میں اب تک کتنے گھوٹالے ہوئے ہیں، اس تعلق سے کوئی حتمی بات نہیں کہی جا سکتی، کیونکہ اب تک اس کی کوئی مجموعی انکوائری نہیں ہوئی ہے۔ البتہ آزادی کے بعد پہلا گھوٹالہ ۱۹۴۸ میں سامنے آیا۔ یہ تھا آرمی کے لئے جیپ خریداری میں گھپلہ کا معاملہ۔ اس میں کے۔ وی۔ کرشنا مینن کا نام سامنے آیا تھا جو کہ برطانیہ میں بھارت کے سفیر تھے، انھیں بعد میں پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی کابینہ میں وزیر بنا دیا تھا۔ یہ گویا کرپشن کا انعام تھا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں کی سرکاریں کرپشن کے خلاف لڑائی میں کبھی سنجیدہ نہیں رہیں۔ آزادی کے بعد جو دوسرا بڑا گھوٹالہ چرچے میں آیا وہ تھا، ہری داس مندھرا اسکنڈل۔ اس میں کلکتے کے ایک بڑے صنعت کار ہری داس مندھرا شامل تھے۔ اس میں تب کے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے داماد فیروز جہانگیر خاں عرف فیروز گاندھی کا بھی نام آیا تھا۔ تب فیروز گاندھی رائے بریلی کے ممبر پارلیمنٹ ہوا کرتے تھے۔ (انکی بیوی محترمہ اندرا گاندھی بھی بعد میں ملک کی وزیراعظم بنیں) مندھرا اسکنڈل کی انکوائری ریٹائرڈ جج ایم سی چھاگلہ نے کی تھی اور اس معاملے میں اس

Marfat.com

وقت کے وزیر خزانہ ٹی ٹی کرشنم چاری کو استعفیٰ دینا پڑا تھا۔اس کے علاوہ جو دوسرے گھپلے سامنے آئے ان میں مشہور کیسیز تھے، مدگل کیس (۱۹۵۱) مالویہ۔سراج الدین اسکنڈل (۱۹۶۳)اور پرتاپ سنگھ کیرون کیس (۱۹۶۳)۔

ایک بڑا معاملہ ۱۹۸۶ میں سامنے آیا، جب وزیر اعظم کے عہدے پر آنجہانی راجیو گاندھی فائز تھے یہ بوفورس گھوٹالہ تھا۔ہتھیاروں کی خرید (DEAL) میں بڑی بدعنوانی ہوئی تھی اور اس میں خود راجیو گاندھی کا نام گھسیٹنے کی کوشش ہوئی۔راجیو گاندھی کی اٹلی نژاد بیوی اور کانگریس صدر شریمتی سونیا گاندھی کا ایک رشتہ دار قواتروچی آج بھی اس کیس میں ماخوذ ہے۔اس کا چرچا اتنا زیادہ رہا کہ بعد کے الیکشن میں راجیو گاندھی کی پارٹی کانگریس آئی کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور ملک میں دوسری غیر کانگریسی حکومت وجود میں آئی۔ بعد کے دنوں میں تو گھوٹالوں کے پردہ فاش ہونے کی گویا لائن لگ گئی۔اتنے گھوٹالے سامنے آئے کہ عوام کو ان کے نام تک یاد نہیں رہے۔حوالہ گھوٹالہ، چارہ گھوٹالہ، تارکول گھوٹالہ، ہرشد مہتہ اسکنڈل، اسٹامپ پیپر گھوٹالہ، کامن ویلتھ گیم گھوٹالہ، منریگا گھوٹالہ، ٹو جی اسپکٹرم اسکنڈل، آدرش سوسائٹی اسکنڈل، کوئلہ گھوٹالہ، غیر قانونی کان کنی اور زمین گھوٹالہ وغیرہ وغیرہ۔صوبائی سرکاروں کے تحت ہونے والے گھوٹالے شمار سے زیادہ ہیں۔

گھوٹالے اور رشوت کا عادی ملک

اب گھوٹالے بھارت کے لئے اتنے عام ہو چکے ہیں کہ وزیر اعظم کے دفتر سے لے کر گاؤں کی پنچائت تک کوئی جگہ بھی گھوٹالوں سے اچھوتی نہیں بچی ہے۔روز کرپشن کے نئے نئے معاملے سامنے آرہے ہیں۔پنچایتی راج کا خواب، جس مقصد سے دیکھا گیا تھا وہ پورا ہوا ہو یا نہیں لیکن اس سے یہ ضرور ہوا کہ بدعنوانی اونچے محلوں سے نکل کر غریب کی کٹیا تک ضرور پہنچ گئی۔ اب بھارت کی عالمی حیثیت گھوٹالوں کے سپر پاور کی ہوگئی ہے۔ان گھوٹالوں کے علاوہ جس کرپشن سے عام وخاص کا لگ بھگ روزانہ سامنا ہوتا ہے وہ ہے رشوت خوری۔کوئی بھی سرکاری دفتر ایسا

Marfat.com

نہیں جہاں بغیر رشوت کے کام ہو جاتا ہو۔رشوت کی ایسی گرم بازاری ہے کہ اب اس میں نہ لینے والے عار محسوس کرتے ہیں اور نہ دینے والوں کو کسی قسم کی جھجک کا احساس ہوتا ہے۔رشوت کی لین دین کو سماجی طور پر قبول کرلیا گیا ہے۔

TRANSPARENCY INTERNATIONAL کی ۲۰۰۵ کی رپورٹ کے مطابق بھارت کے ۵۵ فیصد لوگ اپنے کام کرانے کے لئے رشوت دیتے ہیں۔اسی ادارے کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ یہاں کے ٹرک ڈرائیور سالانہ پانچ بلین ڈالر کی رشوت دیتے ہیں۔واشنگٹن کو مرکز بنا کر کام کرنے والی عالمی تنظیم گلوبل فائنیسل انٹگریٹی(GLOBAL FINANCIAL INTEGRITY)کے مطابق بھارت کے اب تک ۴۶۲ بلین ڈالر،کالی دولت میں خرچ ہوئے ہیں۔یہ ۱۹۴۸،اور ۲۰۰۸ کے دوران کے اعداد وشمار ہیں۔اسی ادارے کی رپورٹ مطابق بھارت کی انڈر گراؤنڈ معیشت ۲۰۰۸ تک ۶۴۰ بلین ڈالر تک پہونچ چکی ہے۔ انگریزی اخبار دی ہندو(THE HINDU)کے ایک مضمون کے مطابق سوئس بینک میں بھارتیوں کی ۲۰۰۶ تک جمع رقم ۱۴۵۶ بلین ڈالر تھی۔یہ جانکاری سوئس بینکنگ ایسوسی ایشن کے ذریعے فراہم کرائی گئی ہے۔

بدعنوان کو سزا نہیں

عہد حاضر میڈیا کا عہد ہے۔جب تک میڈیا اتنا فعال نہیں تھا یا آزاد الکٹرانک میڈیا کا وجود نہیں تھا،تب تک گھوٹالے سامنے نہیں آرہے تھے،مگر اب آئے دن نئے نئے گھپلوں اور گھوٹالوں کا میڈیا افشا کر رہی ہے۔حکومت کے ایوانوں میں بیٹھے لوگ عوام کی دولت کو لوٹ رہے ہیں اور بعض اس سلسلے میں جیل بھی جا چکے ہیں۔اسکی روک تھام کے لئے نئے نئے قوانین وضع کئے جا رہے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ قانون ساز ہی لٹیرے بھی ہیں۔یہی سبب ہے کہ تمام کوششوں کے باوجود اب تک گڑبڑ گھوٹالوں میں کوئی کمی نہیں آئی ہے اور نہ ہی کسی بدعنوان شخص کو کوئی سزا ملی ہے۔

Marfat.com

جھوٹوں کا سنسار لگے ہے
سنسد بھی بازار لگے ہے

حکومتیں چلانے والوں میں مرکز سے صوبوں تک ہر جگہ کرپٹ عناصر کا ہی دور دورہ ہے۔ یہی سبب ہے کہ اگر کوئی بدعنوانی سامنے آتی ہے تو حکومت میں بیٹھے لوگ ذمہ دار کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی کسی ملزم شخص کو جیل جانا پڑا یا قانونی مرحلوں سے گزرنا پڑا تو یہ عدالتی فیصلے سے ہی ممکن ہو پایا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ عدالتوں نے بھی اب تک کسی بدعنوان فرد کو کیفر کردار تک نہیں پہنچایا ہے۔ عموماً ایسے عناصر اپنے اثر ورسوخ کا استعمال کر کے بچ جاتے ہیں یا انکے ساتھ حکومت کی طاقت ہوتی ہے جسکی اندرونی مدد انکے شامل حال ہوتی ہے۔

غریبوں کے ملک میں عیش وعشرت

کھادی دھاری نیتا جب ہوئے
لوگ مارکین ہو گئے

آمدنی سے زیادہ دولت جمع کرنا بھارت کے سیاسی لیڈروں، بیوروکریٹ، سرکاری افسران کے لئے عام بات ہے۔ ایک محدود کمائی کرنے والے آدمی کے لئے اس عیش وعشرت کا تصور بھی ناممکن ہے، جو عام طور پر سرکاری افسروں اور سیاسی لیڈروں کو دستیاب ہے۔ آخر کہاں سے آتی ہے یہ دولت جو عیش وعشرت پر پانی کی طرح بہائی جاتی ہے؟ ظاہر ہے یہ وہی کالی کمائی ہے جو عوامی دولت کی لوٹ پاٹ سے حاصل ہوتی ہے۔ آمدنی سے زیادہ دولت رکھنے والے لیڈروں کے خلاف کئی بار انکوائری ہوئی، مگر آج تک کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ ہر سال ملک کے اربوں کھربوں روپے بدعنوانی اور لوٹ کھسوٹ کی نذر ہو جاتے ہیں جبکہ دوسری طرف ملک کے عوام کا ایک بڑا طبقہ زندگی کی بنیادی سہولتوں سے بھی محروم ہے۔ کروڑوں لوگ غریبی کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ بے شمار افراد کو دو وقت کی روٹی نصیب نہیں ہے اور

Marfat.com

ہر سال ہزاروں لوگ مفلسی سے تنگ آکر خودکشی کر لیتے ہیں۔

امیری کا بدن سونے سے پیلا
غریبی کے لئے اُترن نہیں ہے

بدعنوانی کا سبب، تصوف کی نظر میں

بدعنوانی اور رشوت ستانی ایک عالمی مسئلہ ہے۔ اسکی تہہ میں کئی اخلاقی اور دینی خرابیاں ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ کو سمجھنے کے لئے اسکی تہہ میں پہنچنا ضروری ہے۔ اصل میں دولت کی چاہت انسانی فطرت کا تقاضہ ہے اور اسی کے ساتھ دولت، انسانی ضرورت بھی ہے۔ دنیا کا ہر کام پیسے سے ہوتا ہے۔ آپ اچھا کھانا چاہتے ہیں یا قیمتی لباس، عالیشان مکان کی تمنا رکھتے ہیں یا آرام دہ بستر کی، سب کچھ پیسے سے ہی ملتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ آدمی اگر اپنی زندگی میں یہ سب کچھ حاصل کر لے تو بھی زیادہ کی چاہت رہتی ہے کیونکہ اسکی خواہشوں کی کوئی انتہا نہیں۔ ھل من مزید کا سلسلہ کسی منزل پہ نہیں رکتا۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

انسانی فطرت کے ناطے آدمی خواہ جتنا حاصل کر لے کبھی اسکی لالچ ختم نہیں ہوتی۔ اسے جب بھی کوئی موقع ملتا ہے وہ ضرور دولت پانے کی کوشش کرتا ہے۔ کبھی حلال طریقے سے تو کبھی حرام طریقے سے۔ کبھی جائز راستے سے تو کبھی ناجائز راستے سے۔ انسان کے اندر جائز اور ناجائز، حلال وحرام کا امتیاز بھی مذہب پیدا کرتا ہے۔ ہمارے اندر سے جو حلال وحرام کی سوچ اور اخلاقی قدروں کا فقدان ہوتا جا رہا ہے اسکی ایک بڑی وجہ مذہب سے دوری بھی ہے۔ سبھی مذاہب میں کچھ باتیں یکساں ہیں، جن میں ایک چوری کی مذمت بھی ہے۔ ملک کی دولت کو لوٹنا

Marfat.com

ایک بڑی چوری ہے۔ چوری کی سزا سبھی مذاہب میں سخت ہے، مگر اسی کے ساتھ اسکی آخرت میں بھی سزا مقرر کی گئی ہے۔ جنت وجہنم کا تصور لگ بھگ سبھی مذاہب میں۔ ہے اور چوری سمیت سبھی برے کاموں کی ایک سزا آخرت کی بھی ہے۔ اگر انسان کے اندر سے آخرت کا تصور نکل جائے تو وہ کس کے خوف سے برے کاموں سے باز رہے گا؟ انسان کے اندر سے آخرت میں جوابدہی کا احساس اگر ختم ہو جائے تو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ ملک کی دولت کو بھی لوٹ سکتا ہے، غریبوں کا حق بھی مار سکتا ہے، مفلسوں اور ناداروں کا مال چرا کر اپنے عیش وعشرت پر خرچ کر سکتا ہے۔ یہ بدعنوانی کئی خرابیوں کے نتیجے میں سامنے آتی ہے، جس کا تجزیہ ایک مشہور صوفی شیخ ابوبکر وراق کی نظر میں یوں ہے:

> ''لوگ تین طرح کے ہیں ایک امراء، دوسرے علماء اور تیسرے فقراء۔ جب امراء بگڑ جاتے ہیں تو رعیت کی معاشی اور کسبی حالت بگڑ جاتی ہے، جب علماء میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو بندگی اور شریعت کے دستور بگڑ جاتے ہیں اور جب فقراء بگڑ جاتے ہیں تو لوگوں کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ امراء کا بگاڑ ظلم سے ہے، علماء کا بگاڑ طمع سے ہے اور فقراء کی خرابی کی وجہ دکھاوا ہے۔'' (نفحات الانس، صفحہ ۱۰۳)

اوپر کی عبارت نے سماج میں پھیلی خرابیوں کے اسباب کو لگ بھگ واضح کر دیا ہے۔ آج ہمارے معاشرے کے نہ تو امراء درست ہیں اور نہ ہی علماء اور فقراء۔ ملک میں پھیلی ہوئی بدعنوانی، رشوت کی گرم بازاری اور گھوٹالے انھیں خرابیوں کا نتیجہ ہیں۔ امراء اور اہلِ حکومت کے بگاڑ نے پورے ملک کو معاشی طور پر بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ اسی طرح سماجی اور مذہبی خرابیاں علماء کے بگاڑ کے نتیجے کے طور پر سامنے آئی ہیں۔ یہاں اصلاح کی جتنی بھی کوششیں کی جارہی ہیں وہ کسی دوسری خرابی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔ گویا مرض بڑھتا جا رہا ہے، جوں جوں دوا ہو رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کوششیں جس سطح پر ہونی چاہیئں نہیں ہو رہی ہیں۔ یہاں نہ تو مرض کی صحیح تشخیص ہو رہی ہے اور نہ علاج۔

Marfat.com

بدعنوانی کا علاج، تصوف

ملک میں پھیلی بدعنوانی کی روک تھام کے لئے آج کل قانون سازی پر غوروفکر ہورہا ہے حالانکہ اہل سیاست اس کے لئے بھی تیار نظر نہیں آتے۔ چلئے اگر کسی طرح وہ قانون بن گیا جس کا مطالبہ کیا جارہا ہے اور اسے لاگو بھی کردیا گیا تو کیا اس سے پوری طرح کرپشن کا خاتمہ ہو جائیگا؟ کسی الزام کو درست ثابت کرنے کے لئے گواہ اور ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تنہائی میں کیا گیا جرم کئی بار ثابت نہیں ہو پاتا کیونکہ اس کے لئے جس گواہ کی ضرورت ہوتی ہے وہ موجود نہیں ہوتا۔ تصوف انسان کے اندر ایک خالق اور مالک کے ہونے کا احساس جگاتا ہے۔ اسی کے ساتھ آدمی کے اندر اس کے سامنے اپنے کئے ہوئے ہر کام کی جواب دہی کا احساس بھی پیدا کرتا ہے، اور یہی احساس اسے کئی قسم کی بدعنوانیوں اور برے کاموں سے روکتا ہے۔ صوفی تنہائی میں بیٹھ کر اپنے مالک کی عبادت کرتا ہے، یہ اسی خیال کے تحت ہوتا ہے کہ وہ جسکی عبادت کررہا ہے وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ ایک سرکاری آفیسر اور وزیر کے اندر بھی اپنے مالک کے ہونے کا یقین ہو اور اس کے سامنے جوابدہی کا احساس ہو تو وہ بدعنوانی، رشوت ستانی اور کرپشن سے باز رہ سکتا ہے۔

سادھو ہیں اگر تو راجہ بنئے
راجہ ہیں اگر بنواس رکھئے

بابا فرید مسعود گنج شکر نے فرمایا:

''سلوک کے بارے میں لکھا ہے کہ، لذتوں میں رخنہ انداز اور جانوں کو مٹانے والی چیز (موت) کو یاد کرو۔ جو ہمیشہ موت کو یاد کرتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ جو شخص جس قدر موت سے غافل ہوگا اسی قدر دنیا کا ذکر اس کے دل میں محکم ہوگا اور طاعت اس کے دل پر گراں گزریگی اور گناہ آسانی سے کریگا۔،،

اسرار الاولیاء (ملفوظات بابا فرید گنج شکر)، فصل۔۱۴

اوپر کی عبارت کو دوبارہ پڑھئے اور غور سے پڑھئے۔ تصوف میں اسی طرح سے شخصیت

Marfat.com

سازی ہوتی ہے۔آدمی کا دل چونکہ دنیا کے عیش وآرام سے مانوس ہوتا ہے اس لئے وہ اس کے لئے ہر جائز وناجائز کام کرنے کو تیار رہتا ہے،لیکن جب اسکی زندگی خدارخی ہوجائیگی اور وہ موت کو یاد کرے گا تو ہمیشہ اس کے ذہن میں آخرت میں جوابدہی کا تصور ہوگا۔آدمی اللہ کی اطاعت کرے اور گناہوں سے دور رہے اسکے لئے اسکے سامنے خدا کا تصور ہونا ضروری ہے،اور تصوف میں اسی تصور کو پختہ سے پختہ تر کیا جاتا ہے۔

تصوف میں یہ کوشش بھی ہوتی ہے کہ آدمی دنیا کے بجائے آخرت سے جی لگائے،کیونکہ یہ دنیا چند دن کا مقام ہے مگر آخرت کا گھر آدمی کا مستقل ٹھکانہ ہے۔وہ ہمیشگی کا گھر ہے۔اسی لئے تصوف پر یقین رکھنے والا دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔اگر کوئی آخرت کے بجائے دنیا کی محبت پر یقین رکھتا ہے تو اسے صوفی نہیں مانا جاسکتا۔حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر نے فرمایا کہ:

''اے درویش! لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔بعض تو ایسے ہیں جو دنیا سے محبت کرتے ہیں اور ہر وقت اسکی یاد میں رہتے ہیں،اسکی طلب کرتے ہیں۔ایسے لوگ بہت ہیں۔بعض ایسے ہیں جو اسے دشمن سمجھتے ہیں اور اس سے محبت نہیں کرتے۔بعض ایسے ہیں جو اسے نہ تو دوست سمجھتے ہیں اور نہ دشمن۔پھر فرمایا کہ اے درویش! تیسری قسم کے لوگ پہلی دو قسموں سے بہتر ہیں۔بعدازاں فرمایا کہ ایک شخص نے رابعہ بصری کے پاس آکر دنیا کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔رابعہ نے فرمایا صاحب! چلے جاؤ،میرے پاس نہ آنا،کیونکہ تم دنیا کے دوست معلوم ہوتے ہو۔اسی واسطے اکثر اسکا ذکر کرتے ہو۔''

(اسرارالاولیاء،(ملفوظاتِ بابا فریدالدین مسعود شکر گنج) فصل۔۱۴)

آج کل جتنے گھوٹالے ہورہے ہیں ان کے پیچھے یہی دنیا کی محبت اور آخرت سے بیزاری ہے۔تصوف آدمی کے اندر ایسی صفات پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنے وجود کے مقصد کو جانے اور اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانے،نہ کہ وہ پوری زندگی دنیا کی دولت کے پیچھے بھاگے اور جس

Marfat.com

کام کے لئے دنیا میں آیا تھا اسی کو ادھورا چھوڑ جائے۔

تم کو مبارک کالی دولت
میرے لئے ایمان بہت ہے

صوفیہ اپنے مریدوں کی تربیت بھی انھیں خطوط پر کرتے ہیں کہ انکے اندر دولت سے محبت پیدا نہ ہو۔ مثال کے طور پر خواجہ عبداللہ مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے کردار کو لیا جا سکتا ہے، جو اپنے مریدوں کو تربیت کے دوران کھانا اور پانی جمع کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتے تھے۔

''حضرت خواجہ عبداللہ مبارک ہر وقت تجرید میں رہتے۔ جو آپ کے پاس آتا محروم نہ جاتا۔ آپ کی یہ عادت تھی کہ شام کی نماز ادا کر کے مریدوں کے کمروں میں پھرتے۔ اگر کھانا پانی انکے پاس بہ طور ذخیرہ دیکھتے تو فرماتے کہ یہ محتاج درویشوں کو دے دو اور پانی گرا دو کیونکہ ذخیرہ کرنا درویشی نہیں۔ اپنے مریدوں میں سے جس کو دنیا کا ذکر کرتے ہوئے سنتے خانقاہ سے باہر نکال دیتے اور پھر پاس نہ آنے دیتے۔ پھر فرمایا کہ آپ کے پاس بہت سا مال و اسباب تھا جب اور مال آتا تو ایک شخص کے حوالے کر دیتے جو محافظِ بیت المال تھا کہ تم ہی اسکا حساب رکھو اپنے پاس بھی نہ آنے دیتے تاکہ دنیا کے کام میں مشغول نہ ہو جائیں۔''

(اسرار الاولیاء، فصل ۔۱۴)

اب ذرا سوچئے کہ جس انسان کی تربیت ایسے ماحول میں ہوگی کیا وہ حکومت تک پہنچ کر بدعنوانی کرے گا؟ یقیناً نہیں۔ حکومت میں آنے والے افراد اسی تربیت سے دور ہیں، اسی لئے وہ بدعنوانی میں ملوث ہوتے ہیں اور عوام کی دولت کو اپنی جاگیر سمجھ لیتے ہیں۔ اس قسم کے واقعات سے صوفیہ کے تذکرے بھرے پڑے ہیں۔ بدعنوان شخص کبھی یہ نہیں سوچتا کہ اس کی ضرورتیں محدود ہیں، خواہ وہ جتنا کما لے، لیکن اس کی بنیادی ضرورت روٹی، کپڑا اور مکان کے سوا کچھ اور نہیں۔ پھر اسے اس کا حساب بھی کسی 'محاسب' کو دینا ہے۔

Marfat.com

حلال وحرام کا فرق

تصوف ایک طرف آدمی کے اندر دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتا ہے اور اسے آخرت کے متعلق سوچنے پر مجبور کرتا ہے تو دوسری طرف اس کے اندر حلال وحرام کا احساس پیدا کرتا ہے۔ صوفیہ کے تذکروں میں ایک بات بہت عمومیت سے ملتی ہے کہ وہ دنیاداروں سے دور رہے اور اگر کسی نے دولت لاکر دی تو لینے سے انکار کر دیا۔ یہ اسی حلال وحرام کے تصور کے تحت بھی ہوتا رہا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے پیرومرشد، خواجہ عثمان ہارونی نے فرمایا:

''کھانا حلال کھاؤ اور حلال کی کمائی کا کپڑا پہنو، توبہ کو اپنا شعار بناؤ۔ جب تم ایسا کروگے تو تمہارے لئے ساتوں بہشتوں کے دروازے کھل جائیں گے، تمہاری نماز قبول ہوگی۔'' (انیس الارواح، مجلس۔۱۹)

کھانے پینے اور پہننے کے معاملے میں صوفیہ کے ہاں بہت احتیاط پایا جاتا ہے۔ وہ حرام تو دور مشکوک چیز کو بھی ہاتھ لگانے کو تیار نہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک محفل میں خواجہ یحیٰ معاذ رازی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں، پھر اپنے خیالات کا بھی اظہار کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

''ایک روز خواجہ یحیٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کی دو روٹیاں پکا کر خواجہ بایزید قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں بھیجیں، کہ آبِ زمزم میں گوندھ کر پکائی تھیں۔ جب خادم نے یہ پیغام دیا تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہ روٹیاں لے جاؤ اور کہنا کہ یہ تو بتایا کہ آبِ زمزم سے گندھی ہیں، لیکن یہ نہیں بتایا کہ کس وجہ سے حاصل ہوئی ہیں یا کس کھیت سے حاصل کیں۔ چونکہ انکی حقیقت معلوم نہیں اس لئے ہم نہیں کھاتے۔ پھر خواجہ صاحب نے آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ اہلِ سلوک نے لکھا ہے کہ اگر آٹھوں بہشت ہماری جھونپڑی میں آئیں اور دونوں جہاں کی نعمتیں بطور جاگیر ہمیں ملیں، تو ہم سحر کی ایک آہ جو اس کے شوق میں کی جائے بلکہ ایک دم کے بدلے بھی جو اسکی یاد میں آتا ہو اٹھارہ ہزار عالم کو نہ خریدیں۔'' (افضل الفوائد، فصل۔۱۰)

Marfat.com

کبھی کبھی تو مرے گھر پہ کچھ نہیں ہوتا
مگر جو ہوتا ہے رزقِ حلال ہوتا ہے

بدعنوانی اور کرپشن کی اصل جڑ تو دولت کی محبت ہے۔ دولت کی یہی محبت آدمی کے اندر گڑبڑ گھوٹالے کی خو بو پیدا کرتی ہے۔ جب اسی پر تربیت کے ذریعے ضرب لگا دی جائیگی اور یہ محبت دل سے نکال دی جائیگی تو آدمی صحیح راستہ پکڑ لے گا۔ تصوف میں یہی کیا جاتا ہے۔

حکمراں کیسا ہو؟

دنیا اور سماج کے سسٹم کو چلانے کے لئے ایک آئین، قانون کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کے بغیر کبھی کوئی ملک یا سماج نہیں چل سکتا۔ جب سے ہمارا سماج وجود میں آیا ہے تب سے یہ سلسلہ چل رہا ہے اور جب تک یہ دنیا قائم ہے تب تک اس کی ضرورت ہے۔ تصوف بھی انسان کی اس بنیادی ضرورت کو نظر انداز نہیں کرتا۔ یہاں رہبانیت جیسی بات بھی نہیں کہ آدمی سماج کو چھوڑ کر جنگل کا راستہ لے لے اور اللہ کی پیدا کی ہوئی اس دنیا کو درندوں کے بھروسے چھوڑ دے۔ تصوف میں جو تجرد اور سنیاس ہے وہ یہ ہے انسان یہیں رہ کر اس دنیا کے نظام کا حصہ بن کر اپنے دل کو دنیا سے الگ رکھے۔

سادھو ہیں اگر تو راجہ بنئے
راجہ ہیں اگر، بنواس رکھئے

یہاں تجرد اور دنیا سے کنارہ کشی کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ آدمی بال بچوں کو چھوڑ دے یا شادی بیاہ نہ کرے۔ یا کام دھندے سے الگ ہو جائے یا نظامِ حکومت سے اجتناب کرے۔ یہاں شادی کرنے اور بال بچے رکھنے کا حکم بھی ہے اور عبادت و ریاضت کا حکم بھی ہے۔ دنیا اور اس دنیا میں بسنے والے انسان اور دوسرے جانداروں کو اللہ نے بہت محبت سے پیدا کیا ہے اس لئے وہ نہ تو ان سے نفرت کرنے کی اجازت دیتا ہے اور نہ انھیں چھوڑنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ تو

Marfat.com

خوش ہوتا ہے ان کی خدمت کرنے سے، انکے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے سے۔

اس دنیا کے نظام کا ایک حصہ ہے حکومت بھی، اسلئے صوفیہ اس کے لئے بھی کچھ دستور بتاتے ہیں۔ جو لوگ بھی حکومت کے عہدوں پر فائز ہوں یا حاکم ہوں ان کے لئے عوام کی خدمت کرنا ضروری ہے اور انھیں قومی خزانے میں کسی قسم کی خیانت کی اجازت نہیں۔ کشمیر میں اسلامی حکومت کے قیام میں اہم رول ادا کرنے والے مشہور صوفی حضرت سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں حکمرانوں کے لئے کچھ ہدایتیں یا گائڈ لائنس ہیں۔ اسے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت کرنے والوں کے لئے صوفیہ کتنی سخت شرطیں رکھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''اس سلطنت کے مرتبے کو جس شخص نے سب سے پہلے قبول کیا اور اس مشکل کام کے حقوق کے ادا کرنے میں کمرِ ہمت باندھی وہ آدم علیہ السلام ہی تھے۔ حدیث میں آیا ہے کہ آپ کی زندگی میں ہی بیٹوں اور پوتوں کی تعداد چالیس ہزار تک پہنچ چکی تھی اور آپ اللہ تعالیٰ کا حکم ان کو پہنچاتے تھے اور ان کے گزارے کا قانون تجویز کرتے تھے اور ان کے درمیان برابری کی نگاہ رکھتے تھے۔''

(ذخیرۃ الملوک، صفحہ ۱۶۷)

سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہوں اور حکمرانوں کو انبیاء اور خلفاء راشدین کے طریقے پر چلنے کی تلقین کی ہے اور ان کے حالاتِ زندگی کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''جب حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو صحابہ کرام نے تختِ خلافت پر بیٹھایا۔ دوسرے ہی دن کپڑے کے چند ٹکڑے بازار بیچنے کے لئے لے گئے اور اس سے پہلے بھی کپڑے بیچا کرتے تھے جس سے بال بچوں کی خوراک حاصل کرتے تھے۔ صحابہ کرام اس بات سے ناخوش ہوئے۔ انھوں نے کہا ایسا کام خلیفۃ المسلمین کے شایانِ شان نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ، عیال کا گزارہ موجود کرنا مجھ پر فرض ہے، ورنہ ان کے حقوق کو ادا کرنے میں کاہل ہو جاؤں گا۔ تو صحابہ کرام نے اتفاق

Marfat.com

کیا کہ ابوبکر کے عیال کا روزانہ خرچ بیت المال سے دے دیا کریں تا کہ وہ فراغِ خاطر سے قضا اور حکومت میں مشغول رہیں۔ سب نے مل کر ان کے عیال کے واسطے ڈھائی درم روزانہ مقرر کیئے۔ جب انکی وفات کا وقت قریب آیا، اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو وصیت کی کہ میری کھیتی کو بیچ کر اس قرضے کو ادا کر دینا۔ عبدالرحمٰن نے اس کھیتی کو بیچ دیا اور بیت المال سے جس قدر روپیہ خرچ کے لئے لیا ہوا تھا کوڑی کوڑی ادا کر دیا۔

جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابہ کرام نے تخت پر بٹھایا تو سب نے اتفاق کیا کہ ان کے عیال کا خرچ بیت المال سے ادا کیا کریں۔ آپ نے قبول نہ کیا اور فرمایا میں ابھی کمانے کی طاقت رکھتا ہوں مجھے نفقہ لینے کی حاجت نہیں۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ اشراق ادا کر کے کچہری میں بیٹھ جاتے اور دس بجے تک مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ فرماتے۔ جب کچہری برخواست ہو جاتی تو کسّی پکڑ کر بقیع کی طرف چلے جاتے اور اینٹیں تھاپتے۔ جب ظہر کا وقت ہو جاتا غسل کر کے مسجد میں آجاتے اور مسلمانوں کو ظہر کی نماز پڑھاتے اور پھر جا کر نماز عصر تک اینٹیں تھاپتے اور اپنی اور اپنے بچوں کی خوراک اس طرح سے حاصل کرتے۔'' (ایضاً صفحہ ۱۷۳۔۱۷۴)

ایسی حکومت دنیا نے نہ اس سے پہلے دیکھی اور نہ اس کے بعد۔ خلافت راشدہ ایک مثال ہے اور صوفیہ حکومت کرنے والوں کو اسی راستے پر چلنے کی تاکید کرتے ہیں۔ وہ حکومت کو حکمراں کے باپ کی جاگیر نہیں اللہ کی دی ہوئی ایک امانت تصور کرتے ہیں۔ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ بادشاہوں اور حاکموں کے لئے ایسا ہی طریقہ چاہتے ہیں کہ جہاں ملک کی ہر چیز کا مالک حکمراں نہیں، اللہ ہو۔ اس کا پیدا کرنے والا ہو۔ حکمراں خود کو صرف اس کا نگہبان تصور کرے۔ وہ خود کو امانت دار سمجھے، اور اسی کے ساتھ اسے اس بات کا بھی احساس ہو کہ اگر اس نے امانت میں کسی قسم کی خیانت کی تو اسے آخرت میں اللہ کے سامنے جواب دینا پڑے گا۔

Marfat.com

حضرت امیر کبیر یہیں نہیں رکتے وہ حضرات عمر و علی رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت کی کئی اور مثالیں دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو درداء کو شہر حمص کا عامل (گورنر) بنا کر بھیجا۔ ابو درداء نے کچھ مدت اس شہر میں حکومت کی اور اس مدت میں ان کے گھر میں پھٹی ہوئی بوریا، تلوار، قرآن مجید، ایک لوٹا اور ایک پرانے پیالے کے سوا کچھ نہ تھا۔ آپ کی عادت تھی کہ ہر روز شہر سے باہر نکل جاتے اور جنگل میں جا کر غسل کرتے اور پھر اپنی جگہ واپس آجاتے۔ اس بات سے ان کو کچھ تکلیف معلوم ہوئی۔ ایک دن فرمایا کہ بیت المال (سرکاری خزانے) سے ڈھائی درم لے کر اس کے سرکنڈے خریدے جائیں اور ایک درم مزدوری کا دے کر ان کے گھر کے متصل غسلخانہ بنایا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر ابو درداء کی طرف خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا 'اے عویمر مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو نے غسلخانہ بنوایا ہے اور مسلمانوں کے بیت المال سے ساڑھے تین درم اس پر خرچ کئے ہیں۔ روم کے سرکشوں کی عمارتیں جو موجود ہیں، کیا وہ تجھے کافی نہ تھیں۔ افسوس کہ تو بھی دنیا کی تعمیر میں مشغول ہو گیا۔ میرا یہ حکم تجھے معزول کرتا ہے اور لکھا جاتا ہے کہ فوراً دمشق کی راہ لو اور مرنے تک وہیں رہو۔''

(ذخیرۃ الملوک، صفحہ ۱۷۵۔۱۷۴)

سرکاری خزانے کے ساڑھے تین روپے خرچ کرنے پر ایک گورنر کو اس کے عہدے سے ہٹانے کی بات دنیا میں کبھی دیکھنے کو نہیں ملی ہوگی۔ اور وہ بھی ساڑھے تین روپئے بغیر ضرورت کے نہیں خرچ کئے گئے، بلکہ غسل خانہ (BATH ROOM) بنانے کے لئے خرچ ہوئے پھر بھی گورنر کو اس کے عہدے سے ہٹانے کی سزا دی گئی۔ سمجھا جا سکتا ہے کہ جس نے ہٹایا وہ بھی کوئی

Marfat.com

معمولی شخص نہیں تھا، وہ خود بھی زمین پر بوریا بچھا کر سونے والا حکمراں تھا اور ملک کے ایک ایک پیسے کو عوام کی امانت تصور کرتا تھا۔ اسے یہ احساس تھا کہ مجھے ایک ایک کوڑی کا حساب اللہ کے سامنے دینا ہے۔ یہ سب کچھ اسی دور میں ہورہا تھا جب ایران اور روم کے بادشاہ اونچے اونچے محلوں میں اتراتے پھرتے تھے، سونے چاندی کی پلیٹوں میں کھانے کھاتے تھے اور انسانوں کو کیڑے مکوڑے سے بدتر تصور کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے خلفاء راشدین کا دور ایک ایسا مثالی دور تھا کہ اگر اسے اپنا لیا جاتا اور بعد کے حکمراں بھی اگر اسی طریقے پر حکومت کرتے تو اس دنیا میں بدعنوانی کبھی نہیں پھیلتی۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا کے مشہور لیڈر مہاتما گاندھی نے ملک کی آزادی کے بعد اسی لئے کہا تھا کہ ہمیں حضرت عمر کے طریقے پر ملک میں حکومت کرنی چاہئے۔ مگر افسوس کہ یہاں کے حکمرانوں نے کبھی گاندھی جی کی باتوں کی طرف دھیان نہیں دیا۔ یہی سبب ہے کہ آج ملک بدعنوانی کی گندگی میں سر سے پیر تک ڈوبا ہوا ہے اور اس دلدل سے باہر آنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔

تصوف جس طرح انسان کی باطنی اصلاح کرتا ہے اور اس کے دل کا تزکیہ کرتا ہے اسی طرح حکمرانوں کو طرز حکمرانی بھی بتاتا ہے۔ حضرت امیر کبیر شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کو علامہ اقبالؔ نے کشمیر کا بانی مسلمانی کہا ہے۔ یہ بہت حد تک درست بھی ہے کیونکہ جیسا اصلاحی کام کشمیر میں انھوں نے کیا وہ ایک مثال ہے۔ انھوں نے اور پھر ان کے بعد ان کے صاحبزادے میر محمد ہمدانی نے نہ صرف عوام بلکہ حکمرانوں کے اصلاح کی بھی بڑے پیمانے پر کوششیں کیں۔ انھوں نے حکمرانوں کو خلافت راشدہ کی طرز پر حکومت کرنے کی طرف مایل کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ انھوں نے اس طرز کو نہیں اپنایا مگر یہ ضرور ہوا کہ اصلاح کے چلتے تھوڑا بہت بدلاؤ آیا۔ جس سے عوام کو فائدہ ملا۔

حضرت امیر کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہوں کو جن بزرگوں کے طریقوں پر چلنے کی تلقین کی ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ وہ ایک جگہ خلیفۃ المسلمین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

Marfat.com

''ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ میں جمعہ کے دن مسجد میں آیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھ رہے ہیں اور آپ کے کپڑے پھٹے پرانے ہیں، جن میں پیوند لگے ہوئے ہیں اور شمشیر ذوالفقار لٹک رہی ہے اور اس کا میان کھجور کے ریشوں سے بنا ہوا ہے اور آپ یہ فرما رہے ہیں، اس پرانے کپڑے کو میں نے اتنے پیوند لگوائے ہیں کہ میں پیوند لگانے والے سے شرمندہ ہو رہا ہوں، وہ کہتا ہوگا کہ کیا ہو گیا ہے علی کو کہ دنیا کی زینت کا طلب گار ہے۔ اے لوگو! میں اس نعمت اور لذت پر کس طرح خوشی ظاہر کروں، جو آن کی آن میں فنا ہونے والی ہے اور جب میں دیکھتا ہوں کہ حجاز کی ولایت میں کئی بھوکے ہیں کس طرح سیر ہو کر کھاؤں۔'' (ایضا، صفحہ ۱۷۷۔۱۷۶)

اگر ایک حکمراں یہ سوچے کہ جب تک ملک میں کوئی بھوکا ہے تب تک میں بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤں گا اور جب تک تمام شہریوں کو لباس نہیں مل جاتا تب تک میں بھی اچھے کپڑے نہیں پہنونگا تو ایسے ملک میں رہنے والے خوش قسمت ہونگے۔ صوفیہ بادشاہوں کے لئے ایسا ہی مزاج چاہتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تصوف کا امام مانا جاتا ہے اور وہ تمام صوفیوں کے رہنما ہیں۔ صوفیہ ان کے کردار کو اپنے لئے مشعل راہ سمجھتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور حکمرانی ایک صوفی کا دورِ حکمرانی تھا اسی لئے انھوں نے فقیری میں بادشاہی کی۔ ایک اور ایسی ہی مثال تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ملتی ہے، جسے حضرت امیر کبیر نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے:

''ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ عید کے دن حضرت علی کے دروازے پر بہت سے غریب اور مسکین جمع ہوئے۔ حضرت علی گھر سے باہر نکلے اور ابو موسیٰ اشعری کو حکم دیا کہ بیت المال کے دروازے کو کھولو اور تیس ہزار درہم فقیروں میں بانٹ دو، پھر ہم عیدگاہ کی طرف چلے گئے اور نماز ادا کی۔ جب ہم واپس آئے تو آپ کے

Marfat.com

گھر میں چلے گئے کیا دیکھتے ہیں کہ آپ کے گھر میں جو کے آٹے کی روٹیاں موجود ہیں اور روغن کے بغیر ہیں۔ میں نے عرض کیا اگر بیت المال (سرکاری خزانے) سے آپ ایک درم کا گھی منگا لو تو کیا حرج ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابو ہریرہ کیا چاہتا ہے کہ قیامت کے میدان میں مجھے شرمندہ کرائے اور خیانت کا داغ علی کی پیشانی پر لگانا پسند کرے۔ اللہ کی قسم ہے کہ علی کے نزدیک اگر کوئی نعمت ہے تو یہی ہے کہ قیامت کے میدان میں خیانت ورسوائی اور شرمندگی سے بے فکر ہو جائے۔''

(ایضا، صفحہ ۱۷۸۔۱۷۷)

انسان کبھی اپنی فطری شرافت کی وجہ سے بدعنوانی اور اپنی طاقت کے غلط استعمال سے بچتا ہے مگر اکثر وہ قانون کے خوف سے ان باتوں سے دور رہتا ہے اور جب اسے کوئی سزا دینے والا موجود ہی نہ ہو اور وہ خود قانون سے برتر ہو تو ان باتوں سے کیسے بچے گا؟ اسی لئے تصوف اس کے لئے اللہ کے سامنے جوابدہی کا تصور پیش کرتا ہے۔ ظاہر ہے قانون بھی انسان کو تبھی سزا دیتا ہے جب ثبوت اور گواہ موجود ہوں اور اگر گواہ وثبوت نہ ہوں تو کسی انسان کو اس کے جرائم کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ تصوف انسان کو ایک ایسے خدا کے سامنے جوابدہ بتاتا ہے جو ہر وقت، ہر جگہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ اسے کسی گواہ اور ثبوت کی ضرورت نہیں۔ وہ ملک کی دولت میں خیانت کو جرم سمجھتا ہے اور اس کی سزا کے لئے ایک دن مقرر بتاتا ہے۔ وہ اِس احساس کو انسان کے دل ودماغ میں راسخ کرتا ہے تاکہ ملک کی دولت خیانت سے محفوظ رہے۔ آج بدعنوانی کا ایک بڑا سبب یہی ہے کہ عوام اور حکمراں دونوں کے دل سے خدا کا تصور ہی نکلتا جارہا ہے اور اگر ہے بھی تو دھندلا سا۔ کچھ لوگوں کے دل میں ایسے خدا کا تصور ہے جو خود ہی مجبور اور لاچار ہے۔ اس کے برخلاف صوفیہ جس خدا کے قائل ہیں اور جس پر ایمان رکھتے ہیں وہ طاقت اور قدرت والا ہے۔ وہ حاکم ہے اور کوئی بھی چیز اس کی حکومت سے الگ نہیں۔ وہ سب کا مواخذہ کرنے والا ہے اور سب کو انصاف

Marfat.com

دینے والا ہے۔ حضرت علی اور دیگر خلفاء راشدین کی حکمرانی میں جو سب سے اہم بات ہے وہ یہی جوابدہی کا احساس ہے۔ اسی لئے وہ بغیر سالن کے روٹی کھالیتے ہیں مگر سرکاری خزانے میں خیانت کرنے کو تیار نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک خاص بات یہ تھی کہ انھوں نے جب حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو اپنے بیٹوں کو خود سے جدا کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ ان کے بیٹے جو انھیں بہت محبوب تھے اور صورت و سیرت میں رسول محترم ﷺ سے مشابہ تھے، ان کے کسی فیصلے پر اثر انداز نہ ہوں ۔حضرت علی کو لگتا تھا کہ کبھی ایسا نہ ہو کہ ان کی سفارش کی وجہ سے کہیں انصاف میں کوئی کمی آجائے۔ حالانکہ آپ کے صاحبزادگان بھی بے حد نیک اور خداترس تھے اور ایسے امکانات نہیں تھے کہ وہ کبھی انصاف کے خلاف کوئی بات کہیں گے مگر اس کے باوجود یہ ان کا کمالِ احتیاط تھا کہ انھوں نے اپنے بیٹوں کو خود سے الگ کیا۔

حکمرانی کی شرطیں

حضرت امیر کبیر نے حکمرانی کے لئے کچھ شرطیں بھی رکھی ہیں۔ اگر ان شرطوں کی پاسداری کی جائے تو ظاہر ہے کہ ملک کے اندر امن وامان اور رعایا میں خوش حالی آئے گی۔ اسی کے ساتھ بدعنوانی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ بعض شرطیں یہ ہیں:

☆ جو واقعہ پیش آئے۔ بادشاہ اور حاکم اپنے آپ کو اس حادثے میں رعایا سے ہی ایک تصور کریں۔۔۔

☆ کھانے اور لباس میں خلفاء راشدین کی اقتدا کریں اور نفس کو اچھا کھانا کھانے اور قیمتی لباس پہننے کی عادت نہ ڈالیں۔۔۔

☆ تکبر کرکے عوام کو خود سے بیزار نہ کریں بلکہ ضعیفوں اور زیردستوں پر مہربانی کرکے ان کا پیارا بن جائے۔۔۔

Marfat.com

☆اپنے نوکروں، چاکروں کی خیانت سے غافل نہ ہو اور بھیڑیا صفت ظالموں کو بے چارے مظلوموں پر افسر نہ بنائے۔۔

☆عدل اور احسان کا فیض تمام رعایا پر درجہ مساوات میں رکھے اور احسان کرنے میں اہل و نااہل کی تمیز نہ کرے، کیونکہ بادشاہ خدا کا سایہ ہوتا ہے اور خدا کی نعمت کافر اور مومن پر برابر ہے۔۔۔

☆حکم دینے میں ترش روی نہ کرے اور امیر و غریب سے کشادہ پیشانی سے پیش آئے۔۔

☆حاکم یا بادشاہ شہوات اور شبہات کو اختیار کر کے خلقت کو خراب نہ کرے۔۔۔

☆زبردست اور دنیا داروں کے مقابل میں بے چارے اور غریب کمزور کی رعایت کرے۔۔۔

☆اہلِ فاقہ کے حالات سے غافل نہ ہو اور کمزوروں، عاجزوں کے فاقہ روکنے میں غفلت نہ کرے۔ اور یتیموں، بیواؤں کی دل جوئی کو اپنے آپ پر فرض سمجھے اور قیامت کی گرفت سے خوف کھائے۔۔۔

☆سلطنت میں جس جگہ سرائے یا پل کی ضرورت ہو، ان کے بنانے میں جلدی خیال کرے۔۔۔ (ایضا، صفحہ ۱۹۴۔۱۸۱)

ظاہر ہے کہ جس ملک میں ان شرطوں کے ساتھ حکومت چلے گی وہاں امن و امان ہوگا اور عوام کبھی دکھی نہیں ہونگے۔ ان کے مسائل کا اٹھنے سے پہلے ہی حل نکل جائیگا۔ یہ وہ طرز حکمرانی ہے جسے اصلی رام راجیہ کہہ سکتے ہیں۔ ان شرطوں سے عاری حکومت کو ہی کرپٹ یا بدعنوان حکومت کہتے ہیں۔ بدعنوانی کوئی الگ چیز نہیں۔ بدعنوانی تو کہتے ہیں انصاف کے خلاف چلنے اور امانت کے خلاف کام کرنے کو۔ جہاں ملک کی دولت کو حکمراں اپنے ذاتی مقصد کے لئے استعمال کریں، قوم کے مال کو عیش و عشرت پر خرچ کریں، جو روپیے سڑکوں، پلوں، اسکولوں اور دیگر عوامی

Marfat.com

تعمیرات پر خرچ ہونے چاہئیں ،غریبوں کو وظیفہ ملنا چاہئے ،انکی صحت پر خرچ ہونا چاہئے ،انھیں اپنے ذاتی مقصد میں استعمال کرنا اور اپنے بینک اکاؤنٹس میں جمع کرنا ہی تو کرپشن ہے۔وہ سرکاری ملازمین جنھیں عوامی کاموں کے لئے موٹی موٹی تنخواہیں ملتی ہیں وہ کسی کام کے لئے رشوت وصول کریں، یہی تو بدعنوانی ہے۔اس وقت بھارت سمیت بیشتر ترقی پذیر ملکوں میں کرپشن کا بول بالا ہے اوراس میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔کرپشن تو ترقی یافتہ ملکوں میں بھی ہے مگر ترقی پذیر ملکوں کے مقابلے کم ہے۔آج دنیا کے سبھی ملکوں کو صوفیہ کے نقش قدم کی ضرورت ہے۔اگر آج کی دنیا اہلِ تصوف کے نظریات کو اپنا لے تو بدعنوانی سمیت دوسری کئی خرابیوں سے آزاد ہوسکتی ہے۔

صوفیانہ تربیت کے اثرات

صوفیانہ تربیت آدمی کے اندر حیرت انگیز خصوصیات پیدا کرتی ہے۔دولت ،جس کے پیچھے دنیا بھاگتی ہے صوفی کے لئے ایک بیکار سی چیز بنکر رہ جاتی ہے۔اسکی ایک بہترین مثال حضرت نظام الدین اولیاء کی زندگی میں دیکھئے ،خود انکے اپنے الفاظ ہیں :

''سونے چاندی سے آرام اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب اسے خرچ کیا جائے جب تک اسے خرچ نہ کیا جائے آرام حاصل نہیں ہوتا۔مثلا اگر کوئی شخص کوئی آرزو کھانے پینے یا کپڑے وغیرہ کی کرے تو جب تک وہ روپیہ خرچ نہ کریگا، حاصل نہیں کرسکتا۔تو معلوم ہوا کہ اگر روپے سے راحت حاصل ہوسکتی ہے تو خرچ کرنے سے ہوتی ہے نہ کہ جمع کرنے سے۔بعد ازاں فرمایا کہ روپیہ جمع کرنے سے مطلب یہ ہے کہ دوسروں کو آرام پہنچے۔اسی اثناء میں فرمایا کہ میرے پاس خود اوائل حال میں جمع کرنے کے لئے کچھ نہ تھا اور نہ ہی کبھی میں نے دنیا کی خواہش کی۔بعد ازاں جب شیخ الاسلام فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہوا تو اور بھی طبیعت نے پلٹا

Marfat.com

کھایا۔ کیونکہ آپ نے دنیا کو باوجود ملنے کے ترک کر دیا۔ بعد ازاں فرمایا کہ اس سے پہلے میری روزی تنگ تھی اور وقت خوشی سے بسر نہیں ہوتا تھا۔ ایک روز بے وقت میرے پاس کوئی آدمی آدھی بوری لایا۔ میں نے کہا آج بے وقت ہو گیا ہے اور ضروریات کی چیزیں صرف ہو چکی ہیں اسے صبح خرچ کرونگا۔ جب رات ہوئی اور یادِ الٰہی میں مشغول ہوا تو اس آدھی بوری نے میرا دامن پکڑا اور مجھے کھینچا۔ جب میں نے یہ حالت دیکھی تو بارگاہِ الٰہی میں عرض کی یا اللہ کب دن ہو اور میں اسے خرچ کروں گا اور اس سے پیچھا چھڑاؤنگا۔،،

(فوائد الفواد، جلد دوم مجلس۔٦)

جب آدمی کے دل سے عزت، شہرت، دولت اور مقام و مرتبہ کی چاہت نکل جائے تو اس کا مقام زیادہ بلند ہو جاتا ہے۔ دنیا اس کے قدموں میں ہوتی ہے اور وہ ٹھوکر مارتا ہے۔ اس کی بھی ایک عمدہ مثال حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں فوائد الفواد سے ایک عبارت:

''ان دنوں بادشاہ نے باغ، زمین اور بہت سا اسباب اور اسکی ملکیت کا کاغذ خواجہ صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا۔ خواجہ صاحب نے یہ سب چیزیں قبول نہ کیں اور اس بارے میں فرمایا کہ میں باغ، زمین اور کھیتی باڑی کے لائق نہیں۔ مسکراتے اور فرماتے کہ اگر میں یہ قبول کرلوں تو لوگ کہیں گے کہ شیخ باغ جا رہا ہے۔ اپنی زمین اور کھیتی باڑی دیکھنے جاتا ہے۔ کیا یہ کام کرنے کے لائق ہے؟ آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ ہمارے خواجگان اور مشائخ میں سے کسی نے قبول نہیں فرمایا۔ بعد ازاں حکایت بیان فرمائی کہ جن دنوں سلطان ناصر الدین انار اللہ برہانہٗ ملتان کی طرف جاتے اجودھن سے گزرا، ان دنوں سلطان غیاث الدین طاب اللہ ثراہ وہاں کا حاکم تھا۔ شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ العزیز کی زیارت کے لئے آیا اور کچھ نقدی و

Marfat.com

چار گاؤں کی ملکیت کا حکم نامہ لایا۔ شیخ صاحب نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عرض کی کچھ نقدی اور چار گاؤں کی ملکیت کا حکم نامہ لایا ہوں۔ نقدی درویشوں کے لئے اور گاؤں کا حکم نامہ (WRITTEN ORDER) جناب کے نام۔ مسکرا کر فرمایا نقدی مجھے دو، میں اور درویش ملکر خرچ کرلیں گے، مگر یہ ملکیت کا حکم نامہ اٹھا لے۔ اس کے طالب اور بہت ہیں، انکو دینا۔،، (جلد ۳، مجلس۔ ۷)

اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

صوفیہ دولت لینا یا جمع کرنا بلکل پسند نہیں کرتے۔ اوپر درج واقعے جیسے واقعات اکثر صوفیہ کے تذکروں میں ملتے ہیں، جو صوفیہ کی شان بے نیازی کو ظاہر کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ صوفیانہ مزاج کا بھی پتہ چلتا ہے کہ انکی روحانی تربیت کس طرح انھیں دولت کی چاہت سے دور کر دیتی ہے۔ اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ملتا ہے۔

''سلطان شمس الدین نے قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں اشرفیوں کی چند تھیلیاں بھیجیں۔ جونہی آدمیوں کو لاتے دیکھا، دور سے فرمایا کہ اسے لے جاؤ اور جا کر کہہ دو کہ ہم نے تو تجھے اپنا دوست سمجھا تھا لیکن تو دشمن نکلا، کیونکہ تو نے ہمارے پاس وہ چیز بھیجی جسے حق تعالیٰ دشمن رکھتا ہے۔ اسکے طالب اور بہت ہیں، انکو دیدو۔،، (اسرار الاولیاء، فصل۔ ۱۴)

وہ اپنے آپ کو سچ بولنے سے کس طرح روکیں
وزارت کو جو اپنی جوتیوں کی گرد کہتے ہیں

اسی قسم کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں۔ شیخ ابراہیم خواص قدس سرہ تیسری صدی ہجری کے ایک صوفی گزرے ہیں۔ یہ بغداد کے رہنے والے تھے اور انتہائی صابر و شاکر انسان تھے۔ مال و دولت سے دور رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ مسجد میں جانماز پر تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے مٹھی

Marfat.com

بھر چاندی کے سکے آپ کے جانماز پر رکھ دیئے۔آپ فوراً جانماز سے اٹھے اور جھاڑ کر سکوں کو زمین میں گرا دیا اور فرمایا یہ جانماز اس سے پہلے میرے پاس آیا ہے۔وہ شخص کہتا ہے کہ، میں نے ان جیسا معزز اور غیور کسی کو نہ پایا۔انھوں نے مال کو اس طرح ٹھکرا دیا اور میں نے اس وقت خود سے زیادہ ذلیل کسی کو نہ پایا کہ میں ان درہموں کو مٹی سے چن چن کر اٹھا رہا تھا۔(نفحات الانس، صفحہ ۳۲۳)

دولت سے خوشی نہیں ملتی

گھپلوں، گھوٹالوں، رشوت اور بدعنوانی کی ایک اہم وجہ ہے مادہ پرستی۔آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کر کے وہ عیش و آرام، چین و سکون حاصل کر لے گا۔حالانکہ بار بار دیکھا جاتا ہے کہ دولت مند بھی پریشان ہوتے ہیں، بلکہ سچ پوچھیں تو دولت مند ہی زیادہ پریشان ہوتے ہیں۔اسی لئے صوفیاء دولت جمع کرنا پسند نہیں کرتے۔اس بات کو فہم سے زیادہ قریب لانے کے لئے ایک تمثیلی واقعہ زیادہ بہتر ہوگا۔واقعہ یوں ہے کہ کسی ملک کا ایک بادشاہ تھا، جو اپنے روزانہ کے معمولات اور حکومت کے کاموں سے بہت پریشان رہتا تھا۔دنیا یہ سمجھتی ہے کہ حکومت کرنے والوں سے زیادہ خوش کوئی نہیں ہوتا ہوگا، مگر سچ یہ ہے کہ ان سے زیادہ ناخوش شاید ہی کوئی ہو۔بہر حال بادشاہ نے اپنے وزیروں سے پوچھا کہ تم تو بادشاہ نہیں ہو، تم تو خوش رہتے ہوگے؟ تمہیں اپنی حکومت جانے کی فکر نہیں رہتی ہوگی، پڑوسی ملک کے حملے کا خوف بھی نہیں ہوگا؟ مگر کوئی بھی وزیر اسکے جواب میں ہاں نہیں کہہ پایا۔سب کو کوئی نہ کوئی فکر تھی۔پریشانی تھی۔بادشاہ نے کہا کہ چلو وزیر نہ سہی دوسرے ملازمین تو خوش ہونگے، انھیں میرے پاس حاضر کرو۔دوسرے ملازمین آئے مگر انھیں بھی کئی قسم کی فکر لاحق تھی، ان میں کوئی بھی پوری طرح خوش نہیں تھا۔اب بادشاہ کی خواہش اور بڑھ گئی کہ وہ کسی خوش انسان سے ملاقات کرے۔اس نے اپنے وزراء، امراء اور ملازمین کو کہہ دیا کہ وہ کسی ایسے آدمی کو ڈھونڈ کر لائیں جو پوری طرح خوش ہو۔ہر طرح کے فکر و تردد سے آزاد ہو۔بادشاہ کے حکم کے مطابق سب لوگ پورے ملک میں پھیل گئے مگر کوئی شخص انھیں ایسا نہیں ملا جو ہر قسم کی فکر اور الجھنوں سے آزاد ہو۔اسی دوران انکی ملاقات

Marfat.com

ایک ایسے بے لباس شخص سے ہوئی جو ایک جگہ فٹ پاتھ پر لیٹا ہوا گنگنا رہا تھا۔ نہ جسم پر لباس، نہ سونے کیلئے کوئی بستر، نہ گھر نہ گھر کے ساز وسامان پھر بھی ایسا لگ رہا تھا کہ اسے کوئی فکر نہیں، وہ اپنے حال میں مست ہے۔ نہ ماضی کا کوئی غم ہے اور نہ مستقبل کی فکر۔ شاہی ملازمین نے اس سے پوچھا کہ تم خوش ہو؟ اس نے کہا، ہاں خوش ہوں۔ پوچھا کسی قسم کا کوئی غم والم تو نہیں۔ اس نے جواب دیا نہیں۔ وہ اسے بادشاہ کے پاس لائے، کہ پورے ملک میں یہی ایک خوش وخرم انسان تھا۔

بادشاہ نے پوچھا، تم ہمارے ملک کے تنہا خوش شہری ہو، بتاؤ تمہاری خوشی کا راز کیا ہے؟ اس نے کہا جو بیت چکا ہے اگر اس کا غم کروں تو واپس نہیں آسکتا۔ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں کہ اسکی حفاظت کی فکر کروں۔ کل کیا ہونے والا ہے، میں نہیں جانتا لہٰذا اسکے بارے میں سوچنا فضول ہے۔ میں ماضی کے غم، حال کی فکر اور مستقبل کے تردد سے بے نیاز ہوں، اسی لئے خوش ہوں۔

مولا یہ تمنا ہے کہ جب جان سے جاؤں
جس شان سے آیا ہوں، اسی شان سے جاؤں

گویا خوشی دولت سے نہیں ملتی، دولت لٹانے سے ملتی ہے، یہی وجہ ہے کہ تصوف میں مادہ پرستی کو پسند نہیں کیا جاتا، بلکہ وہاں تنگدستی ہی سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ جب کوئی شخص کسی صوفی کی صحبت اختیار کرنے آتا اور تصوف کے راستے پر چلنے کا ارادہ ظاہر کرتا تو پہلی شرط ہوتی کہ جاؤ اپنی تمام دولت کو غریبوں میں بانٹ کر آؤ۔ جب تک دولت ہے تب تک تمہارا دل، دولت میں لگا رہیگا۔ جو دل دولت میں لگا ہوگا، وہ اللہ میں نہیں لگ سکتا۔ اور وہ دل اللہ کا عرش بننے کے لائق نہیں جس میں غیر اللہ کے لئے جگہ باقی ہے۔

صوفیہ اللہ کی تقسیم پر صبر کرنے کا حکم بھی دیتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ اللہ نے ہر انسان کے لئے ایک حصہ مقرر کیا ہے۔ وہ اس حصے سے زیادہ نہیں پا سکتا۔ اس لئے اسے چاہئے کہ جو کچھ اللہ نے اسے اپنی مہربانی سے عنایت فرمائے اس پر صبر وشکر کا مظاہرہ کرے۔ بے صبری اور ناشکری کر کے وہ اپنے حصے سے زیادہ تو پا نہیں سکتا البتہ وہ اللہ کو بھی ناراض کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ کی

Marfat.com

چاہت اور حرص وہوس آدمی کو بدعنوانی اور چوری، ڈکیتی تک لے جاتی ہے۔اس سے نامناسب اور غلط کام کراتی ہے۔حضرت شاہ ہمدان علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''کعب الاحبار سے روایت ہے کہ اللہ جلّ شانہ نے توریت میں فرمایا ہے کہ اے فرزند آدم! جو کچھ ہم نے تیری قسمت میں کیا اگر تو اس پر راضی ہو جائے تو ہم روح اور راحت کے دروازے تیرے دل اور آنکھ پر کھول دیتے ہیں،اور تجھے اپنی بارگاہ کے مقبولوں سے بنالیتے ہیں۔اگر تو ہماری تقسیم پر راضی نہ ہوگا تو ہم زمانہ کے حادثات تجھ پر مسلط کردیں گے۔حرص کی آگ کے درد سے تو تڑپیگا،جیسا کہ وحشی جنگلوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور خسارا کی مذمت کا داغ اور جدائی کی بدبختی کی رقم تیرے روزگار کی پیشانی پر ہم کھینچیں گے۔پھر فرمایا! ہمیں اپنی عزت اور جلالت کی قسم ہے کہ باوجود اس دوڑ دھوپ کے، بداعمالی کے دنیا کی لذات کو حاصل نہ کرسکے گا،مگر اتنا ہی جتنا ہم نے تمہاری قسمت میں لکھا ہوا ہے۔''

(ذخیرۃ الملوک،صفحہ ۲۰۵)

اللہ کی تقسیم پر راضی ہونا بھی انسان کو بدعنوان ہونے سے روکتا ہے۔وہ اس تقسیم پر راضی ہو کر گویا اللہ کی مرضی پر راضی ہوتا ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں انسان مختلف خصوصیات لے کر پیدا ہوا ہے،کوئی اچھا سنگر (singer) ہے تو کوئی اچھا اداکار۔کوئی اچھا مقرر (SPEAKER) ہے تو کوئی اچھا مصنف۔(WRITER) کوئی اچھا مدرس ہے تو کوئی اچھا محقق۔کوئی اچھا منتظم ہے تو کوئی اچھا ملازم۔یہ خصوصیات اللہ کی تقسیم ہیں۔اسی طرح مال ودولت بھی اللہ کی تقسیم سے ہی ملتی ہے۔کسی کے پاس اتنی دولت ہے کہ وہ خود بھی نہیں جانتا کہ کتنی ہے،لیکن کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کوڑی کوڑی کو محتاج ہیں۔جن کے گھر فاقے ہیں۔جن کے جسم بے لباس ہیں۔یہ سب کچھ اللہ کی تقسیم کا ہی حصہ ہے۔تصوف کی نظر میں آدمی کو اس تقسیم پر راضی ہونا چاہئے اور یہ اصل میں اللہ کی مرضی پر راضی ہونا ہے۔اگر آدمی اس تقسیم پر راضی ہو جائے تو وہ بدعنوان اور کرپٹ نہیں ہوگا۔

Marfat.com

زندگی انمول ہے

تصوف آدمی کو ہمیشہ اس بات کا احساس کراتا ہے کہ اس کی زندگی کا ایک انجام ہے ،اور وہ ہے موت ۔اس سے فرار ناممکن ہے۔موت زندگی کا اختتام نہیں، حیاتِ آخرت کی ابتدا ہے۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

موت سے فرار ممکن نہیں تو آخرت کی تیاری ضروری ہے۔ ہر لمحے جیتی مرتی اس دنیا میں ہر چیز موت کے برحق ہونے کا پیغام دیتی ہے۔

ماٹی کہے کمہار کوں، تو کیا روندے موئے
ایک دن ایسا ہووے گا میں روندونگی توئے

انسان، دنیا میں عیش کرنے کے لئے نہیں آیا ہے، بلکہ اپنے پیدا کرنے والے کی معرفت کے لئے آیا ہے۔وہ جس کام کے لئے آیا ہے وہی کرنا چاہئے ،دوسرے غیر ضروری کاموں میں نہیں پھنسنا چاہئے۔اسے اپنے کئے ہوئے تمام کاموں کا حساب اللہ تعالیٰ کے سامنے دینا ہے۔وہ صرف وہی دولت حاصل کرسکتا ہے جو اللہ نے اسکے لئے حلال کی ہے،اگر وہ اس دائرے سے باہر نکلا تو حد کو پار کرنے والوں میں شمار کیا جائیگا۔تصوف آدمی میں یہ فکر بھی پیدا کرتا ہے کہ اس کی زندگی بہت قیمتی ہے۔ ہیرے جواہرات سے بھی زیادہ۔اسے ضائع نہیں کرنا چاہئے۔حالانکہ بیشتر لوگ اسے لاعلمی میں برباد کر دیتے ہیں۔اسے ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک آدمی صبح سویرے منہ اندھیرے سمندر کے ساحل پر سیر کے لئے نکلا۔اس کے پیر اچانک ایک تھیلے سے ٹکرائے اس نے چھوکر دیکھا کہ ایک تھیلا ہے جس میں کچھ پتھر کے ٹکڑے بھرے ہوئے ہیں۔وہ اس تھیلے کو لے کر سمندر کے کنارے ایک چٹان پر بیٹھ گیا اور ایک ایک پتھر کو تھیلے سے نکال کر پھینکنا شروع کیا۔وہ پھینکتا رہا، مسلسل پھینکتا رہا، بغیر کچھ سوچے سمجھے انھیں پانی میں اچھالتا رہا۔کچھ دیر میں سورج طلوع ہونے لگا اور دن کی روشنی پھیلی تو اس نے دیکھا کہ تھیلے میں سنگریزے نہیں ہیرے کے ٹکڑے تھے،مگر تب تک وہ تمام کو پانی میں پھینک چکا تھا

Marfat.com

صرف ایک بچا تھا ۔ اب اسے بہت پچھتاوا ہوا مگر وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ ایک قیمتی دولت کو لٹا چکا تھا۔ اب پچھتاوے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔ انسانی زندگی کی مثال بھی بلکل ایسی ہی ہے ۔ جو زندگی کی گھڑیاں آدمی کو ملی ہیں وہ انمول ہیں ۔ ساری دنیا کی دولت دے کر بھی ایک لمحہ نہیں خریدا جا سکتا مگر نادان انسان اس انمول دولت کو ایک بیکار پتھر سمجھ کر برباد کرتا جاتا ہے، جب سب کچھ ختم ہو چکا ہوتا ہے اور موت کا فرشتہ بغیر دستک دیئے گھر میں داخل ہو چکا ہوتا ہے تو آدمی کو زندگی کی قیمت کا اندازہ ہوتا ہے مگر تب کفِ افسوس ملنے کے سوا چارہ نہیں ہوتا۔ اب تو "ھا ھا لا ادری " سن کر درس عبرت حاصل کرنے والے بھی موجود نہیں ہوتے ۔

دونوں جہان تیری محبت میں ہار کے
وہ جارہا ہے کوئی شبِ غم گزار کے

تصوف انسان کے اندر زندگی کے قیمتی ہونے کا احساس پیدا کرتا ہے اور وقت رہتے اسے بیدار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ زندگی کے وہ شب وروز جسے آدمی بیکار سمجھ کر فضولیات میں ضائع کر رہا ہے وہ بیکار نہیں بہت قیمتی ہیں ۔ انھیں پتھر کے عام ٹکڑے سمجھنا نادانی ہے، یہ دراصل وہ قیمتی ہیرے ہیں جنکی قیمت ہفت اقلیم کی بادشاہت دے کر بھی ادا نہیں ہوتی ۔ حاصل کلام یہ کہ بدعنوانی کا خاتمہ اسی احساس سے ہوسکتا ہے کہ آدمی یہ سمجھے کہ اسے اپنے ہر عمل کا آخرت میں جواب دینا ہے لہٰذا وہ ملک کی دولت پر ہاتھ صاف نہ کرے، اور اللہ نے اس کے لئے جو چیزیں حلال کی ہیں صرف وہی وہ حاصل کرے اور زندگی بہت قیمتی ہے اسے فضولیات میں ضائع کرنے کے بجائے اسکا صحیح استعمال کیا جائے اور بلاشک تصوف آدمی کے اندر اس قسم کے احساسات کو راسخ کرتا ہے۔

○○○

Marfat.com

داتا گنج بخش سید علی ہجویری فرماتے ہیں۔۔

جو دل محبت سے خالی ہو وہ دل برباد و ویران ہے۔

(کشف المحجوب، صفحہ ۴۴۶)

Marfat.com

اللہ کا پیغام نہیں جانتے کیا
ہر صبح کی ہے شام نہیں جانتے کیا
کیوں ایسے اکڑتے ہیں یہ دولت والے
قارون کا انجام نہیں جانتے کیا
ظفر کمالی

Marfat.com

دنیا کا معاشی نظام اور تصوف

معیشت کا مسئلہ انسان کا بنیادی اور فطری مسئلہ ہے۔ اس کے بغیر اس کی زندگی مشکلوں سے دوچار ہو سکتی ہے۔ اس مسئلے کے حل کے لئے قدرت نے ویسا ہی انتظام بھی کر رکھا ہے۔ یہ زمین بہت بڑی ہے۔ زمین پر کہیں خشکی تو کہیں پانی ہے۔ کہیں سر بہ فلک پہاڑ تو کہیں صحرا ہیں۔ مگر ہر جگہ قدرت نے انسان کی ضرورتوں کی تکمیل کا سامان کر رکھا ہے۔ قدرتی وسائل کی فراوانی ہے۔ جہاں بھوک لگی پھل اور شکار سے اپنی خوراک حاصل کر لی۔ جہاں پیاس لگی پانی، جانوروں کے دودھ اور پھلوں کے رس سے پیاس بجھالی۔ انسان قدرتی وسائل کو کام میں لا کر اپنی معیشت کا مسئلہ حل کر سکتا ہے۔ ان وسائل سے اپنے جسم کو ڈھک سکتا ہے اور یہاں پائے جانے والے

Marfat.com

وسائل کو بروئے کار لا کر اپنے سر چھپانے کا انتظام کر سکتا ہے۔ دنیا کے نظام کو چلانے کا ایک فطری انتظام پہلے سے موجود ہے اور اس نظام کے تحت اگر آدمی اپنی زندگی گزارتا تو بہت آسانی کے ساتھ اس کی زندگی گزر سکتی تھی۔ معاش کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ مگر انسانی ضرورتیں بڑھیں۔ لوگوں کا ایک دوسرے سے لین دین بڑھا اور ہر کسی کی دولت جمع کرنے کی چاہت بڑھی، جس نے نئے نئے مسائل کو جنم دیا۔ آج کی دنیا ایک غیر فطری زندگی جی رہی ہے اس لئے مسائل بھی زیادہ ہیں اور اس میں سب سے بڑا مسئلہ معاش کا ہے۔ اس مسئلے کے حل کے لئے نئے نئے انداز میں کوششیں ہو رہی ہیں۔ دنیا کے جدید اور بڑے بڑے دماغ اس مسئلے کے حل کے سلسلے میں مغزماری کر رہے ہیں۔ عظیم الشان یونیورسیٹیاں اور تعلیمی ادارے اسے سلجھانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں مگر مسئلہ ایسا ہے کہ سلجھنے کے بجائے مزید الجھتا جا رہا ہے۔

عالمی معیشت کی صورت حال

آج کل معاشیات کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کسی بھی ملک کی ترقی اور خوشحالی کا انحصار اس کی پیداوار اور معیشت پر ہوتا ہے۔ ایک ملک کے عوام کی صحت، تعلیم، سلامتی اور سڑکوں، پلوں اور پارکوں کی تعمیر وغیرہ کا انحصار ملک کی معیشت پر ہی ہوتا ہے۔ ملک کے عوام اگر معاشی طور پر خوش حال ہونگے تب ہی وہ سیاسی اور سماجی آزادی کے بارے میں سوچ سکتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ انسانی وسائل کی پیداوار روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور دنیا میں دولت کی ریل پیل ہے مگر اس کے باوجود آج بھی دنیا میں کروڑوں افراد خطِ افلاس سے نیچے زندگی گزارتے ہیں۔ سیکڑوں کل کارخانے موجود ہیں اور ان میں پیداوار ہو رہی ہے لیکن باوجود اس کے تقریباً آدھی دنیا فقر و فاقہ میں جی رہی ہے۔ موجودہ معاشی نظام اگر ایک طرف دنیا کے لئے چیلینج بنا ہوا ہے تو دوسری طرف عالمی معیشت (GLOBLE FINANCE) بھی اس وقت مندی کے دور سے گزر رہی ہے۔ بیشتر کاروبار دھیمے ہیں۔ عوام کی جیبیں خالی ہیں، لوگ بے روزگار ہو رہے ہیں، نوکری پیشہ لوگ

Marfat.com

نوکریاں گنوار ہے ہیں۔ اہل ثروت شیئر بازار سے اپنے پیسے نکال رہے ہیں، شیئرس گرتے جارہے ہیں، جس کے سبب بڑی بڑی کمپنیاں پریشان ہیں۔ عوام میں ایک طرف بے روزگاری بڑھ رہی ہے تو دوسری طرف مہنگائی بھی آسمان چھو رہی ہے۔ ان حالات نے ساری دنیا کے لئے مصیبتیں کھڑی کردی ہیں اور کئی ممالک کے عوام اپنی حکومتوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ روزانہ احتجاجی مظاہرے ہو رہے ہیں اور حکومتوں کو تبدیل کرنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ کئی ملکوں میں تو ان حالات سے پریشان عوام نے اپنے ووٹ کی طاقت کا استعمال کر کے حکومتوں کو تبدیل بھی کردیا ہے۔

امریکہ، جسے عالمی سپر پاور کا درجہ حاصل ہے، اپنی تاریخ کے بدترین دور سے گزر رہا ہے۔ اسکی عظمت کی عمارت بڑی تیزی سے زمیں بوس ہو رہی ہے۔ ملک میں غریبی، بے روزگاری بڑھ رہی ہے۔ بے روزگاری سے تنگ عوام خودکشی کررہے ہیں۔ ہزاروں کمپنیاں دیوالیہ ہو چکی ہیں اور سینکڑوں بینک بند ہو چکے ہیں۔ ہر روز کسی نہ کسی بڑی کمپنی یا بینک کے بند ہونے کی خبر میڈیا میں ضرور آتی ہے۔ نومبر ۲۰۱۱ تک امریکا میں بے روزگاری کی شرح ۱۰ فیصد تک پہنچ چکی تھی۔ عالمی سپر پاور جن ملکوں کو قرض دیتا تھا آج انھیں کی خیرات پر جینے کو مجبور ہے۔ جاپان اور سعودی عرب جیسے ممالک تو شروع سے اسکی معیشت کو سنبھالا دیتے رہے ہیں مگر اب ایسی حالت ہوگئی ہے کہ بھارت اور چین جیسے ترقی پذیر ممالک بھی امریکہ کو قرض دینے والے ملکوں میں سرفہرست آگئے ہیں۔ امریکہ ہر روز قرض کے بوجھ تلے دبتا جارہا ہے۔ وہ روزانہ اربوں ڈالر کے نئے قرض اپنے سر پر لادلیتا ہے، اس حقیقت کو جانتے ہوئے کہ اسکی ادائیگی اب اسکے لئے مشکل ہے بلکہ سود ادا کرنا بھی اس کے لئے دشوار ہوگا۔

امریکہ جیسی ہی صورت حال یورپ کے بیشتر ملکوں کی ہے۔ انگلینڈ، اسپین، اٹلی اور گریس میں تو مزید بدتر حالت ہو رہی ہے۔ ان ملکوں میں تو عوام اپنی حکومتوں سے بیزاری کا اظہار کررہے ہیں۔ زیادہ تر یورپی ممالک بری طرح سے معاشی عدم استحکام کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کے لئے ایک طرف پہاڑ تو دوسری طرف کھائی ہے۔ اب انھیں سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ وہ کس طرف جائیں۔

Marfat.com

قبضہ کرو تحریک

امریکہ اور یورپ کے کئی ملکوں میں عوام معاشی تنگی سے پریشان ہوکر سڑکوں پہ اتر آئے ہیں۔اسکی ابتدا بھی امریکہ سے ہوئی، جسے سرمایہ دارانہ نظام کا گڑھ مانا جاتا ہے۔عوام نے اسے 'وال اسٹریٹ پر قبضہ کرو' مہم کا نام دیا تھا۔یہ تحریک پہلے وال اسٹریٹ سے بڑھتے ہوئے پورے امریکا میں پھیلی پھر رفتہ رفتہ پورے یورپ میں پھیل گئی۔اس میں اب سماج کا ہر طبقہ شامل ہوگیا ہے۔ خاص طور پر اعلیٰ دماغ طبقہ سے پروفیسر، دانشور، قلمکار، صحافی اور ماہرین اقتصادیات اس سے جڑے ہیں۔اسے امریکی حکومت نے بزور طاقت دبانے کی کوشش کی مگر دبا نہیں پائی۔یہ تحریک سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف، عوامی تحریک بن گئی ہے۔احتجاجیوں کا ماننا ہے کہ عوام کا استحصال ہو رہا ہے، وہ اقتصادی نابرابری کے شکار ہو رہے ہیں اور مالی مشکلات میں مبتلا ہو رہے ہیں، جبکہ ایک فیصد افراد چالیس فیصد دولت کے مالک بن بیٹھے ہیں۔اس تحریک کا تصور سب سے پہلے کناڈا کے عوام دوست ایڈبسٹر گروپ (AD-BUSTER) نے پیش کیا تھا۔اس گروپ کا کہنا تھا کہ جس طرح سے دنیا بھر کے وسائل پر سرمایہ دار (CORPORATE) مگرمچھوں نے قبضہ کر رکھا ہے اور جمہوریت کو اغوا کر اسے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کر رہے ہیں، اس کے خلاف اقتصادی مراکز پر قبضے کی تحریک چلائی چاہیے۔یہ تصور اتنا کامیاب ثابت ہوا کہ اب امریکہ کے شہروں سے یوروپ کی بستیوں تک استحصالی نظام کو 'قبضہ کرو' تحریک کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔اب عوام سوال کر رہے ہیں کہ ہمارے ٹیکسوں سے حاصل رقم کو کیوں افغان اور عراقی عوام کی جان لینے پر خرچ کیا جا رہا ہے؟ چند سرمایہ داروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے جنگوں کا سلسلہ کیوں شروع کیا گیا؟ عوام کا خون نچوڑ کر چند مالداروں کی تجوریوں کو بھرنے کی کوشش کیوں کی گئی؟

لندن میں اس تحریک کا مرکز سٹی کا علاقہ ہے جہاں کبھی ایسٹ انڈیا کمپنی کا صدر دفتر ہوا کرتا تھا۔اب یہاں بینک آف انگلینڈ کا مرکزی دفتر ہے اور اسی کے آس پاس دوسرے بینکوں اور بڑی بڑی کمپنیوں کے دفاتر ہیں۔یہاں سرمایہ دارانہ نظام، اقتصادی نابرابری، استحصال، غربت

Marfat.com

اور عدم مساوات کے خلاف تحریک چلانے والے خیمہ زن ہیں۔ انھوں نے اپنی تحریک کو 'لندن پر قبضہ' کا نام دیا ہے۔ اس تحریک کو کئی مہینے بیت گئے اور اب بھی جاری ہے۔ سٹی علاقے میں خیمہ زن لوگ حکومت کی سختی کے باوجود ہٹنے کو تیار نہیں ہیں۔ واضح ہو کہ انگلینڈ بھی انھیں ملکوں میں شامل ہے جہاں اقتصادی نابرابری بڑھی ہے اور بیروزگاری میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ یہاں خطِ افلاس سے نیچے زندگی گزارنے والوں کی تعداد ۲۲ فیصد سے زیادہ ہے۔

کیپٹلزم، سوشلزم یا صوفی ازم

اس وقت جو نظامِ معیشت دنیا میں رائج ہے اسے سرمایہ دارانہ نظام کہا جاتا ہے۔ یہ نظام دنیا میں ہمیشہ رائج رہا ہے۔ اس کے خلاف کوئی دوسرا نظام کم ہی سامنے آیا۔ اس نظام میں غریبوں، مزدوروں اور ضرورت مندوں کے استحصال کی کھلی چھوٹ ہے۔ اسی نظام کے تحت سرمایہ دار اور کارخانہ دار، مزدوروں، غریبوں اور عوام کا استحصال کرتے ہیں۔ اس نظام کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس میں دولت صرف چند لوگوں تک سمٹ کر رہ جاتی ہے۔ آج کل دنیا میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ اگر ساری دنیا کی دولت اور دولت والوں کی فہرست دیکھیے تو ایسا لگتا ہے کہ صرف چند لوگوں کے ہاتھ میں ہی دنیا کی ساری دولت سمٹ کر رہ گئی ہے۔ چند بینکرس، ذخیرہ اندوز اور صنعت کار ساری دنیا کی دولت اور وسائل پر قابض ہیں۔ صدیوں سے انسان اس نظام کے تحت پستا رہا ہے اور استحصال کا شکار رہا ہے۔ اس کے مقابلے میں ایک ایسے نظام کی بات شروع ہوئی جو غریبوں اور استحصال کے شکار لوگوں کے مفاد کی حفاظت کرنے والا ہو۔ اس نظام کو تمام مسائل کا حل بنا کر پیش کیا گیا۔ خیالات کی حد تک یہ نظام انتہائی خواب آور تھا۔ اس کا تجربہ بھی دنیا کے کچھ ملکوں میں کیا گیا مگر عملی شکل میں یہ انتہائی ناقص نظر آیا۔ اسے نام دیا گیا تھا سوشلزم یا سماجواد کا۔ اس نظام کی سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ یہ آدھی دنیا کے مسائل کو حل کرنے کی بات کرتا تھا۔ سرمایہ دارانہ نظام میں جہاں غریبوں کا استحصال ہوتا تھا سوشلزم کے تحت امیروں کا استحصال شروع ہوا۔ گویا پہلے

Marfat.com

طاقت امیروں اور سرمایہ داروں کے ہاتھ میں تھی اور اب غریبوں، مزدوروں کے ہاتھ میں چلی آئی۔ حالانکہ یہ بات بھی صرف بات کی حد تک تھی، اصل میں مزدور تو آج بھی مزدور ہی تھا طاقت تو حکمرانوں کے ہاتھ میں تھی۔ دنیا کے کچھ ملکوں میں اس نظام کا تجربہ کیا گیا۔ پہلے تو اس کے نفاذ میں خون کی ندیاں بہیں۔ لاکھوں انسانوں کی جانیں گئیں، اس کے بعد جب انسانی خون میں ڈوبا ہوا سرخ انقلاب آیا تو سمجھ میں آیا کہ یہ مسئلے کا حل نہیں بلکہ خود ہی ایک مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ تو پہلے سے بھی بڑا مسئلہ بن کر ابھرا۔ سرمایہ دارانہ نظام میں کچھ تو آزادیاں تھیں مگر اس میں وہ آزادیاں بھی عوام سے چھین لی گئیں اور لوگ جلد ہی گھٹن محسوس کرنے لگے۔ سوشلزم کا دنیا کے جن ملکوں میں بھی تجربہ کیا گیا ناکام ثابت ہوا اور جن ملکوں میں اب تک یہ نظام قائم ہے، وہاں عوام گھٹن محسوس کررہے ہیں۔ اب وہ دن دور نہیں جب سوشلزم کا کوئی نام لیوا باقی نہ ہوگا اور یہ تاریخ کا حصہ بن چکا ہوگا۔ کسی بھی غیر فطری نظام کا یہی حال ہوسکتا ہے۔

دراصل سوشلزم ایک جابرانہ نظام ہے جس میں عوام کی معاشی، سیاسی اور سماجی آزادی چھین لی جاتی ہے۔ یہاں ملک کے وسائل اور دولت کی مالک حکومت ہوتی ہے۔ وہ حکومت جو عوام کی منتخب کردہ نہیں ہوتی۔ جو جبریہ طور پر عوام پر مسلط ہوتی ہے۔ ملک کے تمام کل کارخانے اور وسائل پر اسی کا قبضہ ہوتا ہے۔ پہلے مزدوروں کو یہ حق تو تھا ہی کہ اگر ایک سرمایہ دار سے کچھ شکایت ہے تو وہ دوسرے کی ملازمت کرے مگر یہاں تو وہ حق بھی اسے حاصل نہیں ہوتا۔ سوشلزم میں، تخت پر بیٹھے ایک شخص کے ہاتھ میں پورے ملک کے وسائل ہوتے ہیں اور باقی پورا ملک اس کا غلام ہوتا ہے۔ سوشلسٹ ملک دراصل غلام سازی کا کارخانہ بن کر رہ جاتا ہے۔ جہاں انسان کو سیاسی اور سماجی آزادی نہ ہو وہاں معاشی آزادی کی بات بھی ایک مذاق بن کر رہ جاتی ہے۔ یہاں تمام لوگوں سے ان کی صلاحیت کے مطابق کام لینے اور برابر معاوضہ دینے کی بات کہی جاتی ہے مگر دنیا کے کسی بھی ملک میں اب تک یہ ممکن نہیں ہو پایا کیونکہ یہ غیر فطری بات ہے۔ دنیا کا ہر آدمی الگ الگ صلاحیتیں لے کر پیدا ہوتا ہے۔ ہر انسان کے کام کرنے کی صلاحیتیں الگ الگ ہوتی

Marfat.com

ہیں لہٰذا اسی مناسبت سے وہ محنت کرتا ہے اور معاوضہ پاتا ہے۔ یہ بات ہی سرے سے غیر فطری ہے کہ تمام دولت اور وسائل کی مالک حکومت ہو اور ہر شخص کو برابر معاوضہ دے۔ سویت یونین ،چین یا کسی دوسرے کمیونسٹ وسوشلسٹ ملک میں کبھی یہ ممکن نہیں ہو پایا کہ ملک کے تمام شہریوں کی تنخواہیں برابر ہو جائیں۔

سوشلزم اور سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے ایک صوفیانہ نظام بھی ہے۔ جو کسی پر نافذ نہیں کیا جاتا بلکہ انسان خود اپنے اوپر نافذ کرتا ہے۔ اس کی شروعات اپنے آپ سے کی جاتی ہے۔ اس کے نفاذ کے لئے کسی ملک پر قبضہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، آدمی خود اپنے آپ سے اس کی ابتدا کر سکتا ہے۔ ملک بدلنے سے پہلے آدمی خود کو بدلتا ہے۔ ملک تو فرد سے بنتا ہے، اگر فرد بدل جائے تو ملک خود بخود بدل جائے گا۔ یہاں لمبی لمبی باتوں کی گنجائش نہیں۔ یہاں کردار وعمل کی ضرورت ہے۔ یہاں نہ تو کسی کی فطری آزادی پر قدغن لگایا جاتا ہے اور نہ اس سے اس کی دولت چھینی جاتی ہے۔ یہاں تو صرف یہ کہا جاتا ہے کہ انسان اس دنیا میں دولت جمع کرنے نہیں آیا، بلکہ اپنے رب کی معرفت کے لئے آیا ہے۔ اس کا اصل کام عیش وعشرت نہیں بلکہ خدمتِ خلق ہے۔ وہ جو کچھ بھی کمائے اللہ اور اس کے قانون کے مطابق کمائے اور جب اس کی اپنی ضرورت پوری ہو جائے تو باقی دوسروں کو دے دے، تاکہ وہ اپنی ضرورتیں پوری کر لیں۔ یہاں اس انسان کو کتے سے بدتر سمجھا جاتا ہے جو دولت پر قابض ہو کر بیٹھ رہے۔ کیونکہ کتا تو کوڑے کرکٹ پر اپنی ضرورتیں پوری کر کے چلا جاتا ہے مگر دولت کا لالچی انسان اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے بعد بھی مال پر قبضہ جمائے بیٹھا رہتا ہے۔ جمع مال پر سالانہ ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے مگر صوفیہ کا کہنا ہے کہ سال بھر مال کو جمع ہی کیوں رکھا جائے کہ زکوٰۃ کی نوبت آئے۔

دولت کی نامناسب تقسیم

اس وقت عوام الناس کا بڑا مسئلہ دولت کی غیر مساوی تقسیم کا ہے۔ ایک طرف امیر دن

Marfat.com

بہ دن اور زیادہ امیر ہوتے جارہے ہیں تو دوسری طرف غریب دن بہ دن غریب سے غریب تر ہوتے جارہے ہیں۔ بڑی بڑی کمپنیوں کا سرمایہ ہرروز بڑھ رہا ہے تو عوام کا ایک بڑا طبقہ زندگی کے بنیادی وسائل (RESOURCES) سے بھی محروم ہوتا جارہا ہے۔ اگر ایک دولت مند ماہانہ کروڑوں روپئے اپنے پالتو کتے کی کی نگہداشت اور اسکی آرام وآسائش پر خرچ کرتا ہے تو دوسری طرف ایسے لوگ بھی ہیں، جو اپنے بچوں کو دووقت کی روٹی دینے سے قاصر ہیں۔ ایک طرف امیروں کے گھر معمولی معمولی پارٹیوں پہ کروڑوں روپئے بہا دیئے جاتے ہیں تو دوسری طرف غریبوں کی بیٹیاں شادی کے خرچ کی کمی سے اپنے باپ کے گھر بیٹھی بوڑھی ہوجاتی ہیں۔ ایک طرف پیسے کی کمی سے ایک مریض ہاسپٹل تک نہیں پہنچ پاتا تو دوسری طرف ایک مالدار کی جوتیاں لانے چارٹرڈ ہوائی جہاز جاتا ہے۔ عوام کا ایک بڑا طبقہ ٹرینوں کے تھرڈ کلاس میں پولٹری مرغیوں کی طرح سفر کرتا ہے تو دوسرا طبقہ ہوائی جہازوں میں بھی فرسٹ کلاس مانگتا ہے۔ اخباروں کی خبروں کے مطابق بھارت میں کروڑوں افراد سڑکوں پر کھلے آسمان کے نیچے سردی، گرمی اور برسات گزارتے ہیں، کیونکہ ان کے پاس سر چھپانے کے لئے جگہ نہیں۔ دوسری طرف ممبئی میں ریلائنس انڈسٹریز کے مالک مکیش امبانی نے مکان کے نام پر شداد کی جنت تعمیر کی ہے۔ یتیم خانے کی زمین پر تعمیر ہونے والے اس کثیر منزلہ مکان میں عیش وعشرت کا ہروہ سامان موجود ہے جس کا انسان تصور کرسکتا ہے۔ یہاں تک کہ ہیلی پیڈ بھی چھت پر ہی ہے۔ مشہور شراب کمپنی کنگ فیشر کے مالک وجے مالیہ جب کبھی عوام کے سامنے آتے ہیں تو ان کے اردگرد ایک آدھ درجن، ادھ ننگی دوشیزائیں ضرور ہوتی ہیں، یہ ان کی عیاشی کا انداز ہے، جبکہ اس ملک میں ایسے کم عمر بچوں کی کمی نہیں جو قلت تغذیہ کے سبب ٹھیک سے جی بھی نہیں سکتے اور چند سال کی عمر میں ہی دم توڑ دیتے ہیں۔ ملک کے دیہی علاقوں میں عوام کو پانی نہیں مل پاتا ہے اور گرمیوں میں انکی مصیبت اور بڑھ جاتی ہے تو دوسری طرف سیاسی لیڈران گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے سوئزرلینڈ کی حسین وادیوں کا رخ کرتے ہیں۔ سماج میں یہ نابرابری دولت کے غلط بٹوارے کے چلتے آرہی ہے اور اس کا سب

Marfat.com

سے بڑا سبب دنیا کا سرمایہ دارانہ (CAPITALISM) نظام ہے۔سرمائے کی غلط تقسیم اس دنیا کو وہاں لے جارہی ہے جہاں اسے نہیں جانا چاہئے۔

سود پر مبنی معیشت اور اس کے نقصانات

اس وقت دنیا کی معیشت سودی نظام پر مبنی ہے۔اگر آپ بینک میں پیسہ رکھتے ہیں تو اس میں متعینہ مقدار میں سود پاتے ہیں۔اگر آپ بینک سے قرض لیتے ہیں تو اس پہ سود ادا کرتے ہیں۔یہ الگ بات ہے کہ پیسے جمع کرنے پر کم سود ملتا ہے اور قرض لینے پر زیادہ سود ادا کرنا پڑتا ہے۔شیئرس کی خرید وفروخت میں سود ہوتا ہے تو انشورنس کمپنیوں، میوچول فنڈس اور پراویڈنٹ فنڈ کے معاملات بھی سود سے پاک نہیں ہوتے۔بات یہیں تک نہیں رکتی یہ دھندا اب اتنا عام ہو چکا ہے کہ اگر آپ اپنے کریڈٹ کارڈس کا استعمال کرتے ہیں یا کسی چیز کی ادھار خریداری کرتے ہیں تو بھی اس پر آپ سود میں ایک متعینہ رقم ادا کرتے ہیں۔آج ہر چیز بے حد آسانی کے ساتھ ادھار میں مل جائیگی بشرطیکہ آپ سود ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔کار، موٹر سائیکل، ٹرک، ٹرکٹر لینا چاہیں یا ہوائی جہاز ہر چیز آپ کو قسطوں پہ دستیاب ہے، بس آپ کو سود کی ادائیگی کرنی پڑے گی۔دو کمپنیاں آپس میں لین دین کریں یا دو ملک، یہ بغیر سود کے ممکن ہی نہیں۔ایک ملک اگر دوسرے ملک کو قرض دیتا ہے تو سود پر ہی دیتا ہے۔دنیا کے ممالک اربوں کھربوں روپئے کی لین دین اسی طرز پر کرتے ہیں۔اس وقت اس نظام کے علاوہ کوئی دوسرا نظام رائج نہیں۔

سودی نظام کے کچھ مادی فائدے ہو سکتے ہیں، جن سے انکار ناممکن ہے مگر جتنے فائدے ہیں اس سے زیادہ نقصانات ہیں۔یہ نظام ہی معاشی ناہمواری کا سب سے بڑا سبب بھی ہے۔اس کے چلتے ہی ایک آدمی امیر سے امیر تر ہوتا جاتا ہے تو دوسرا غریب سے غریب تر ہوتا جاتا ہے۔کوئی کسی کو قرض حسن دینے کو تیار نہیں، کیونکہ اسے پتہ ہے کہ وہ اس روپئے کو سود پر لگا کر زیادہ سے زیادہ دولت کما سکتا ہے۔سودی نظام کے مکڑ جال میں پھنسے لوگ مشکل ہی سے اس سے باہر آپاتے ہیں، کئی لوگ

Marfat.com

تو اصل سے زیادہ سود ادا کر دیتے ہیں مگر باوجود اس کے ان کا اصل اپنی جگہ برقرار رہتا ہے۔ سود پر پیسے لینے والوں کی زندگیوں کو اکثر تباہ ہوتے دیکھا گیا ہے۔ کئی لوگ تو اپنا گھر اور اپنا شہر تک چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ عہد قدیم میں سود کی ادائیگی کے لئے کئی لوگوں اور انکے بال بچوں کو غلام تک بننا پڑتا تھا، اب دوسرا دور آ گیا ہے آج بہ ظاہر تو غلام نہیں بننا پڑتا ہے مگر سچ پوچھا جائے تو معاشی غلامی آج بھی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ دنیا کے جو ممالک سود کے بوجھ تلے دب جاتے ہیں ان کا اس بوجھ سے آزاد ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ حالات یہاں تک پہونچ جاتے ہیں کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنی پالیسیاں بھی نہیں بنا پاتے اور انھیں بہت کچھ سودی قرض دینے والے ملک کی مرضی کے مطابق کرنا پڑتا ہے۔ سود کے جو فطری نقصانات ہیں انکے علاوہ کچھ نفسیاتی (PSYCHOLOGICAL) نقصانات بھی ہیں۔ جس طرح ایک قرض دینے والا شخص، لینے والے پر خود کو برتر سمجھتا ہے اسی طرح قرض دینے والا ملک بھی خود کو محسن سمجھتا ہے۔ جبکہ قرض لینے والا ملک کبھی دینے والے ملک کے سامنے سر نہیں اٹھا پاتا، وہ خود کو احسان تلے دبا ہوا محسوس کرتا ہے۔ اکثر ممالک سودی قرض کے سبب اپنی خارجہ اور داخلہ پالیسیاں آزادانہ طور پر طے نہیں کر پاتے۔

سود کی لین دین کے کئی اخلاقی و روحانی نقصانات ہیں۔ سب سے بڑا نقصان تو یہی ہے کہ یہ آدمی کے اندر فرعونیت اور قارونیت پیدا کرتا ہے۔ جب وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ پیسے سے پیسہ بنا سکتا ہے اور اس کے لئے نہ تو اسے محنت کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی رِسک لینے کی تو وہ اِس پیسے سے کسی کی مدد کرنا نہیں چاہتا، وہ اِس پیسے کا استعمال پیسہ بنانے میں کرتا ہے۔ آدمی مادہ پرستی اور زر پرستی میں ایسا جکڑ جاتا ہے کہ پھر اُس کے اندر کی اخلاقیات ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ وہ دولت کی محبت میں سنگ دل، سخت دل، خود غرض، مفاد پرست اور بخیل ہو جاتا ہے۔ وہ فیاضی، ایثار، ہمدردی اور عالی ظرفی کی صفات سے عاری ہو جاتا ہے۔ یہ اخلاقی نقصانات، اُس مادی فائدے سے بہت زیادہ ہیں جو وہ سود کے کاروبار میں حاصل کرتا ہے۔ آدمی کی خود غرضی کا ایک بڑا نقصان سماج کو بھی جھیلنا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس سماج میں لوگ خود غرض اور مفاد پرست ہو جائیں، ایک دوسرے

Marfat.com

کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار نہ ہوں اور کسی کی مالی ضرورت کو پورا کرنا نہ چاہیں وہ معاشرہ کبھی خوشحال نہیں رہ سکتا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک گھر میں موت ہو جائے اور دوسرا اِس انتظار میں ہو کہ اگلا اُس سے سود پر پیسے لے کر اپنی ضرورتیں پوری کرے گا۔ ایک کی مجبوری دوسرے کے لئے آمدنی کا موقع بن جائے۔ سماج، محبت اور بھائی چارے کی بنیاد پر بنتا ہے، نہ کہ خود غرضی اور مفاد پرستی کی بنیاد پر۔ اب اگر یہ محبت اور بھائی چارہ ختم ہو جائے اور اس کی جگہ مفاد پرستی وزر پرستی لے لے تو سمجھا جا سکتا ہے کہ ایسے سماج میں رہنا کتنا مشکل ہو جائے گا۔ ایسا ہی معاملہ بین الاقوامی رشتوں کا بھی ہے۔ اگر ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ اچھے برتاؤ کرے اور مصیبت کے وقت اس کے کام آئے تو دونوں کے درمیان اچھے رشتے پنپ سکتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر ایک قوم دوسرے کے ساتھ مفاد پرستی کا رشتہ رکھے تو دونوں کے بیچ محبت بھرے تعلقات کے پنپنے کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ اس کی ایک مثال امریکہ ہے۔ امریکہ اور برطانیہ کے رشتے بہت دیرینہ ہیں اور دونوں کے مفادات بھی لگ بھگ ایک جیسے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران برطانیہ نے اپنے حلیف امریکہ سے قرض لیا تھا۔ برطانیہ چاہتا تھا کہ امریکہ اس سے سود نہ لے، مگر امریکہ نے سود نہیں چھوڑا۔ آج تقریباً ستّر سال بعد امریکہ خود مقروض ہے اور دنیا کے کئی ملکوں کے سامنے اب خود کاسۂ گدائی لئے کھڑا ہے مگر کوئی بھی ملک اسے بلاسودی قرض دینے کو تیار نہیں۔

آج کل لوگوں کی کمائی کا ایک بڑا حصہ سود کی ادائیگی پر خرچ ہو جاتا ہے۔ وہ قسطوں پر سامان کی خریداری ہو یا بینکوں سے لئے گئے قرض (LOAN) کی ادائیگی، کریڈٹ کارڈس (CRADIT CARDS) کا استعمال ہو یا کسی دوسری قسم کی لین دین کا۔ ہر جگہ سودی دھندے جاری ہیں اور ہماری معاشیات کے ساتھ ساتھ سماجی اقدار وروایات کو بھی تباہ کر رہے ہیں۔ کریڈٹ کارڈس کے ذریعے خریداری کرنے والے تاخیر سے نقصان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ خریداری کرتے وقت انھیں ذرا بھی احساس نہیں ہوتا کہ آگے چل کر انھیں کتنا نقصان اٹھانا پڑ سکتا ہے۔ آج کا سب سے پھلتا پھولتا کاروبار ہے MONEY LEWDING

BUSINESS ۔اس نے ہماری معاشیات کو جو نقصان پہنچایا ہے وہ اب جگ ظاہر ہے مگر اسے بدلا نہیں جا سکتا کیونکہ دنیا کے ممالک کی معاشی پالیسیاں سود خور ہی بناتے ہیں۔وہ کبھی عوام کو احساس نہیں ہونے دیتے کہ ان پالیسیوں کے چلتے ان کا کیا نقصان ہو رہا ہے۔

تاجروں اور صنعتکاروں کی بددیانتی کے نقصانات

تاجروں اور صنعت کاروں کی بددیانتی بھی سماج اور ملک کی معاشیات پر زبردست منفی اثرات مرتب کرتی ہے۔اس بات کو سمجھنے کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں، بالکل تازہ مثال ہے بھارت کا سرخیوں میں رہنے والا ٹو جی اسپکٹرم اسکنڈل۔یہ اسکنڈل صنعت کاروں اور وزیروں کی ملی بھگت سے ہوا اور اس سے ملک کی معیشت کو لگ بھگ دو لاکھ کروڑ کا نقصان ہوا۔یہ ایک بڑی رقم ہے اور اب تک مالی بدعنوانیوں کے جو معاملے بھارت میں سامنے آئے ہیں ان میں یہ سب سے بڑا معاملہ ہے۔جتنی رقم اس سلسلے میں خرد برد کی نذر ہوئی اس میں ملک کا کوئی بڑا کام ہو سکتا تھا۔سڑکیں بن سکتی تھیں، بچوں کی اسکولی تعلیم کا انتظام ہو سکتا تھا، لاکھوں غریبوں کے کھانے پینے کا اہتمام ہو سکتا تھا، لاکھوں بیروزگار نوجوانوں کے لئے مستقل روزگار کا انتظام کیا جا سکتا تھا، کئی پسماندہ گاؤں کی پسماندگی دور کی جا سکتی تھی مگر ایسا نہیں ہو پایا اور بے ایمان سیاست و بدعنوان تجارت نے مل کر ملک کو زبردست نقصان پہنچایا۔اس طرح کے معاملات پہلے بھی سامنے آتے رہے ہیں، جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ہری داس مندھرا اسکنڈل، پنڈت جواہر لال نہرو کے وزیر اعظم رہتے سامنے آیا تھا۔یہ بھی بدعنوان سیاست اور بددیانت تجارت کی ملی بھگت کے نتیجے میں سامنے آیا تھا۔اس میں خود وزیر اعظم کے داماد فیروز گاندھی کا نام لیا گیا تھا اور تب کے وزیر خزانہ کو مستعفی ہونا پڑا تھا۔تاجروں اور صنعتکاروں کی بددیانتی کی اور بھی بے شمار مثالیں موجود ہیں، جن سے ملک کے غریب عوام کو بڑا نقصان سہنا پڑا۔تاجروں اور صنعت کاروں کی بدعنوانی کوئی نئی بات نہیں، یہ ہر زمانے میں رہی ہے، لیکن عہد حاضر میں اس کا نیا پہلو یہ سامنے آیا ہے کہ

Marfat.com

آج حکومتیں بھی انکی مرضی کے مطابق پالیسیاں مرتب کرتی ہیں۔ تاجروں اور صنعت کاروں کے جس قدر اثرات آج حکومت پر ہیں اس سے قبل کبھی نہیں دیکھے گئے۔ یہ صنعتی گھرانے سیاسی پارٹیوں کو چندے دیتے ہیں، بلکہ کئی بار اس سے بھی آگے نکل کر رشوت دیتے ہیں ایسے میں ان کے فائدے کو مدنظر رکھ کر پالیسیاں بنانا حکومتوں کی مجبوری بھی رہتی ہے۔ حکومت کی اولین ذمہ داری تو یہ تھی کہ وہ کوئی بھی پالیسی بناتے وقت عوام کے مفاد کو سامنے رکھے، مگر ایسا کم ہوتا ہے۔ جمہوریت میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ عوام نے پانچ سال کے لئے حکومت کا انتخاب کیا ہے تو اب منتخب حکومت، پانچ سال تک جو چاہے کرتی رہے، عوام کچھ نہیں کر سکتے۔ ایک طرح سے وہ پانچ سال کے لئے مجبورِ محض بن جاتے ہیں۔ صوفیہ کی نظر میں امیروں کا ظلم اور تاجروں کی بددیانتی بری ہے۔ خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

''حدیث میں ہے کہ جب آخری زمانہ آئے گا تو امیر لوگ جبر و ظلم کریں گے ،علماء کسب کریں گے اور جہاں میں فساد برپا ہوگا۔ زمین اور پہاڑ تک محفوظ نہ رہ سکیں گے، لوگوں کی گزر بسر تنگ ہوگی۔ پھر فرمایا کہ امیر لوگ جابر ظالم اور بخیل ہو جائیں گے۔ اور علماء عاجز و بے بس ہونگے۔ اس وقت جہان سے برکت اٹھ جائیگی ،شہر ویران ہو جائیں گے اور دین میں خلل آجائیگا۔ تمہیں یاد رہے وہ لوگ دوزخی ہونگے۔'' (انیس الارواح، مجلس۔۲۷)

اوپر کی عبارت اگر آپ نے توجہ سے نہ پڑھی ہو تو دوبارہ پڑھ لیجئے۔ یہ سب جو کچھ ہو رہا ہے وہ تو ہونے ہی والا تھا۔ یہ سب کچھ تاجروں، صنعت کاروں، امیروں اور وزیروں کی بددیانتی کا نتیجہ ہے۔ جب سماج کے امراء دل والے اور غریب پرور ہونگے تو اللہ برکتیں بھی نازل فرمائے گا اور جب انکے اندر ظلم اور بخالت آجائیگی تو لوگوں کی گزر بسر تو تنگ ہوگی ہی، دنیا سے برکتیں بھی اٹھ جائیں گی اور شہر ویران ہونے لگیں گے۔ آج جو برکتیں اٹھ رہی ہیں کیا یہ امیروں کی بخالت اور ظلم کا نتیجہ ہے؟ یہ سوچنے کی بات ہے۔

Marfat.com

معیشت اور تصوف

اہل تصوف کی نظر میں تجارت (BUSINESS) ایک پسندیدہ کام ہے بشرطیکہ اس کا مقصد اچھا ہو۔یعنی اس سے حاصل شدہ دولت کو خیرات کرنا مقصود ہو یا اپنی اور بچوں کی ضروریات کو پورا کرنا مقصود ہو۔صوفیہ اسے پسند نہیں کرتے کہ آدمی دن رات عبادت کرتا رہے اور اپنی ضرورتوں کے لئے دوسروں کا محتاج بنا رہے۔امام محمد غزالی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا اے میرے بیٹے کسب حلال کے ذریعے فقر سے بے نیاز ہو جا کیونکہ جو شخص محتاج ہو جاتا ہے،اسے تین باتیں پہنچتی ہیں۔ دین میں کمزوری،عقل میں کمی،اور عزت و وقار کا خاتمہ۔ان سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے۔''

احیاء العلوم،دوم (کسب کی فضیلت کا بیان)

حضرت ابراہیم بن ادہم مشہور صوفی گزرے ہیں۔یہ کبھی خود بادشاہ تھے مگر تصوف کے راستے پر چلتے ہوئے،تخت و تاج کو خیر آباد کہہ دیا تھا۔ابراہیم بن ادہم اپنے روزگار کے لئے خود جدوجہد کرتے تھے اور دوسروں پہ منحصر رہنا پسند نہیں کرتے تھے۔ایک موقع پر''حضرت اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی تو انکی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا تھا،انھوں نے فرمایا کہ اے ابواسحق! یہ کام کب تک؟ آپ کے بھائی آپ کو کفایت کرتے ہیں۔انھوں نے فرمایا اے ابوعمرو! چھوڑیئے مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص حلال طلب کرنے میں کسی ذلت کی جگہ پر کھڑا ہو،اس کے لئے جنت واجب ہوتی ہے۔اسی طرح حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،ہمارے نزدیک عبادت یہ نہیں کہ تم اپنے پاؤں کو ملائے رکھو اور دوسرے تمہارے لئے روزی تلاش کریں بلکہ پہلے اپنے لئے دو روٹیوں کی فکر کرو،پھر عبادت کرو۔'' احیاء العلوم،دوم (کسب کی فضیلت کا بیان)

صوفیہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے محنت و مشقت سے روزگار حاصل کرنا پسند کرتے ہیں مگر اسی کے ساتھ اگر دولت کمانے کا مقصد محض مالدار بننا یا عیش و عشرت ہے تو یہ انتہائی

Marfat.com

ناپسندیدہ ہے۔ امام محمد غزالی نے لکھا ہے کہ:

''ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ تجارت مطلقاً ہر عمل سے افضل ہے بلکہ تجارت کا مقصد یا تو حسب ضرورت مال حاصل کرنا ہوتا ہے یا امیر بننا مقصود ہوتا ہے یا ضرورت سے زیادہ حاصل کرنا ہوتا ہے، اگر ضرورت سے زیادہ اس لئے حاصل کرتا ہے کہ مال زیادہ ہو جائے اور اسے جمع کیا جائے، خیرات وصدقات میں خرچ کرنا مقصود نہ ہو تو یہ مذموم ہے۔ کیونکہ یہ دنیا کی طرف متوجہ ہونا ہے، جسکی محبت تمام گناہوں کی اصل ہے۔ اگر اسکے ساتھ ساتھ ظالم وخائن ہو تو یہ ظلم اور فسق ہے۔''

احیاء العلوم، دوم (کسب کی فضیلت کا بیان)

تصوف انسان کو راہب یا بھکشو بننے کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ اپنی ضرورتوں کے لئے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہاں تک کہ بیٹے کو بھی اپنے باپ کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی اجازت نہیں۔ وہ کہتا کہ آدمی اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے جدوجہد کرے اور محنت ومشقت سے خود اپنے اور اپنے بال بچوں کی پرورش کے لئے کمائے۔ صوفیہ کا ماننا ہے کہ جو کوئی لوگوں کے سامنے دستِ سوال پھیلاتا ہے اسے کبھی بھی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جو شخص لوگوں سے سوال کرتا ہے نہ تو اسے معرفت نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی وہ ایمان ویقین کے کسی بلند مقام پر فائز ہوتا ہے۔ اس کا ایمان اس کی معرفت اور اس کا یقین کمزور ہے اور صبر کم ہے۔ کم صبری کی وجہ سے سوال کرتا ہے۔ سوال سے وہی شخص بچتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم ومعرفت کو زیادہ جانتا ہے۔ جس کا ایمان ویقین قوی ہے۔ اور جس کی معرفت میں ہر لمحہ ہر آن اضافہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ اس نور معرفت کی وجہ سے مخلوق سے سوال کرتے ہوئے اپنے رب سے شرم وحیا کرتا ہے۔''

(فتوح الغیب، مقالہ ۴۳)

Marfat.com

ایک طرف لوگوں سے مانگنا صوفیہ کی نظر میں برا ہے تو دوسری طرف وہ محنت ومشقت سے کمائی کرنے کو پسند کرتے ہیں شرط یہ ہے کہ اس کا کوئی نیک مقصد ہو۔ صرف دولت جمع کرنے اور دنیا میں لوگوں کے درمیان دولت کے ذریعے شان وشوکت حاصل کرنے کی کوشش کو بھی وہ پسند نہیں کرتے۔ حضرت شیخ شرف الدین یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''شریعت کا فتویٰ یہ ہے کہ جو شخص شان وشوکت اور تفاخر وسربلندی کے لئے دولت طلب کرے گا وہ بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ غصہ اور جلال میں دیکھے گا، اور اس نیت سے مال چاہتا ہے کہ خلق سے بے نیاز ہو کر طاعت میں مشغول ہو تو قیامت کے دن چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکے گا۔''

(مکتوباتِ صدی، مکتوب ۷۴)

دولت انسانی ضرورت ہوسکتی ہے مگر مقصدِ زندگی نہیں۔ جب آدمی اپنی ضرورت کی تکمیل اور بال بچوں کی پرورش اور ان کی تعلیم وتربیت کے لئے دولت کمائے تو تصوف اس کی اجازت دیتا ہے مگر اس کا مقصود قارون وشدّاد بننا ہو تو تصوف اسے انتہائی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اسی لئے حضرات صوفیہ صرف اُتنی ہی دولت حاصل کرنے کی اجازت دیتے ہیں جتنے کی آدمی کو ضرورت ہو۔ اگر زیادہ دولت کمائی جائے تو پھر غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کرنے کے ارادے سے ہو۔ صوفیہ کم سے کم پہ گزارا کرنا پسند کرتے ہیں۔ شیخ شرف الدین یحیٰ منیری تحریر فرماتے ہیں:

''اب تم سمجھ لو کہ دنیا کے تین درجے ہیں۔ بقدرِ ضرورت کھانے، پینے اور کپڑے کے واسطے۔ ایک گھر کی حاجت ہے۔ اس کے علاوہ ضرورت سے زیادہ، زینت وآرائش اور شان وشکوہ میں داخل ہے اور اس کی کوئی انتہا نہیں۔ جس نے اپنی مختصر سی حاجت پر بسر کی وہ پرسشِ عقبیٰ سے آزاد ہوگیا اور جو شان وشوکت کے لئے سرگرداں رہا اُس نے دوزخ میں گھر بنالیا۔'' (ایضاً)

صوفیہ جو کم سے کم میں زندگی گزارنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی کی تعلیم دیتے ہیں اُس

Marfat.com

کا سبب یہ ہے کہ ان کی نظر میں دولت کی زیادتی انسان کی توجہ کو خدا کی طرف سے ہٹا کر دولت کی طرف کر دیتی ہے۔ یونہی اگر دولت زیادہ ہوگی اور آدمی کے پاس زندگی گزارنے کے اسباب زیادہ ہونگے تو کل قیامت کے دن اسے اِن کا حساب بھی دینا ہوگا۔ اہلِ تصوف کا خیال ہے کہ اگر اللہ اپنے فضل سے مال ودولت عطا فرمائے تو بندے کو اس پر اللہ کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ وہ اگر ایسا نہیں کرتا تو ہوسکتا ہے یہ مال ہی خدا سے غفلت کا سبب بن جائے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جب اللہ تعالیٰ تجھے مال وجائیداد عطا فرمائے اور تو اس مال ودولت کی وجہ سے اس کی عبادت سے منہ پھیر لے تو اللہ تعالیٰ تیرے لئے دنیا وآخرت میں حجاب قائم کر دے گا، اور ایسا بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرا مال ودولت چھین لے اور تیرا حال بدل دے، اور منعم حقیقی سے منہ موڑ کر اس کی دی ہوئی نعمت کی طرف مشغول ہونے کی سزا کے طور پر وہ تجھے محتاج کر دے۔

اگر تو نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بجا آوری میں مال ودولت کو حائل نہ ہونے دی تو وہ مال ودولت ہمیشہ کے لئے تجھے بخش دیا جائے گا اور اس میں ذرہ بھر بھی کمی نہ ہوگی، تو اپنے مولیٰ کریم کا خادم اور مال ودولت تیری خادم ہوگی، پھر تو دنیا میں ناز ونعمت کی زندگی بسر کرے گا اور آخرت میں عزت واکرام اور خوش حالی سے جنت الماوی میں صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا۔" (فتوح الغیب، مقالہ ۱۲)

سچ کہا جائے تو دولت آدمی کے لئے بہتر ہے یا بدتر اس کا انحصار اس کے استعمال پر ہے۔ اگر اسے جائز طریقے سے حاصل کیا جائے اور نیک کاموں میں خرچ کیا جائے نیز اسے عطا کرنے والے مالک کا شکریہ بھی ادا کیا جائے تو بہتر ہے اور اگر ناجائز طریقے سے حاصل کیا جائے پھر اسے اللہ ورسول کی مرضی کے خلاف خرچ کیا جائے تو وہ دولت بری ہے۔ اس قسم کی سوچ آدمی کو بھٹکنے سے روکے رکھتی ہے۔ وہ دولتِ دنیا پا کر بے لگام نہیں ہوتا اور اللہ کا شکر گزار بندہ بنا رہتا ہے۔ اللہ کی نعمت پر اس کا شکریہ ادا نہ کرنا اندازِ بندگی کے خلاف ہے۔

Marfat.com

حلال وحرام کا تصور

صوفیہ حلال وحرام کے تصور پر یقین رکھتے ہیں۔یعنی صرف ان چیزوں کا استعمال کیا جائے جو شریعت کی رو سے حلال اور پاکیزہ قرار دی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بادشاہوں اور امیروں کے تحفے قبول کرنے سے پرہیز کرتے تھے۔معاشیات میں اگر اس بات کا خیال رکھا جائے تو کئی اچھے اثرات آدمی کی شخصیت اور سماج پر مرتب ہو سکتے ہیں۔حرام مال اسے کہتے ہیں جو کسی کا دل دکھا کر حاصل کیا جائے یا ناجائز طریقے سے حاصل ہوا ہو یا اسے حاصل کرنے میں اللہ ورسول کے احکام کو نظر انداز کیا گیا ہو۔مشہور صوفی اور سلسلہ قادریہ کے بانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حرام نورِ ایمان کو اس طرح ڈھانپ لیتا ہے اور تاریک کر دیتا ہے جیسے شراب عقل کو تاریک کر دیتی ہے اور ڈھانپ دیتی ہے، اور جب ایمان تاریک ہو گیا تو نماز، عبادات اور نہ ہی اخلاص باقی رہتا ہے۔''

(فتوح الغیب، مقالہ ۴۹)

حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث نقل کرتے ہیں:

''جو آدمی رزق حلال کی طلب سے تھک کر شام کرے وہ رات یوں گزارتا ہے کہ اس کی بخشش ہو جاتی ہے اور صبح یوں کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے۔''

احیاء العلوم، حلال وحرام کا بیان ا مجمع الزوائد جلد ۴، کتاب البیوع

امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے صوفیہ کے اقوال وواقعات بھی اس سلسلے میں پیش کیے ہیں۔جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حلال رزق پر کس قدر زور دیا کرتے تھے۔وہ لکھتے ہیں:

''حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس آدمی کو یہ معلوم ہو کہ پیٹ میں کیا ڈالنا ہے، اللہ اسے صدیق (سچا) لکھ دیتا ہے، تو اے مسکین تمہیں دیکھنا چاہئے کہ تم کس کے پاس افطار کر رہے ہو۔

Marfat.com

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آب زمزم سے کیوں نہیں پیتے تو انھوں نے فرمایا اگر میرے پاس (اپنا) ڈول ہوتا تو پیتا۔"

احیاء العلوم، جلد۲ (حلال وحرام کا بیان)

اس طرح کے دیگر واقعات بھی امام غزالی نے بیان کئے ہیں۔ ویسے یہ امام غزالی تک محدود نہیں بلکہ دیگر صوفیہ اور علماء نے بھی حلال کی فضیلت اور حرام کے نقصان میں بہت کچھ لکھا ہے۔ آج عالمی معیشت کا ایک بے حد منفی پہلو یہ ہے کہ یہ حلال وحرام کے تصور سے بے نیاز ہو گیا ہے اور دولت حاصل کرنے والا کبھی اس پہلو پر غور نہیں کرتا کہ اسے حاصل ہونے والی دولت کس طریقے اور کس ذریعے سے حاصل ہو رہی ہے۔ حرام کی دولت حلال میں مل کر اسے بھی تباہ کر دیتی ہے اور جو دولت اللہ کے عذاب کو دعوت دے وہ کبھی انسانیت کا بھلا نہیں کر سکتی۔ صوفیہ عام طور پر دولت کو جمع نہیں کرتے تھے بلکہ جو کچھ آ جاتا اسے اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیتے تھے مگر وہ اس کے لئے بھی کبھی مشکوک مال نہیں لیتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ بغداد نے ان کی خدمت میں سونے کے سکّوں سے بھری ایک تھیلی پیش کی، جسے قبول کرنے سے انھوں نے انکار کر دیا مگر جب خلیفہ بار بار اصرار کرتا رہا تو جلال میں آ کر فرمایا عوام کے خون چوس کر دولت جمع کرتے ہو اور پھر مجھے دیتے ہو۔ آپ نے اس تھیلی کو نچوڑا تو اس میں سے خون کے قطرے ٹپکنے لگے۔ یقیناً تھیلی سے خون کا ٹپکنا ان کی کرامت تھی، مگر یہ واقعہ یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ حلال وحرام کا تصور صوفیہ کے ہاں کس قدر مضبوط تھا اور وہ مشکوک سے بھی پرہیز کرتے تھے۔

موجودہ عہد میں معیشت کی ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ اخلاقیات سے بھی عاری ہو چکی ہے۔ کاروباریوں کو صرف دولت چاہئے خواہ جیسے حاصل ہو۔ نھیں اس سے مطلب نہیں کہ اس کے حصول میں کن کن حقوق کی پامالی ہوئی ہے اور کسی عظیم منصف کے سامنے پیش ہو کر ہمیں جوابدہ بھی ہونا ہے۔ آج تاجر اور صنعت کار نہ تو دنیا میں خود کو جوابدہ تصور کرتے ہیں اور نہ ہی آخرت میں۔ خدا کا تصور انسان کے ذہن میں موہوم ہوتا جا رہا ہے جبکہ یہی تصوف کی بنیاد ہے۔

Marfat.com

جی ڈی پی اور صوفیہ

معیشت کی بہتری اس میں ہے کہ پیسے کی آمد ورفت جاری رہے۔اسی کو جی ڈی پی (GDP) کہتے ہیں۔جی ڈی پی ملک کی معیشت کو ناپنے کا پیمانہ بھی ہے۔جب لوگوں کے پاس پیسے کی آمد زیادہ ہوگی تو وہ خرچ بھی زیادہ کریں گے اور جب خرچ زیادہ کریں گے تو بازار میں منی سرکولیشن زیادہ ہوگا۔پیسے کی آمد ورفت لوگوں کے معیار زندگی کو بہتر بناتی ہے۔حکومتیں بھی چاہتی ہیں کہ عوام پیسہ جمع کرنے کی بجائے اسکا سرکولیشن کریں۔صنعت کار اور تجارت پیشہ افراد بازار میں اپنی دولت لگائیں۔یہ دولت جب بازار میں ہوتی ہے تو معیشت میں تیزی رہتی ہے اور جب صنعت کار اپنی دولت نکالنے لگتے ہیں تو بازار میں مندی آجاتی ہے اور شیئر بازار گر جاتا ہے۔صوفیہ کی نظر میں دولت جمع کرنا انتہائی برا کام ہے، جب دولت آئے تو فوراً خرچ کردو، اگر ایسا ہوگا تو منی سرکولیشن بھی ہوگا، معیشت میں مندی نہیں آئیگی اور غریبی بھی دور ہوگی۔خواجہ معین الدین چشتی کے ملفوظات میں ہے کہ شیخ بہاء الدین اوشی کی خانقاہ میں جو بھی آتا خالی نہ جاتا، اگر ننگا ہوتا تو نفیس کپڑے دیئے جاتے اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا۔شیخ بہاء الدین اوشی کی نصیحت تھی کہ:

''جو کچھ ملے اسے اللہ کے راستے میں خرچ کرنا چاہئے۔ایک پیسہ بھی پاس رکھنا نہیں چاہئے کہ اللہ سے دوستی ہو۔،، (دلیل العارفین، مجلس۔۱۰)

حضرت سفیان علیہ الرحمہ کا قول ہے:

''تمہارے لئے بہترین دولت وہ ہے جو تمہارے قبضہ میں نہیں ہے اور قبضہ میں آئی ہوئی دولت میں وہ بہترین دولت ہے جو تمہارے ہاتھ سے نکل گئی۔،،

(مکاشفۃ القلوب، باب۔۳۳)

حضرات صوفیہ کی نظر میں دولت جمع کرنے کے لئے نہیں ہوتی، خرچ کرنے کے لئے ہوتی ہے۔اصل کام کی دولت وہی ہے جو کہ خرچ ہو جاتی ہے نہ کہ وہ دولت جو بینکوں اور تجوریوں میں جمع ہوتی ہے۔کیونکہ دولت تب ہی فائدہ پہونچانے والی ہوتی ہے جب اسے خرچ کیا جائے

Marfat.com

،جمع شدہ دولت دوسروں کو فائدہ پہنچاتی ہے،انھیں جو اسے وراثت میں حاصل کرتے ہیں۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''سونے چاندی سے آرام اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب اسے خرچ کیا جائے جب تک اسے خرچ نہ کیا جائے آرام حاصل نہیں ہوتا۔مثلا اگر کوئی شخص کوئی آرزو کھانے پینے یا کپڑے وغیرہ کی کرے تو جب تک وہ روپیہ خرچ نہ کریگا، حاصل نہیں کرسکتا۔تو معلوم ہوا کہ اگر روپے سے راحت عاصل ہوسکتی ہے تو خرچ کرنے سے ہوتی ہے نہ کہ جمع کرنے سے۔بعدازاں فرمایا کہ روپیہ جمع کرنے سے مطلب یہ ہے کہ دوسروں کو آرام پہنچے۔''

(فوائدالفواد،جلد،دوم،مجلس۔٦)

اس قسم کے خیالات صوفیہ کے ملفوظات ،مکتوبات اور انکی کتابوں میں عام طور پر مل جاتے ہیں۔تصوف دولت وثروت سے دور رہنے کی ترغیب دیتا ہے۔وہ انسان کی دنیا میں آمد کا مقصد اپنے خالق ومالک کا عرفان (MYSTICAL EXPERIENCE)بتاتا ہے نہ کہ دولت کا حصول۔ایسے میں دھن دولت کو جمع کرنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔

حضرت نظام الدین اولیاء نے ایک موقعے پر ارشاد فرمایا:

''جب کسی کے پاس دنیا کا زرومال آئے تو اسے خرچ کرنا چاہئے اور جب اس سے منہ پھیر لے تو بھی راہ خدا میں صرف کرے، کیونکہ اسے چلے تو جانا ہی ہے،بہتر ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے صرف کرے۔''

(فوائدالفواد،جلد۔٣،مجلس۔١٥)

حضرت سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ، جناب جنید بغدادی وابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہما کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان سے پوچھا گیا کہ زکوٰۃ کے بارے میں آپ کیا حکم دیتے ہیں؟

''آپ نے جواب دیا کہ مذہبِ عامہ میں تو دوسو درہم سے پانچ درہم دینے

Marfat.com

پڑتے ہیں اور میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ اگر کسی فقیر کی ملکیت میں تمام دنیا ہو اور وہ اس نعمت کو ایک لحظہ کی محبت اور معرفتِ الٰہی کے مقابلہ پر دے دے، میرے نزدیک وہ قصور وار ہی شمار ہوتا ہے۔" (ذخیرۃ الملوک، صفحہ ۸۴)

صوفیہ کی یہ عادت رہی ہے کہ انکے پاس جب جو کچھ بھی آیا اسے خرچ کر دیا اور راہ سلوک پر چلنے والوں کو وہ اسی کی ترغیب دیتے رہے۔ ظاہر ہے اس نظریۂ فکر کو اپنانے والا کوئی بھی شخص دولت کو جمع نہیں کر سکتا اور یہ کسی بھی سماج کی معیشت کے لئے ایک بہتر بات ہوگی۔ منی سرکولیشن کا رک جانا کسی بھی ملک کی معیشت کے لئے سب سے خطرناک ہے، ساری دنیا کے بازاروں میں مندی کا بڑا سبب یہی ہوتا ہے۔ صوفیہ بھی دولت جمع کرنے کو بالکل پسند نہیں کرتے۔

سود صوفیہ کی نظر میں

کسی بھی ملک کی معیشت کے لئے سود بھی انتہائی خطرناک چیز ہے، حالانکہ یہ سودی نظام ہی اس وقت دنیا میں رائج ہے۔ سود، اس وقت عالمی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ ہڈی اب کینسر زدہ ہوگئی ہے۔ اس کی قباحت کی، دنیا اس طرح عادی ہو چکی ہے کہ اب اس کے بغیر کسی دوسرے سسٹم کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ تصوف چونکہ ظاہری اور باطنی پاکیزگی کا سبق دیتا ہے اس لئے وہ سودی نظام کو قطعی پسند نہیں کرتا۔ تصوف ایک تو مادہ پرستی کا مخالف ہے، دوسرے وہ پیسے کو صرف ایک انسانی ضرورت کے طور پر دیکھتا ہے، نہ کہ مقصد زندگی کے طور پر۔ تصوف کی نظر میں دولت اس لئے ہے کہ آدمی اس سے اپنی ضرورتیں پوری کر لے، نہ اس لئے کہ وہ اسی کا ہو رہے۔ صوفیہ سود کو حرام سمجھتے ہیں اور اسے کسی بھی حالت میں لینا دینا جائز نہیں سمجھتے۔ حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا اور اس معاملے میں سخت حکم دیا ہے"

احیاء العلوم، دوم (دوسرا باب، علم کسب)

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

Marfat.com

''جب بعض کتب فقہیہ کی طرف رجوع کیا گیا تو ظاہر ہوا کہ شریعت میں ہر وہ معاملہ جس میں زیادتی ہو وہ بھی سود ہے۔تو اس طرح کا سودی قرضہ بھی حرام ہے اور جو کچھ حرام کے ذریعے حاصل کیا جائے گا وہ بھی حرام ہوگا۔'' (مکتوبات مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب۔۱۰۲)

صوفیہ کے حلقوں میں سود کو انتہائی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔شریعت نے اسے حرام قرار دیا ہے مگر صوفیہ اسے زیادہ سخت برا اور غیر انسانی تصور کرتے ہیں۔اس کی ناپسندیدگی کے تعلق سے ایک اہم واقعہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''ایک رات حضرت امیر نے رفیقانِ مجلس پر بھرپور توجہ ڈالی مگر انھوں نے کچھ اثر قبول نہ کیا۔آپ متعجب ہوئے۔اچانک چراغ گُل ہو گیا۔اسی وقت مجلس میں عجیب وغریب آثار نمودار ہونے لگے۔دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ چراغ ایک سودخوار لایا تھا۔''

(انفاس العارفین، صفحہ ۷۱)

یہاں تو صرف چند مثالیں دی گئیں۔ورنہ حقیقت یہ ہے کہ صوفیہ کے لٹریچر سود کی برائی سے بھرے پڑے ہیں۔وہ اسے انتہائی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ویسے سود ہے بھی اتنا برا کہ اس کے نقصان سے نہ جانے کتنے امیر اور رئیس کنگال ہو چکے ہیں اور بے شمار خاندان برباد ہو چکے ہیں۔آج کا سرمایہ دارانہ نظام سود پر ہی ٹکا ہوا ہے اور یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس نظام سے ملک کی بدحالی دور ہوگی مگر حقیقت یہ ہے کہ ملک کی معیشت کو یہ سودی نظام دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے اور دنیا کی معیشت کی تباہی میں سب سے بڑا ہاتھ اسی کا ہے۔ضرورت مند انسان سود دے دے کر پریشان ہوتا رہتا ہے اور سرمایہ دار بغیر کسی جدوجہد کے مزید دولت مند ہوتا جاتا ہے۔اس سے صحت مند معاشی جدوجہد کو نقصان پہنچتا ہے اور بغیر کوشش کے دولت پانے کی سوچ پروان چڑھتی ہے۔اس سے دولت چند ہاتھوں تک سمٹ کر رہ جاتی ہے۔مالدار خوب مالدار ہوتے جاتے ہیں اور غریب مزید غریب ہوتے جاتے ہیں۔آج کے عالمی سرمایہ داروں کے سرمایے کا اگر جائزہ لیا

Marfat.com

جائے تو پتہ چلے گا کہ ان کی حاصل شدہ دولت کا بیشتر حصہ سود سے حاصل کیا گیا ہے۔ سودی نظام آدمی کے اندر کسی کو قرضِ حسن دینے کی عادت کو پنپنے سے روکتا ہے اور اسے مادہ پرست بناتا ہے۔ آج کے معاشی مسائل کا سب سے بڑا سبب ہمارا سرمایہ دارانہ نظام ہے، جس کا لازمی جزو سود ہے۔

ذخیرہ اندوزی

جن باتوں سے کاروبار کو نقصان پہنچتا ہے ان میں ایک اہم معاملہ ذخیرہ اندوزی ہے۔ مال کی قیمت بڑھانے کے لئے اسے فروخت کرنے سے روک رکھنا ذخیرہ اندوزی ہے۔ دنیا میں صارفین (CONSUMERS) کو سب سے زیادہ تکلیف دینے اور سامان کو مہنگا بنانے والا کام ہے ذخیرہ اندوزی۔ اس سے دنیا میں مصنوعی قحط پیدا کیا جاسکتا ہے اور صارفین کی مجبوری کا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ بھارت میں کئی بار پیاز اور دوسری اشیاء کی کمی ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ عام دنوں میں دس روپے کیلو بکنے والا پیاز اسّی، نوے روپے کیلو تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ مصنوعی قلت عوام کے لئے کئی دشواریاں پیدا کرتی ہے تو تاجروں اور ذخیرہ اندوزوں کے لئے دولت کا انبار لے کر آتی ہے۔ پانچ روپے کی چیز پچاس روپئے تک بک جاتی ہے۔ تصوف کی نظر میں ذخیرہ اندوزی ایک ناپسندیدہ عمل ہے۔ انکے ہاں تو اس بات کی بھی اجازت نہیں کہ کوئی اپنے گھر میں کھانا پانی جمع رکھے پھر مال تجارت جمع کرنے کی اجازت کیسے مل سکتی ہے۔ صوفیہ کا عمل ہمیشہ ذخیرہ اندوزی کے خلاف رہا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی نے ابھی کھانا کھالیا تو اگلے وقت کا کھانا اسے جمع کرنے کی اجازت نہیں۔ اسکی ایک مثال ملاحظہ ہو:

''حضرت خواجہ عبداللہ مبارک ہر وقت تجرید میں رہتے۔ جو آپ کے پاس آتا محروم نہ جاتا۔ آپ کی یہ عادت تھی کہ شام کی نماز ادا کر کے مریدوں کے کمروں میں پھرتے۔ اگر کھانا پانی انکے پاس بہ طور ذخیرہ دیکھتے تو فرماتے کہ یہ محتاج درویشوں کو دے دو اور پانی گرادو کیونکہ ذخیرہ کرنا درویشی نہیں۔ اپنے مریدوں میں سے جس کو دنیا کا ذکر کرتے ہوئے سنتے خانقاہ سے باہر نکال دیتے اور پھر پاس نہ آنے دیتے۔ پھر

Marfat.com

فرمایا کہ آپ کے پاس بہت سا مال و اسباب تھا جب اور مال آتا تو ایک شخص کے حوالے کر دیتے جو محافظِ بیت المال تھا کہ تم ہی اسکا حساب رکھو اپنے پاس بھی نہ آنے دیتے تا کہ دنیا کے کام میں مشغول نہ ہو جائیں۔" (اسرار الاولیاء، فصل ۔۱۴)

جہاں توکل اور اللہ کی ذات پر بھروسے کا یہ عالم ہو، وہاں مال جمع کرنے کی اجازت کیسے مل سکتی ہے؟ تصوف تو توکل، دنیا سے بے نیازی اور اللہ کے بندوں کی خیر خواہی کا نام ہے لہٰذا ایسے کام کی اجازت یہاں کیسے ہوسکتی ہے جس سے بے نیازی اور اپنے خالق و مالک پر بھروسے میں کمی آئے؟ ایسے کام کو کیسے پسند کیا جا سکتا ہے جس سے اللہ کے بندوں کو تکلیف ہو اور عوام کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے؟ امام محمد غزالی لکھتے ہیں

"غلہ بیچنے والا، غلے کا ذخیرہ کر لیتا ہے اور نرخ بڑھنے کا انتظار کرتا ہے، یہ عام ظلم ہے اور ایسا کرنے والے کی شریعت میں مذمت کی گئی ہے۔"

احیاء العلوم، دوم (تیسرا باب)

کئی روایتیں ایسی ملتی ہیں، جب صوفیہ نے ایسی دولت لینے سے انکار کر دی، جو ذخیرہ اندوزی کا شک پیدا کرتی تھیں۔ اسکی ایک مثال نیچے کی سطروں میں دیکھئے:

"ایک بزرگ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ مقام واسط میں تھے، انھوں نے گندم کی ایک کشتی بصرہ کی طرف بھیجی اور اپنے وکیل کو لکھا کہ جس دن یہ غلہ بصرہ میں پہنچے اسی دن اسے بیچ دو، دوسرے دن تک بھی اسے باقی نہ رکھنا۔ اتفاق سے وہاں نرخ سستا تھا اور تاجروں نے اس سے کہا کہ اگر تم اسے ایک ہفتہ تک نہ بیچو تو کئی گنا نفع حاصل ہوگا، چنانچہ اس نے ایک ہفتہ تاخیر کی اور اسے کئی گنا نفع حاصل ہوا۔ اس نے یہ بات غلے کے مالک کو لکھ بھیجی، تو اس نے جواباً لکھا اے فلاں! ہم نے اپنے دین کی سلامتی کے ساتھ تھوڑے نفع پر صبر کیا اور تم نے اسکی مخالفت کی ہمیں کئی گنا نفع پسند نہیں، جبکہ دین کا نقصان ہو رہا ہو۔ تم نے بہت بڑا جرم کیا

Marfat.com

ہے،تو جب میرا خط تمہارے پاس پہنچے تو تمام مال بصرہ کے فقراء پر صدقہ کردو۔شاید میں ذخیرہ اندوزی کے گناہ سے بچ جاؤں۔"

احیاء العلوم، دوم، باب سوم۔

ذخیرہ اندوزی شریعت اور طریقت دونوں کی نظر میں ناپسندیدہ ہے۔یہ عوام کے لئے دشواریاں پیدا کرنا ہے اور انکی مجبوریوں کا ناجائز فائدہ اٹھانے والی بات ہے۔ذخیرہ اندوزی سے حاصل کی ہوئی دولت بھی جائز نہیں۔یہ مادہ پرستی کو بڑھاوا دیتی ہے اور انسان کو دولت کا پجاری بناتی ہے، وہ دوسروں کی پریشانیوں کے تعلق سے بے حس ہو جاتا ہے، جو انسانیت کے تقاضوں کے خلاف ہے۔

معاملات میں دھوکہ نہ ہو

صوفیہ اس بات کی اجازت بالکل نہیں دیتے کہ کوئی بھی تاجر اپنے کاروبار میں دھوکہ اور فریب کرے۔یہاں دھندے میں پہلی شرط یہی ہے کہ سامان کی خامیوں کو اجاگر کردیا جائے۔جنس کی کسی خامی کو چھپانا درست نہیں، اسی طرح اس بات کی بھی اجازت نہیں کہ آدمی کسی سامان کی بے جا تعریف کرکے اسے فروخت کرے۔بے جا تعریف بھی خریدار کو دھوکے میں ڈال دیتی ہے۔آج کل اشتہارات کا زمانہ ہے اور ہر چیز کی فروخت کے لئے اشتہارات (ADVERTISMENTS) ضروری ہیں۔اسی لئے تمام چھوٹی بڑی کمپنیاں پرچار کے لئے اخبارات ورسائل سے لے کر ٹی وی چینلوں اور فلموں تک کا سہارا لیتی ہیں۔شہروں کے راستے ہارڈنگس، پوسٹرس اور بینرس سے بھرے ہوئے دکھائی پڑتے ہیں مگر یہ بڑی عجیب بات ہے کہ یہ اشتہارات جھوٹ کا پلندہ ہوتے ہیں۔یہاں عموماً چیزوں کی خوبیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے اور خامیوں کو بالکل ہی نہیں بتایا جاتا۔یہ بات سراسر دیانت داری کے خلاف ہے اور کاروباری اصولوں کے مطابق بھی نہیں۔صوفیہ تاجروں کو اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ خریداروں کو کسی قسم کا دھوکہ دیں۔معروف صوفی اور عالم دین امام

Marfat.com

محمد غزالی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ:

''ہر وہ کام جس کے ذریعے معاملہ کرنے والے کو نقصان پہنچایا جائے، وہ ظلم ہے۔'' (احیاء العلوم، دوم، باب سوم)

ظاہر ہے کہ جھوٹے اشتہارات کے ذریعے کسی بات کا پرچار کرنا، خریدار کو دھوکہ دینا ہی تو ہے، اور اسکے ساتھ خیانت ہے۔ خواجہ عثمان ہارونی علیہ لرحمہ نے فرمایا:

''تین قسم کے لوگ جنت میں نہ جائینگے۔ ایک جھوٹ بولنے والا فقیر، دوسرا مالدار بخیل، تیسرا خیانت کرنے والا سوداگر۔۔۔ ان تینوں قسم کے لوگوں پر سخت قسم کا عذاب ہوگا۔ جب فقیر جھوٹ بولنا اختیار کرلے اور دولت مند بخیل ہو اور سوداگر خیانت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ دنیا سے برکت اٹھالیتا ہے۔''

(انیس الارواح، مجلس۔۲۵)

صوفیوں کے مطابق خریدار کو دھوکے دینے اور اس کے ساتھ بددیانتی کرنے سے کاروبار کی برکت چلی جاتی ہے اور سوداگر اللہ کے عذاب کا حقدار ہوتا ہے۔ اگر دنیاوی لحاظ سے دیکھا جائے تو دھوکہ دہی کا پہلا نقصان یہ ہوتا ہے کہ خریدار کا بھروسہ تاجر سے اٹھ جاتا ہے۔ وہ دوبارہ اس کے پاس سامان لینے نہیں جاتا اسی طرح ایک کمپنی نے کوئی چیز ایک بار غلط اشتہارات کے ذریعے فروخت کرلی تو دوبارہ لوگ اس کے پروڈکٹس خریدنے کو تیار نہیں ہوتے۔ مکروفریب کاروبار کے لئے زہر قاتل کہ طرح ہے۔

''حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو سچا تاجر پسند ہے یا وہ شخص جو عبادت کے لئے فارغ رہتا ہے؟ انھوں نے فرمایا مجھے سچا تاجر پسند ہے، کیونکہ وہ جہاد میں مشغول ہے شیطان اس کے پاس ناپ تول کے پیمانے کے ذریعے آتا ہے تو وہ اس سے جہاد کرتا ہے۔''

احیاء العلوم، دوم (کسب کی فضیلت کا بیان)

Marfat.com

صوفیہ کی نظر میں ایمانداری اور دیانت کے ساتھ سودا کرنا جہاد جیسا عمل ہے۔ کیونکہ کاروباری کے ذہن میں ہمیشہ اپنا منافع رہتا ہے، وہ جائز طریقے سے حاصل ہو یا ناجائز طریقے سے۔ جو کوئی دیانتداری کا لحاظ رکھتا ہے وہ گویا خوفِ خدا بھی دل میں رکھتا ہے اور یہ خوفِ خدا ہی، شیطان سے لڑنے کا ہتھیار ہے۔

معاملات میں احسان

جس طرح بداخلاقی، سخت کلامی اور بددیانتی کاروبار کو نقصان پہنچانے والی باتیں ہیں اسی طرح خوش اخلاقی اور عدل واحسان سے دھندے میں اضافہ ہوتا ہے۔ صارفین کا بھروسہ قائم ہوتا ہے اور یہ بھروسہ ہی تجارت کو بڑھانے والی چیز ہے۔ کاروباری کے لئے یہ لازمی امر ہے کہ وہ اپنے خریداروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، یہ اچھا سلوک دنیا ہی نہیں آخرت کے لئے بھی مفید ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے عدل واحسان کا حکم دیا ہے اور عدل ہی نجات کا باعث ہے اور تجارت میں وہ مال تجارت کی طرح ہے، اور احسان کامیابی، خوش بختی کا سبب ہے اور تجارت میں یہ نفع کی طرح ہے لہٰذا وہ آدمی عقل مندلوگوں میں شمار نہیں ہوتا جو دنیوی معاملات میں صرف مال پر اکتفا کرے، اسی طرح آخرت کا معاملہ ہے۔ لہٰذا دین دار آدمی کے لئے مناسب نہیں کہ عدل قائم کرنے اور ظلم سے بچنے پر ہی اکتفا کرے اور احسان کے دروازوں کو چھوڑ دے۔" (احیاء العلوم ۲، باب ۴)

احسان کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ یہ دراصل کاروبار سے بھی آگے کی بات ہے۔ اسکی ایک جھلک حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ کی زندگی کے ایک واقعے میں ملتی ہے۔

"حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ نے اپنی ایک خچر چار سو درہموں کے بدلے بیچی۔ جب خریدار پر قیمت لازم ہوگئی تو اس نے کہا اے ابوسعید! کچھ رعایت کریں۔ آپ نے فرمایا میں نے ایک سو چھوڑ دیئے۔ اس نے کہا اے ابوسعید! احسان فرمائیے۔ آپ نے فرمایا میں نے مزید ایک سو چھوڑ دیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے حق سے دوسو درہموں پر

Marfat.com

قبضہ کیا۔انھیں کہا گیا اے ابوسعید! یہ تو نصف قیمت ہے، انھوں نے فرمایا احسان تو اسی طرح ہوتا ہے، بصورت دیگر نہیں ہوتا۔" (احیاء العلوم جلد دوم، باب چہارم)

ایک ملک کی معیشت کو بہتر بنانے کے لئے جن ضابطوں (RULLS) کی ضرورت ہے، وہ تمام تصوف میں موجود ہیں۔جن باتوں سے کاروبار کو فائدہ پہنچتا ہے وہ بھی بتادی گئی ہیں اور جن باتوں سے نقصان پہنچتا ہے انکی نشاندہی بھی کردی گئی ہے۔صوفیہ کا معاشی نظام اصل میں اسلامی نظام کا ہی وسیع ترین روپ ہے۔ اسلام نے ڈھائی فیصد زکوٰۃ مقرر کی ہے، جو امیروں کے مال میں غریبوں کا حصہ ہے، مگر صوفیہ کا ماننا ہے کہ مال جمع کیوں رکھا جائے کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو۔مال اللہ کی عطا ہے اور اسے اسی کے راستے میں خرچ کردینا چاہئے۔یہاں معیشت کی بنیاد حلال وحرام کے تصور پر قائم ہوتی ہے، اس لئے سود جیسے کسی ظالمانہ طریقے کی اجازت نہیں۔یہ نظام انسان کی تمام ضرورتوں کی تکمیل کرتا ہے۔اسے اگر انسان اپنا لے تو دنیا میں کوئی بھوکا، پیاسا اور ننگا نہ بچے۔کوئی ذخیرہ اندوزی نہ کرے اور کوئی کسی خریدار کو خراب مال فروخت نہ کرے۔سامان فروخت کرنے والے غیر اخلاقی ہتھکنڈوں سے دور رہیں اور کنزیومر عدالتوں کی کوئی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔

عوامی معاملات سے ہی ملک کی معیشت چلتی ہے۔کھیتی باڑی اور کاروبار تجارت ملک کی معیشت کے بنیادی عناصر ہیں۔کیونکہ اگر سامان، بازار میں فروخت نہ ہوں تو کارخانے نہ چلیں اور کاشت کاری نہ ہو تو عوام کو خورنی اشیاء نہ حاصل ہوں۔انسان کی سب سے بنیادی ضرورت روٹی، کپڑا اور مکان ہیں۔انکی حصولیابی کے لئے ملک کی معیشت کی بہتری لازمی ہے اور اس میں بہتری تب ہی آسکتی ہے جب کام دھندے دیانتداری سے انجام کو پہنچیں۔یہ بات صرف فرد کے معاملے میں نہیں بلکہ ملک کے معاملے میں بھی لاگو ہوتی ہے۔جس طرح کاروباری خوبیاں ایک فرد کے کاروبار کو درست کردیتی ہیں اور خامیاں بگاڑ پیدا کردیتی ہیں اسی طرح اچھی پالیسیاں ملک کی معیشت کے لئے مفید ہیں اور بری پالیسیاں نقصاندہ۔صوفیہ کے ضابطوں کے مطابق کسی بھی ملک کی پالیسی بھی تیار کی جاسکتی ہے، جو سچائی اور دیانتداری کے ساتھ ساتھ خداترسی پر مبنی ہوگی۔آج دنیا کی معیشت جن مسائل سے دوچار ہے اس کے لئے سب سے زیادہ ذمہ دار موجودہ عالمی معاشی پالیسیاں ہیں، جو دیانتداری، سچائی، اخلاقیات اور خداترسی سے کوسوں دور ہیں۔ ☆☆☆

Marfat.com

زمیں بدلی ، فلک بدلا ، مذاقِ زندگی بدلا
تمدن کے قدیم اقدار بدلے، آدمی بدلا
نئی منزل کے میرِ کارواں بھی اور ہوتے ہیں
پرانے خضرِ رہ بدلے وہ طرزِ رہبری بدلا
فراقؔ

Marfat.com

تصوف اور تعمیر شخصیت

انسان دنیا میں آتا ہے تو کورے کاغذ کی طرح ہوتا ہے، بالکل سفید۔ اس پر ذرہ برابر داغ نہیں ہوتا، کوئی رنگ نہیں ہوتا۔ دنیا کے حالات اس پر مختلف رنگ چڑھاتے ہیں، کئی طرح کی نقاشی کرتے ہیں۔ یہ رنگ کبھی حسین و دل کش ہوتے ہیں تو کبھی بدنما۔ کبھی جاذب نظر ہوتے ہیں تو کبھی دھبے کی صورت۔ عادات واطوار کے انھیں رنگوں کو سیرت کہہ سکتے ہیں۔ آدمی کی سیرت وعادت اگر اچھی ہو تو اسے ایک دنیا پسند کرتی ہے اور اگر بری ہو تو صرف بری عادت والے پسند کرتے ہیں۔ تصوف یوں تو عرفانِ الٰہی کا راستہ ہے مگر اس راستے پر چلنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ آدمی بشری کدورتوں سے پاک ہو اور انسانی خوبیوں سے مالا مال ہو۔ خواجہ معین الدین چشتی کے ملفوظات میں ہے کہ حضرت ذوالنون مصری سے ایک صوفی نے سوال کیا کہ صوفی اور عارف کسے کہتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ:

Marfat.com

''جن کے دل انسانی میل سے پاک ہوں، دنیا اور دنیا کی محبت سے صاف ہوں۔ جب ان میں یہ اوصاف پائے جائینگے تو وہ اعلیٰ درجہ پائیں گے، تمام مخلوقات سے برگزیدہ کہلائیں گے وہ غیر دوست سے دور بھاگیں گے پھر وہ مالک کے ہو جائیں گے نہ کہ غلام کے۔'' (دلیل العارفین، مجلس۔۱۰)

پریم بھاؤ اِک چاہیئے، بھیس انیک بنائے
چاہے گھر میں باس کرے، چاہے بن کو جائے

سلوک کے راستے پر چلنے کی پہلی شرط ہے کہ انسان اپنی بشری خامیوں پر قابو پالے۔ یعنی وہ خرابیاں جو فطری طور پر انسان میں رکھی گئی ہیں، انھیں وہ سمجھے اور پھر ان سے اپنے آپ کو آزاد کرے۔ جیسے نفرت، جھوٹ، غیبت، حسد، کینہ، غرور، تشدد، بداخلاقی، فضول گوئی، خدا اور بندگان خدا کے حقوق سے صرف نظر، اللہ اور رسول کے راستے سے روگردانی وغیرہ۔ حضرت سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ دو صوفیہ کے اقوال نقل کرتے ہیں:

''شیخ ابوبکر وراق فرماتے ہیں، جس نے اعضا کی باگ کو شہوات کے میدان میں ڈھیلا کر دیا گویا اس نے اپنے دل کے باغ میں ندامت کا درخت بھر دیا، جس کا پھل حسرت اور رسوائی کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ وہب بن ورداء فرماتے ہیں جس نے لذات دنیوی کو نہایت خواہش سے چاہا، اس کو آخرت کے واسطے تیار رہنا چاہیئے۔'' (ذخیرۃ الملوک، صفحہ ۱۲۴)

انسانی خامیوں پر قابو پانے کے لئے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان کی برائی کا علم ہو لہٰذا اس راستے پر چلنے کے لئے اولین ضرورت علم ہے۔ کیونکہ علم ہی انسان کو اچھے برے کی تمیز سکھاتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری علیہ الرحمہ نے فرمایا:

''اے طالبِ حق تمہیں علم ہونا چاہیئے کہ علم کی کوئی حد و غایت نہیں ہے اور ہماری زندگانی محدود و مختصر ہے۔'' (کشف المحجوب، صفحہ۔۳۶)

Marfat.com

''یاد رکھو کہ علم کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔ تھوڑے علم کے لئے بہت زیادہ عمل درکار ہے۔ علم و عمل دونوں لازم و ملزوم ہیں لہٰذا علم کے ساتھ عمل ہمیشہ پیوستہ رہنا چاہئے۔ اسی طرح بغیر علم کے عمل رائیگاں ہے۔''

(کشف المحجوب، صفحہ۔ ۳۷)

تصوف پہلے علم حاصل کرنے کو لازم کرتا ہے پھر اس پر عمل کو ضروری قرار دیتا ہے۔ یہاں بے علم عبادت گزار کو اس گدھے کے مشابہ سمجھا جاتا ہے جو چکی میں بندھا ہے اور چل رہا ہے مگر بہت دیر تک چلنے کے باوجود وہیں کا وہیں رہتا ہے۔ ایک قدم کا فاصلہ بھی طے نہیں کر پاتا۔ اصل میں علم کو تصوف میں چراغ راہ کا درجہ حاصل ہے، جس طرح اندھیری رات میں چلنے کے لئے روشنی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح معرفت کی راہ کو طے کرنے کے لئے علم کی ضرورت ہوتی ہے۔ گویا تصوف کا پہلا کام تو یہ ہوتا ہے کہ وہ بے علم کو علم والا بنادے۔ یہی سبب ہے کہ صوفیہ اپنے مریدوں کو راہ سلوک پر چلنے سے پہلے علم سیکھنے کی تلقین کرتے تھے اسی لئے اکثر خانقاہوں سے منسلک مدرسے بھی ہوا کرتے تھے۔

علم پر عمل

جب انسان علم سیکھ لیتا ہے تو اس کے لئے اس پر عمل بھی ضروری ہوتا ہے۔ ایسا شخص جس نے علم سیکھا اور اس پر عمل نہیں کیا اس چوپائے کی طرح ہے جس پر کتابیں لدی ہوں مگر وہ ان کی اہمیت سے بے خبر ہو۔ فارسی کے مشہور شاعر اور صوفی، شیخ مصلح الدین سعدیؔ شیرازی کے مطابق:

نہ محقق بود نہ دانشمند

چار پائے برو کتابے چند

یعنی عالم بے عمل ایسا ہے، جیسے چوپائے پر کتابیں لدی ہوں۔ تصوف آدمی کی شخصیت سازی میں پہلا کام یہ کرتا ہے کہ اسے جاہل سے عالم بناتا ہے، اور جب وہ عالم بن جاتا ہے تو اسے علم پر عمل کرنے کو کہتا ہے۔ اس طرح انسان، عام سے خاص بننے لگتا ہے۔ امیر کبیر حضرت

Marfat.com

سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے اخلاقی خوبیوں کے لئے تربیت کی ضرورت بتائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''انسان کی تربیت تین درجوں پر ہے۔ اوّل زمانہ لڑکپن، جس میں حق و باطل اور نیک و بد کی تمیز نہیں ہوتی اور بچے کے دل کا شیشہ فاسدہ خیالات اور باطلہ اعتقادات سے بالکل صاف ہوتا ہے اور ابھی اس کا نفس شہوات کی مناسبت پر پکا نہیں ہوتا۔ اس حالت میں ناصح کی نصیحت بہت ہی جلد اثر پذیر ہو جاتی ہے۔ اور مرشد کا حکم اس کی طبیعت کی تختی پر مانند پتھر نقش ہو جاتا ہے۔ جو کبھی مٹ نہیں سکتا۔

زمانہ دوم۔ وہ ایسا شخص ہوتا ہے کہ باوجود کہ نیک و بد کا امتیاز کر لیتا ہے مگر شہوات کے غلبہ سے نیک کام پر استقامت نہیں کر سکتا اور طاعت کی برداشت دل پر نہیں رکھتا اور کام کرنے سے دل چراتا ہے، لیکن باوجود اس کے اپنے قصور کا معترف ہوتا ہے۔ ایسے شخص کا حال پہلے زمانہ والے سے ذرا مشکل ہے۔ مشکل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایسے آدمی کی تندرستی کے واسطے پہلے اندر کا مادہ اکھاڑنا پڑتا ہے۔ پھر نیا خیال جمانا پڑتا ہے، جس سے اس کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

زمانہ سوم، وہ شخص ہے جس کے خیالات کی تربیت اور پرورش خیالات فاسدہ پر ہو چکی ہے اور اس کا دل اعتقادات باطلہ کو صحیح مانتا ہے۔ یعنی باطل کو حق اور رات کو دن سمجھتا ہے اور بد کو نیک جانتا ہے اور کڑوے کو میٹھا اور برے کاموں کے کرنے پر فخر کرتا ہے۔ ایسے بد اعتقاد کا درست ہونا پہاڑ کو ناخن سے کھودنا ہے یا سر دلوہے کو کوٹنا یا آگ کو پانی سمجھنا ہوتا ہے۔'' (ذخیرۃ الملوک، صفحہ ۱۱۸۔۱۱۹)

آدمی کی تربیت اور اصلاح کا کام مختلف اوقات اور مختلف طریقوں پر ہوتا ہے، اور صوفیہ اسے تعمیر اخلاق و سیرت کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں۔ صوفیہ کی تعلیمات آدمی کے اندر حیرت انگیز تبدیلیاں پیدا کرتی ہیں۔ وہ سب سے پہلے آدمی کے دل و دماغ کو پاکیزہ بنانے کا کام کرتے ہیں کیونکہ اگر ان کی اصلاح ہو جائے تو جسم اور اخلاق میں بھی پاکیزگی آجائے گی۔ حضرت سید علی ہمدانی لکھتے ہیں:

Marfat.com

''اے عزیز! اہلِ تحقیق کے نزدیک روح اور دل کی صحت کا معیار حسنِ خُلق ہی ہے۔'' (ذخیرۃ الملوک، صفحہ ۱۱۹)

کئی طریقے ہیں آدمی کی تربیت اور اس کی اصلاح کے۔ تصوف، آدمی کی اصلاح اس کے حالات کو مدنظر رکھ کر کرتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو پاکیزہ نفس ہوتے ہیں اور دنیا کے ہر واقعے سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ کسی نے پوچھا آپ نے ادب کس سے سیکھا؟ تو انھوں نے فرمایا بے ادبوں سے۔ لوگوں نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا جاہلوں کا جو کام مجھے پسند نہیں آیا، میں نے اسے چھوڑ دیا۔ (یہ واقعہ ذخیرۃ الملوک سے ماخوذ ہے)

صحبت کا اثر

اس کے بعد وقت آتا ہے آدمی کو اچھائیوں سے مالا مال کرنے اور برائیوں سے پاک کرنے کا۔ اگر انسانی سیرت میں اچھائیاں شامل ہو جائیں تو برائیاں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔ صوفیہ کا اس بات پر زور ہوتا ہے کہ راہ سلوک پر چلنے والا نیکوں کی صحبت اختیار کرے اور بری صحبت سے دور رہے کیونکہ اچھی صحبت اسے اچھا بناتی ہے اور بری صحبت اسے برا بناتی ہے۔ حضرت سعدیؔ شیرازی اپنی مشہورِ زمانہ کتاب'' گلستاں'' کے دیباچے میں اسی بات کو ایک تمثیلی واقعے کی صورت میں بیان کرتے ہیں کہ کسی نے حمام کی مٹی سونگھی تو اسے خوشبو محسوس ہوئی اس نے مٹی سے پوچھا کہ تجھ میں خوشبو کہاں سے آئی؟ مٹی نے جواب دیا:

''جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد، وگرنہ من ہما خاکم کہ ہستم''

یعنی ہم نشین کا حسن مجھ میں اثر کر گیا ورنہ میں تو وہی مٹی ہوں، جو پہلے تھی۔

صحبت کے اثر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیہ نے اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنے کو کہا ہے۔ اگر کسی دوست کی صحبت اختیار کی جائے تو اس میں بھی ضروری ہے کہ اچھے

Marfat.com

آدمی کو دوست بنایا جائے۔ شیخ ابوبکر زقاق مصری سے دریافت کیا گیا کہ کس کی محبت اختیار کی جائے تو فرمایا کہ:

''اس شخص کی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نسبت جو کچھ جانتا ہے اس سے تمہارے دوست کو آگاہ کردے اور وہ اس پر بھی تمہاری صحبت سے گریز نہ کرے اور نہ تم سے تعلق توڑے۔''
(نفحات الانس، صفحہ ۲۹۹)

یعنی صحبت کا قبول کرنا عیبوں سے آگاہی کے بعد ٹھیک رہتا ہے۔ پکے دوست وہی ہوتے ہیں جو انسانی خامیوں سے آگاہی کے بعد بھی دوستی قائم رکھیں۔ انسانی شخصیت مختلف خوبیوں اور خامیوں کی جامع ہوتی ہے لہٰذا ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ دوست اپنے دوست کی خامیوں اور کمیوں سے آگاہی کے بعد دوستی توڑ دے۔ ایسا کرنے والا مخلص دوست نہیں۔ اصل دوستی یہی ہے کہ ایک دوست دوسرے دوست کی انسانی خامیوں سے آگاہی کے بعد بھی دوستی برقرار رکھے اور اس کے اصلاح کی کوشش جاری رکھے۔

شیخ یحیٰ بن معاذ رازی کا قول ہے کہ:

''تم اس شخص کی صحبت میں رہو، کہ جب تم بیمار پڑو تو وہ تمہاری عیادت کو آئے، اور جب تمہارا کوئی عیب اس پر ظاہر ہو تو وہ خود تم سے معذرت کرے۔''
(نفحات الانس، صفحہ۔ ۲۹۹)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے فرمایا کہ:

''اگر کوئی برا آدمی نیکوں کی صحبت اختیار کرے گا تو نیک ہو جائے گا اگر نیک بدوں کی صحبت میں اختیار کرے گا تو بدکار ہو جائے گا۔ جس کسی نے کچھ حاصل کیا وہ صحبت سے حاصل کیا، جو نعمت حاصل ہوئی وہ نیکوں کے طفیل میں حاصل ہوئی۔ پھر فرمایا کہ نیکوں کی صحبت نیک کام سے بہتر ہے اور بروں کی صحبت برے کام سے بری ہے۔''
(دلیل العارفین، مجلس۔ ۱۰)

Marfat.com

شیخ ابو علی رودباری فرماتے ہیں:

''اپنے ناجنس کے ساتھ گزر بسر سب سے زیادہ تنگ قید خانہ ہے۔''

نفحات الانس، صفحہ ۸۱۴

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی لکھتے ہیں:

''فقراء کے آستانوں کی خاکروبی (جھاڑو لگانا) دولت مندوں کے ہاں کی صدر نشینی (اونچے عہدے پر رہنا) سے بہتر ہے۔''

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۱۳۲

فقیروں اور اللہ والوں کے دروازوں پر جھاڑو لگانے والے بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے، جبکہ امیروں کے دربار میں اونچے عہدوں پر بیٹھے لوگ شاید ہی کبھی اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ صوفیہ اچھوں کی صحبت کا حکم دیتے ہیں اور بروں کی صحبت سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔

کیوں بھیجیں وہ جنت میں مجھے اپنی گلی سے
ہاں کوئی خطا قابلِ تعزیر ہماری

وقت کو غنیمت جانو

عوامی کہاوت ہے کہ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ یہ سچ بھی ہے اسی لئے عقلمند ہمیشہ وقت کی قدر کرتے ہیں۔ اسے فضول کاموں میں برباد نہیں کرتے۔ صوفیہ کی تعلیم میں بھی اس پر زور ہے کہ وقت کو برباد نہ کیا جائے۔ جو وقت میسر ہوا سے اللہ کی عطا سمجھتے ہوئے کام میں استعمال کیا جائے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ملا شمس کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا:

''مولانا شمس کو توفیق بخشے کہ جوانی کے موسم کو غنیمت جانیں اور کھیل کود میں صرف نہ کریں اور معمولی چیزوں کے عوض وقت نہ گزاریں، کیونکہ آخرکار ندامت اور پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔'' مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۱۴۳

Marfat.com

آپ ایک دوسرے خط میں ملا محمد صدیق کو لکھتے ہیں کہ:

''فرصت کو غنیمت جانیں اور وقت عزیز کی قدر کریں، رسوم و عادات سے کچھ نہیں بنتا، حیلے بہانے تلاش کرنے سے سوائے خسارہ و مایوسی کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ مخبر صادق ﷺ نے فرمایا ہے، یہ کام عنقریب کرونگا کہنے والے ہلاک ہو گئے ۔موجودہ عمر کو موہوم کام میں صرف کرنا اور موہوم کو موجود کے لئے کیلئے حفاظت کرنا بہت برا ہے۔ چاہئے کہ وقت کی دولت کو اہم کاموں میں خرچ کریں اور ادھار (غیر موجود وقت) کو دنیاوی کاموں اور بے فائدہ آرائشوں کے لئے موخر کردیں۔'' (مکتوبات مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب۔۱۳۳)

مجدد الف ثانی ایک اور خط میں، جو مولانا محمد امین کے نام ہے لکھتے ہیں:

''اس مختصر فرصت میں اپنے قلبی امراض کا، ذکر کثیر (اللہ کو یاد کرنا) کے ذریعے ازالہ کی فکر کرنا سب کاموں سے زیادہ اہم کام ہے اور اس کم مہلت میں ربِ جلیل کی یاد سے چھپی ہوئی بیماریوں کا علاج کرنا بہت بڑے مقاصد میں سے ہے۔''

مکتوبات مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب۔۱۶۶

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت خلیفہ کے مخلص مریدوں میں ایک معمار اکثر و بیشتر یہ شعر پڑھا کرتا تھا

کارِ عالم درازی دارد
ہرچہ گیرد مختصر گیرد

(کاروبار دنیا کی کوئی حد نہیں، اس لئے جس قدر ممکن ہو اسے مختصر کرو اور فرصت کے لمحات کو غنیمت جانو۔)

(انفاس العارفین، صفحہ ۸۰)

Marfat.com

وقت وہ قیمتی دولت ہے جو صرف ایک بار آدمی کے ہاتھ آتی ہے۔اس دولت کو سونے ،چاندی اور ہیرے جواہرات کے بدلے بھی حاصل نہیں کیا جاسکتا۔اسی لئے عقلمند کبھی اس دولت کو ضائع نہیں کرتے ،بہت سوچ سمجھ کر خرچ کرتے ہیں۔

زیادہ بولنا

صوفیہ کے تذکروں، انکی کتابوں اور انکے ملفوظات میں زندگی کو کامیاب بنانے والی باتیں بہت زیادہ ملتی ہیں۔ یہاں علم وحکمت کی باتیں دوسری کتابوں کے مقابلے بہت زیادہ ہیں۔ ان کے مطالعے سے زندگی کامیاب ہوتی ہے اور بہت سی خامیوں سے پاک ہوتی ہے۔صوفیہ زیادہ بولنا پسند نہیں کرتے۔زیادہ بولنا ایک عیب کی طرح ہے،اس سے آدمی کی قدر و قیمت کم ہوتی ہے اور نہ سننے کی عادت سے اس کے ہم نشین بیزار ہو جاتے ہیں۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ زیادہ بولنے والے کام کم کرتے ہیں۔شیخ ابوعلی رودباری علیہ الرحمہ نے فرمایا:

''باتیں زیادہ کرنا اور کام نہ کرنا نقص کی بات ہے اور بہت کام کرنا کم باتیں کرنا عزت کا کام ہے۔'' (نفحات الانس ۸۱۴)

شیخ ابوالحسن بن محمد المزین، جو کہ بغداد کے رہنے والے تھے اور مکہ معظمہ میں رہتے تھے،فرمایا:

''بغیر ضرورت کلام کرنا، بندے پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے۔''

(نفحات الانس،صفحہ ۳۵۷)

کسی بھی چیز کی زیادتی نقصان دہ ہوتی ہے ،جس طرح زیادہ کھانا،نقصاندہ ہوتا ہے،اسی طرح زیادہ بولنا بھی اچھی بات نہیں۔ یہ بات آدمی کی سنجیدہ طبیعت کے خلاف بھی ہے۔ صوفیہ اسے پسند نہیں کرتے۔

شبد برابر دھن نہیں ، جو کوئی جانے بول
ہیرا داموں ملے، شبد کا مول نہ تول

Marfat.com

زندگی میں توازن ہو

زندگی میں ہر جگہ توازن لازم ہے، کسی بھی چیز کی زیادتی اس توازن کو بگاڑ دیتی ہے۔ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ:

''اہل سلوک اپنی خصلتوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آدمی کی کمالیت ان چار چیزوں میں ہے۔ کم کھانا، کم سونا کم بولنا اور لوگوں سے کم میل جول رکھنا۔،،

فوائد السالکین (مرتبہ، بابا فرید الدین گنج شکر) مجلس۔ا

کم کھانا اور کم سونا جسمانی صحت کے لئے مفید ہے، اسی طرح کم بولنا اور لوگوں سے کم میل جول رکھنا فکری صحت مندی کے لئے لازم ہے۔ یہ متوازن زندگی کی علامت ہے اور ضرورت بھی۔ ان باتوں کی حکیم لقمان نے اپنے بیٹے کو بھی نصیحت کی تھی، یہ ذکر مختلف کتابوں میں آتا ہے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے غزنی کے ایک خدا رسیدہ درویش کی نصیحت نقل کی ہے کہ:

''اے درویش! جب تک کم نہ بولے گا اور لوگوں سے میل ملاپ کم نہ کرے گا، درویشی کا جوہر تجھ میں پیدا نہ ہوگا۔ درویش کا گروہ وہ ہے جس نے نیند اپنے لئے حرام کی، زبان گونگی بنالی، عمدہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ لوگوں سے میل ملاپ کو زہریلے سانپ کا زہر قرار دیا، تب اللہ کا قرب حاصل ہوا۔،، (فوائد السالکین، مجلس ا)

فرصت کہاں کہ چھیڑ کریں آسماں سے ہم
الجھے ہوئے ہیں لذتِ دردِ نہاں میں ہم

زیادہ سونا صوفیہ کی نظر میں ناپسندیدہ ہے۔ وہ رات کو بیدار رہ کر اللہ کی عبادت کرنا پسند کرتے ہیں۔ یقیناً نیند بھی جانداروں کے لئے ضروری ہے مگر ضرورت سے زیادہ سونا متوازن زندگی کی علامت نہیں۔ زیادہ سونا بدن میں سستی اور کاہلی لاتا ہے۔ فتوح الغیب (مقالہ ۴۹) میں ہے، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''جس شخص نے نیند پر بیداری کو پسند کیا، جو ہوشیاری اور آگاہی کا سبب ہے، بلاشبہ اس نے

Marfat.com

ناقص اور کمتر چیز کو اختیار کیا۔اس نے خود کو مُردوں میں شامل کر کے تمام بھلائیوں پر غفلت کو پسند کیا، کیونکہ نیند موت کی طرح ہے۔"

آدمی جتنی دیر سوتا ہے، اتنی دیر دین و دنیا سے غافل رہتا ہے۔علم وحکمت سے الگ رہتا ہے۔ اسے اچھے برے کا خیال نہیں رہتا اور اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت منجمد (FREEZE) رہتی ہے۔علم وعمل سے بے خبر رہتا ہے۔اسی لئے انسان کو صرف اتنا ہی سونا چاہیے جتنے کی ضرورت ہے۔

کم ظرفی اچھی بات نہیں

زندگی میں وہی شخص اونچا مقام پاسکتا ہے، جو باظرف ہو۔جس برتن میں جتنی جگہ ہوگی وہ اتنا ہی سامان اپنے اندر جمع کر پائے گا۔ بے صبری کا اظہار آدمی کو کم ظرف ظاہر کرتا ہے۔اسی طرح زندگی میں وہی انسان کچھ حاصل کرسکتا ہے جو کامیابی کو ہضم کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ شیخ احمد بن ابی الورد قدس سرہٗ نے فرمایا:

"جب اللہ تعالیٰ کسی شخص میں ان تین چیزوں میں اضافہ کرے تو ان تین چیزوں کو بڑھا دینا چاہیے۔

جب اس کے مرتبہ میں اضافہ ہو تو وہ تواضع اور عاجزی میں بڑھ جائے۔

جب اس کے مال میں اضافہ ہو تو وہ سخاوت میں بڑھ جائے۔

جب وہ اس کی عمر میں اضافہ فرمائے تو وہ عبادت میں مزید مجاہدہ کرے۔"

(نفحات الانس، صفحہ ۳۰۸)

گویا

گویا خاک جب خاکسار ہوتی ہے
کس قدر باوقار ہوتی ہے

Marfat.com

تاکہ شرمندگی نہ ہو

آدمی کو اپنے ہر عمل کا انجام دیکھنے کو ملتا ہے۔ اگر کسی کام کا انجام دنیا میں سامنے نہ آئے تو آخرت میں ضرور سامنے آئے گا۔ انسان اگر اچھا کام کرے تو اس کے انجام کو دیکھ کر اسے خوشی ہوتی ہے اور اگر وہ برا کام کرے تو اسے دیکھ کر شرمندگی کا احساس ہوتا ہے۔ اس لئے صوفیہ آدمی کو ایسے کام سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہیں جو اسے شرمندگی میں ڈالنے والے ہوں۔ شیخ ابراہیم بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"وہ کام نہ کرو جس سے شرمندگی حاصل ہو۔" (نفحات الانس، صفحہ ۳۲۴)

شیخ سعدی شیرازی، گلستاں، میں کہتے ہیں:

"چرا کارے کنی کہ باز آید پشیمانی"، یعنی ایسا کام کیوں کرنا کہ بعد میں شرمندگی اٹھانی پڑے۔

کرتا تھا تو کیوں رہا، اب کاہے پچھتائے
بویا پیڑ ببول کا تو آم کہاں سے کھائے

اپنی چیز اپنی ہے

اپنی چیز ہر حالت میں اپنی ہوتی ہے، اس پر اپنا اختیار ہوتا ہے، مگر دوسرے کی چیز بہر حال غیر کی ہوتی ہے۔ اسے وقتی طور پر اسکی اجازت سے استعمال تو کیا جا سکتا ہے مگر پورا اختیار نہیں مل سکتا۔ اپنی چیز کا استعمال بھی آدمی اطمینان قلب سے کرتا ہے۔ اسی لئے ایک صوفی، شیخ محمد بن حامد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"انسان اپنے پرانے اور بوسیدہ کپڑوں میں غیر کے نئے کپڑوں سے بدرجہا بہتر ہے۔" (نفحات الانس، صفحہ ۳۵۱)

Marfat.com

یہ انسانی فطرت ہے کہ آدمی دوسروں کی زندگی میں کچھ اچھا دیکھتا ہے تو اس کی آرزو ہوتی ہے کہ اس کی اپنی زندگی میں بھی ایسا ہی ہو۔ جیسے دوسروں کے پاس نعمت اور جاہ ومرتبہ ہے اسی طرح اِس کے پاس بھی ہو۔ اس میں قابل غور بات یہ ہے کہ دنیا میں تمام لوگ یکساں اور برابر نہیں ہوتے، اسی طرح اللہ کی تقسیم بھی سب کے لئے برابر نہیں۔ وہ کسی کو شکل دیتا ہے تو کسی کو عقل۔ کسی کو دولت دیتا ہے تو کسی کو عزت۔ کسی کو شہرت دیتا ہے تو کسی کو وجاہت۔ کسی کو علم دیتا ہے تو کسی کو حلم۔ آدمی کو زیادہ چاہت دنیاوی جاہ ومنصب اور دولت وثروت کی ہوتی ہے مگر اسے چاہیے کہ اللہ کی تقسیم کو قبول کرتے ہوئے، صبر کرے۔ ہر کسی کو ہر نعمت نہیں ملتی۔ وہ فرعون کو حکومت، قارون کو دولت اور موسیٰ کو نبوت عطا کرتا ہے۔ یہ اس کی تقسیم ہے۔

کبھی کسی کو مکمل جہاں نہیں ملتا
کبھی زمیں تو کبھی آسماں نہیں ملتا

نفس پر قابو

تصوف میں نفس پر قابو رکھنے کی خاص تعلیم دی جاتی ہے۔ کیونکہ نفسانی خواہشات اور تمنائیں وآرزوئیں کئی بار آدمی کو غلط راستے پر ڈال دیتی ہیں۔ تمناؤں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ ایک تمنا پوری ہوئی تو دوسری دل میں ابھر آتی ہے۔ ایک خواہش کی تکمیل ہوئی تو دوسری جنم لے لیتی ہے۔ اسی لئے صوفیہ نفس کشی (SELFABNEGATION) کی تعلیم دیتے ہیں۔ کئی صوفیہ کی یہ حالت تھی کہ اگر انھیں کوئی خاص پھل یا کھانا کھانے کی چاہت ہوئی تو انھوں نے نفس کی مخالفت میں کبھی وہ چیز نہیں کھائی۔ حضرت سری سقطی ایک مشہور صوفی گزرے ہیں، انھیں ایک بار ٹھنڈے پانی کی خواہش ہوئی تو نفس کی مخالفت میں پوری زندگی ٹھنڈے پانی سے پرہیز کرتے رہے۔

حضرت داتا گنج بخش شیخ علی ہجویری لکھتے ہیں کہ:

"نفس کے کاموں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک معصیت ونافرمانی، دوسرے کمینہ

Marfat.com

خصائل ۔ جیسے تکبر، حسد، بخل، غصہ اور کینہ وغیرہ ۔ انکے ماسوا وہ تمام باتیں جو عقل اور شریعت کے نزدیک بری اور رکیک ہیں، نفس کے افعال بد ہیں ۔ اس لئے ریاضت ومجاہدے سے ان برے خصائل کو زائل کیا جا سکتا ہے۔"

(کشف المحجوب، صفحہ ۔ ۲۸۴)

حضرت شیخ شرف الدین یحیٰ منیری علیہ الرحمۃ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ برے اخلاق اور ناپسندیدہ کاموں کا وہی (نفس) سبب ہے اور یہ دو قسم کے ہوتے ہیں ۔ ایک معاصی اور دوسرے برے اخلاق جیسے کبر وحسد، بخل اور غصہ وغیرہ ۔ اور ریاضت کے ذریعے ان ناپسندیدہ اوصاف کو اپنی ذات سے دور کیا جا سکتا ہے۔"

(مکتوبات صدی، صفحہ ۴۹۱)

نفس پر قابو کے لئے یہاں عبادت اور مجاہدے کا دستور ہے اسی کے ساتھ، آدمی کو خود اس پر تیار کیا جاتا ہے کہ وہ نفس کی مخالفت کرے ۔

شیخ ابوالحسن صابغ دینوری، دینور کے رہنے والے صوفی تھے مگر مصر میں رہتے تھے اور یہیں ان کا انتقال ہوا، فرماتے ہیں:

"تمنا اور آرزو طبیعت کے بگاڑنے والے ہیں ۔" (نفحات الانس، صفحہ ۳۵۹)

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

خواہشات کئی قسم کی ہو سکتی ہیں ۔ دولت کی خواہش، جاہ و مرتبے اور شہرت کی خواہش، جنسی خواہش وغیرہ وغیرہ، مگر کوئی بھی خواہش اگر بہت زیادہ ہو تو وہ نقصان دہ ہو سکتی ہے ۔ صوفیہ جہاں نفس کشی کے لئے نفس کی مخالفت کا طریقہ بتاتے ہیں وہیں مجاہدہ اور روزے رکھنے کو بھی مفید بتاتے ہیں ۔ خاص طور پر روزے جنسی خواہش کو دبانے کا بہترین ذریعہ ہیں ۔ امام محمد غزالی لکھتے ہیں کہ:

Marfat.com

''ہر عقلمند کے لئے ضروری ہے کہ وہ بھوکا رہ کر شہوات کا قلع قمع کرے۔ اس لئے کہ بھوک اس دشمن خدا نفس کے لئے قہر ہے۔ شیطان کا وسیلۂ ظفر یہی خواہشات اور کھانا پینا ہے۔''

(مکاشفۃ القلوب، باب۔۵)

''ایک دانا کا قول ہے جس انسان پر اس کا نفس غالب آجاتا ہے وہ شہوات کا قیدی ہو جاتا ہے اور بیہودگی کا تابع بن جاتا ہے، اس کا دل تمام فوائد سے محروم ہو جاتا ہے۔ جس کسی نے بھی اپنے اعضاء کی زمین کو شہوات سے سیراب کیا، اس نے اپنے دل میں ندامت کی کھیتی کی۔'' (مکاشفۃ القلوب، باب۔۵)

''شہوات بادشاہوں کو فقیر اور صبر فقیروں کو بادشاہ بنا دیتا ہے۔ آپ نے حضرت یوسف اور زلیخا کا قصہ نہیں پڑھا؟ یوسف علیہ السلام صبر کی بدولت مصر کے بادشاہ ہوئے اور زلیخا خواہشات کی وجہ سے عاجز اور رسوا ہوئی اور بصارت سے محروم بڑھیا بن گئی، اس لئے کہ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں صبر نہیں کیا۔''

(مکاشفۃ القلوب، باب۔۵)

جب آدمی دل کی ہر خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ خواہشات کا قیدی بن جاتا ہے۔ زندگی میں بہت کچھ نفس کی مخالفت سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ خواہشات کی زیادتی بہت سے نقصانات کا سبب بنتی ہے اور صبر و رضا زندگی میں حصولیابی کا سبب۔ حضرت یوسف اور زلیخا کی مثال بہت عام ہے کہ صبر نے یوسف کو غلام سے بادشاہ بنا دیا اور خواہشات نے زلیخا کو ملکہ سے ایک غریب بڑھیا بنا دیا۔ صبر و رضا، زندگی کی بنیادی قدروں میں ہیں۔ تصوف میں اسکی خاص اہمیت ہے۔

شہزادے کنگال ہوئے ہیں، ہر جوڑے پامال ہوئے ہیں
کئی گگن پاتال ہوئے ہیں ایک تری انگڑائی میں

Marfat.com

آدمی وہی ہے

آدمی وہی ہے جس کے اندر انسانی خوبیاں ہوں اور وہ ان سبھی خامیوں پر قابو پالے جنھیں بشری کمزوری سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا صوفیوں کی نظر میں وہی اچھا انسان بھی ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی نے فرمایا کہ:

''میں نے اپنے پیرو مرشد عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے سنا اگر کسی شخص میں تین عادتیں پائی جاتی ہیں تو سمجھ لو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھتا ہے۔ سخاوت، شفقت اور خاکساری۔ سخاوت دریا کی طرح سے، شفقت سورج کی سی اور خاکساری زمین کی سی۔'' (دلیل العارفین، مجلس۔۹)

دریا کو سخاوت کی علامت اس لئے سمجھا جاتا ہے کہ وہ کسی کو خود سے نہیں روکتا۔ ہر کس وناکس اس سے اپنی ضرورت پوری کرسکتا ہے، اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اسی طرح سورج کی دھوپ امیر کے بنگلے اور غریب کی کٹیا میں فرق نہیں کرتی، سب کو برابر فیض پہنچاتی ہے۔ زمین کی انکساری اس لئے ضرب المثل ہے کہ وہ اگر ایک ہلکی سی کروٹ بدلے تو قیامت برپا ہوجائے مگر باوجود اس کے وہ ہر متکبر اور ظالم کو برداشت کرلیتی ہے۔ سب کو اپنے دامن میں پناہ دیتی ہے اور سب کو غذا فراہم کرتی ہے۔ انسان بھی اگر ان خوبیوں کا حامل ہوجائے تو وہ ایک اچھا انسان بن جاتا ہے، ایسا انسان جس میں خدائی صفات موجود ہوں۔

آدمیت جذبۂ ایثار ہونا چاہیے
آدمی کو آدمی سے پیار ہونا چاہیے

غصہ سے بچو

بے موقع اور ضرورت سے زیادہ غصہ اور شہوت کو اخلاقی برائیوں میں شمار کیا جاتا

Marfat.com

ہے، کیونکہ یہ کئی بار بڑی بڑی خرابیوں کا سبب بنتا ہے۔ غصے میں کئی قتل ہوتے ہیں، ایک زندگی ختم ہوجاتی ہے اور دوسری ہمیشہ کے لئے جیل کی کال کوٹھری میں قید ہوجاتی ہے۔ کئی طلاقیں غصے میں ہوتی ہیں اور ایک ہنستی کھیلتی فیملی ہمیشہ کے لئے ٹوٹ کر بے شمار مسائل کا شکار ہوجاتی ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء نے فرمایا:

''جس طرح بے موقع شہوت رانی کرنا حرام ہے اسی طرح بے موقع ناراض ہونا بھی حرام ہے بعد ازاں فرمایا کہ اگر ایک شخص دوسرے پر ناراض ہو اور وہ برداشت کر جائے تو نیکی اسے حاصل ہوگی، جو برداشت کرتا ہے، نہ کہ اسے جو ناراض ہوتا ہے۔'' (فوائد الفواد، جلد ۴ مجلس ۱۷)

تحمل اور برداشت بہت سے مسائل کو اٹھنے سے پہلے دبا دیتے ہیں۔ اسی لئے بار بار تحمل اختیار کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے، اور غصے سے پرہیز کرنے کو کہا جاتا ہے۔ حالانکہ اگر ایک آدمی بداخلاقی کا مظاہرہ کرے تو دوسرے کی طرف سے ایسا ہی رویہ اپنایا جاتا ہے مگر تصوف اس بات کا سبق دیتا ہے کہ اچھے اخلاق کا جواب سبھی اچھائی کے ساتھ دیتے ہیں خوبی تو یہ ہے کہ برائی کا جواب بھی اچھائی سے دیا جائے۔

تو آگ کا دریا ہے تو ہم موم کی کشتی
اس موم کی کشتی سے ندی پار کریں گے

حضرت نظام الدین اولیاء نے فرمایا:

''دو چیزیں ہیں۔ ایک قلب، دوسرے نفس۔ جب کوئی نفس سے پیش آئے تو اس سے قلب سے پیش آنا چاہئے۔ یعنی نفس میں دشمنی غوغا اور فتنہ ہے اور قلب میں سکوت رضا اور نرمی۔ یعنی جب کوئی لڑے تو اس سے نرمی سے پیش آئے، تاکہ نفس مغلوب ہوجائے۔ لیکن اگر کوئی شخص نفس سے پیش آئے اور دوسرا بھی نفس سے پیش آئے تو پھر دشمنی کی کوئی حد نہیں رہتی۔ پھر تحمل اور حلم کی فضیلت میں یہ شعر پڑھا۔

Marfat.com

زہر بارے چو کاہے گر بگزری
اگر کوہے شوی گاہے نہ لرزی

(یعنی اگر تم تنکے کی طرح ہوا کے ہر جھونکے سے لرزو گے تو پہاڑ ہونے کے باوجود بھی تنکا تمہاری قیمت نہ ہوگا۔،،)

(فوائد الفواد، جلد۔۴ مجلس۔٦)

حلم اور برداشت کئی ممکنہ خطروں کو ٹال دیتا ہے اور کئی بار دشمن کو بھی دوست بننے پر مجبور کر دیتا ہے۔ یہ اخلاقی خوبی ہے اور غصہ اخلاقی خرابی۔ ناقابلِ برداشت غصہ بعض وقت ناقابل تلافی نقصان کا سبب بھی بنتا ہے۔ اس کا پہلا نقصان تو خود غصہ کرنے والے کی صحت کو ہی پہنچتا ہے۔

ہم سے مجبور کا غصہ بھی عجب بادل ہے
اپنے ہی دل سے اٹھے اپنے ہی دل پر برسے

اس سلسلے میں حضرت سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

''اے عزیز! ظلم و ستم اور غضب بری صفات میں سے ہیں۔ یہ سب غرور و تکبر کی شاخیں اور پھل ہیں اور ہلاک کر دینے والی ہیں۔ ان کا دور کرنا تمام بھائیوں پر فرض عین ہے۔''

(ذخیرۃ الملوک، صفحہ ۳۸۰)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد شاہ عبدالرحیم علیہ الرحمہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

''سیر ہو کر کھانا، غصہ اور شہوت جیسے برے اوصاف پیدا کرتا ہے۔''

(انفاس العارفین، صفحہ ۲۳۷)

غصہ انسانی فطرت کا حصہ ہے اور اس کے کچھ فائدے بھی ہیں مگر ضرورت سے زیادہ غصہ یا بے موقع غصہ کرنا یا ایسا غصہ کہ آدمی کی عقل ہی کام نہ کرے، یقیناً دین اور دنیا دونوں کے

Marfat.com

لئے نقصاندہ ہے۔ تمام علماء حکماء اور صوفیہ اس کی مذمت کرتے ہیں۔ حد اعتدال سے زیادہ غصہ انسانی شخصیت کی خرابی سمجھا جاتا ہے۔ صوفیانہ تربیت آدمی کے دماغ کو ٹھنڈا اور اس کی فکر کو تیز کردیتی ہے۔ اس طرح تعمیرِ سیرت میں تصوف ایک اہم کردار نبھا سکتا ہے۔

حسد کی خرابی

حسد، جلن ایسی بیماری ہے جو دوسروں کو نہیں خود حاسد کو ہی نقصان پہنچاتی ہے۔ لہٰذا اس سے فائدہ کچھ نہیں، نقصان بہت ہے۔ اگر کوئی کسی کی کوئی خوبی یا نعمت و دولت کے چلے جانے کی تمنا کرے تو وہ دولت یا نعمت نہیں جائیگی مگر حاسد خود حسد کی آگ میں جلتا رہے گا۔ خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

"بعض علماء کا قول ہے کہ حسد کو دل سے نکال دینا چاہیئے۔ جب حسد دل سے نکال دینگے تو جنت میں جائینگے۔ پھر فرمایا علماء سے حسد نہایت بدتر ہے کیونکہ دنیا والوں کا حسد تو صرف دنیا کے مال تک محدود رہتا ہے اور دنیا کا مال ناپائیدار ہے اور فانی ہے۔ اسکے حسد کا بھی یہی حال ہے۔ اسکے برعکس علماء میں حسد قائم رہتا ہے۔"

(انیس الارواح مجلس ۔۱۷)

بابا فرید گنج شکر نے خواجہ یحیٰ معاذ رازی کے حوالے سے فرمایا کہ:

"جب آسمان سے حکمت اترتی ہے تو اس دل میں قرار نہیں پاتی ہے جس میں یہ چار خصلتیں ہوں۔ پہلے دنیا کی لالچ دوسرے اس بات کی فکر کہ کل کیا کریں گے۔ تیسرے مسلمانوں کے ساتھ بغض اور حسد۔ چوتھے شرف اور مرتبے کی دوستی۔"

(راحت القلوب، مجلس ۔۱۵)

"ایک دانا کا قول ہے کہ میں نے لوگوں میں سب سے زیادہ غمگین حسد کرنے والے کو، سب سے بہترین زندگی والا قناعت پسند کو، سب سے زیادہ مصیبتوں پر صبر

Marfat.com

کرنے والا لالچی کو اور سب سے زیادہ شرمندہ حد سے بڑھنے والے عالم کو پایا ہے"

(مکاشفۃ القلوب، باب۔۳۳)

حضرت اصمعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "میں نے ایک دیہاتی کو دیکھا جس کی عمر کے ایک سو بیس سال گزر چکے تھے، میں نے اس سے کہا تمہاری عمر کتنی لمبی ہے، جواب دیا، میں نے حسد ترک کر دیا، لہٰذا میں بچا رہا۔"

(اردو ترجمہ رسالہ قشیریہ، صفحہ۔۳۳۶)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اے مومن! کیا بات ہے میں تجھے اپنے ہمسائے سے حسد کرنے والا دیکھتا ہوں۔ تو اس کے کھانے، پینے، لباس و مکان، عورت و مال اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں اور اور اس کی عطا پر حسد کرتا ہے۔ تجھے معلوم نہیں حسد ایک خطرناک مرض ہے جو ایمان کو کمزور اور مولیٰ سے دور کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث ہے۔"

(فتوح الغیب، مقالہ ۳۷)

حسد کی خرابی عوام و خواص سب کے سامنے ظاہر ہے۔ یہ ایک بہت بڑی اخلاقی برائی ہے۔ صوفیہ اسے ناپسند کرتے ہیں اور انسان کو اس سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اصل میں حسد کسی کو ملی ہوئی خوبی یا نعمت کی وجہ سے ہوتا ہے، کسی کو ملی ہوئی نعمت کو ناپسند کرنا اور یہ آرزو رکھنا کہ یہ نعمت اس سے چھن جائے، اللہ کی مرضی میں مداخلت کے مصداق ہے۔ انسان کو نعمتیں دینے والا تو اللہ ہے، اس نے جسے بھی دیا ہے اور جو کچھ بھی دیا ہے اس کی مرضی ہے، پھر کسی اور کو کیا مجال کہ اس کی مرضی میں مداخلت کی کوشش کرے۔ حسد کی ایک خرابی یہ ہے کہ حاسد خود حسد کی آگ میں جلتا رہتا ہے۔ وہ برا چاہ کر دوسرے کا نقصان نہیں کر سکتا، بس اپنی آگ میں جلتا رہتا ہے۔ گویا حسد سے خود حاسد کا نقصان ہے۔

Marfat.com

عورتوں کے ساتھ بدسلوکی

سماج پر مردوں کا قبضہ ہے،اس لئے لگ بھگ ہر دور میں عورتوں کو دوسرے نمبر کے شہری کا درجہ حاصل رہا۔ ہر دور میں ان پر ظلم ہوا اور ان کا استحصال ہوا جو آج بھی جاری ہے۔اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ جرائم عورتوں کے خلاف ہوتے ہیں، جو دنیا کے لئے ایک تشویش ناک بات ہے۔ دنیا کے بیشتر ملکوں میں عورتوں کے ساتھ بھید بھاؤ اور زیادتی کے خلاف قانون موجود ہے مگر اس کے باوجود اس میں کمی نہیں آئی۔شاید یہاں مردوں کی ذہنیت بدلنے کی ضرورت ہے۔تصوف یہی کرتا ہے کہ یہ قانون بنانے کے بجائے لوگوں کی سوچ بدلنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ عورتوں کے ساتھ بدسلوکی کی اجازت بالکل نہیں دیتا۔وہ عورتوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کے لئے لوگوں کو ذہنی طور پر تیار کرتا ہے۔اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جہاں قانون اور قانون کے رکھوالے موجود نہیں وہاں بھی عورتوں کے خلاف ہونے والی زیادتی کو روکا جا سکتا ہے۔حضرت امیر حسن سنجری، اپنی کتاب فوائد الفواد جلد چہارم کی مجلس ۱۴۱، میں خواجہ نظام الدین اولیاء کی ایک مجلس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ملیح جو میرا پرانا یار ہے، تھوڑی مصری لایا تھا، کیونکہ اس کی لڑکی کا نکاح ہوا تھا۔خواجہ صاحب کو معلوم ہوا کہ ملیح کے ہاں چار لڑکیاں ہیں۔الغرض مصری دیکھ کر پوچھا کہ کیسی ہے؟ میں نے عرض کی کہ اس کی لڑکی کا نکاح ہوا ہے۔خواجہ صاحب نے اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ جس کے ہاں ایک لڑکی ہو اس کے اور دوزخ کے درمیان پردہ ہو جاتا ہے۔تیری تو چار لڑکیاں ہیں۔پھر زبان مبارک سے فرمایا کہ ابوالنبات نے مرزوق کو کہا کہ بیٹیوں کا رزق فراخ ہوتا ہے۔''

فوائد الفواد چہارم کی مجلس ۵۲ میں امیر حسن سنجری، نظام الدین اولیاء کی ایک اور محفل کے ذکر میں لکھتے ہیں:

''میں نے عرض کی کہ دیوگیر میں تھا تو میرے پرانے خدمت گار ملیح نے ایک

Marfat.com

لونڈی خریدی جو بچہ ہی تھی، اور اسکی قیمت پانچ تنکے (سکے کا نام) ادا کی۔ جب لشکر شہر کی طرف واپس آنے لگا تو اس کنیز بچی کے والدین نے آ کر منت سماجت کی کہ دس تنکے لے لو اور لڑکی ہماری ہمیں دے دو۔ مجھے ان پر رحم آ گیا۔ میں نے اپنے پاس سے دس تنکے ملیح کو دے کر وہ بچہ خرید لیا اور اس کے والدین کو واپس دیا، اور دس تنکے بھی واپس دیئے۔ آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا بڑا اچھا کیا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ جب میں نے یہ کام کیا تو مولانا علاء الدین کے فعل کو اصول بنا کر کیا، جس کی حکایت جناب سے سن چکا ہوں۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ہاں اسی طرح ہوا تھا کہ مولانا علاء الدین کے پاس ایک بڑھیا لونڈی تھی جو نئی خریدی گئی تھی۔ بدایوں میں سحر کے وقت جب مولانا بیدار ہوئے تو وہ چکی میں آٹا پیس رہی تھی اور رو رہی تھی۔ مولانا نے وجہ پوچھی تو کہا کہ سواس کا نھر میں میرا بیٹا رہتا ہے، جسکی جدائی سے میں روتی ہوں۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر میں تجھے نماز گاہ تک چھوڑ آؤں تو آگے اپنے گاؤں میں چلی جائیگی؟ اس نے کہا کہ ہاں چلی جاؤں گی۔ آپ اسے نماز گاہ تک چھوڑ آئے اور چند روٹیاں بھی اسے دیں۔،،

اس گفتگو کے بعد آپ نے فرمایا کہ:

''سعادت کے تالے کی کئی چابیاں ہیں، یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ کس چابی سے کھل جائے گا۔ اس لئے اسے تمام چابیوں سے کھولنا چاہئے، اگر ایک سے نہ کھلے تو شاید دوسری سے کھل جائے، اگر اس سے بھی نہ کھلے تو شاید اور چابی سے کھل جائے۔،،

یوں تو انسان اور دوسرے سبھی جاندار، صوفیہ کی نظروں میں قابل رحم ہیں اور حسن سلوک کے مستحق ہیں مگر ان کے تعلق سے الگ الگ جگہوں پر الگ الگ انداز میں وصیت بھی کی گئی ہے۔ ذرو او پر کی عبارت کی آخری سطروں کو دوبارہ پڑھئے اور محسوس کیجئے کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے کس انداز میں عورتوں کے ساتھ حسن سلوک پر مائل کیا ہے۔

Marfat.com

گالی گلوج

ہر اک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

بدگوئی کو برصغیر میں تکیہ کلام کی حیثیت حاصل ہے۔ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو ایک سانس میں کئی کئی گالیاں دے سکتے ہیں اور دیتے بھی ہیں۔ دلی جیسے شہروں میں گالیاں اتنی عام ہیں کہ ان کے بغیر گفتگو مکمل ہی نہیں ہوتی۔ دنیا کے دوسرے ملکوں کے لئے یہ شاید اچنبھے کی بات ہو کہ ہمارے ہاں سالے، سالیاں اور بہنوئی کے رشتوں میں گالیاں دی جاتی ہیں اور اِس بدتہذیبی کو تہذیب کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے،اس کے لئے کوئی برا بھی نہیں مانتا۔اسی طرح بھارت کے بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ میزبان، باراتیوں اور مہمانوں کا استقبال گالیوں سے کرتے ہیں۔ اسے ایک ایسی سماجی روایت کا درجہ حاصل ہے کہ بصورت دیگر فریق مخالف بھی شک وشبے میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ گالیاں کیوں نہیں دی گئیں، کیا ہمارے نئے رشتے دار ناراض ہیں؟ بدگوئی کسی بھی مہذب سماج میں اچھی نہیں مانی گئی ہے۔صوفیہ کی مقدس محفلوں کے لئے تو یہ اور بھی بری ہے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

''جو شخص کسی مسلمان کو گالی دیتا ہے وہ گویا اپنی ماں بہن کے ساتھ زنا کرتا ہے اور حضرت موسیٰ کی لڑائی میں فرعون کا ساتھ دیتا ہے۔ جو گالی دیتا ہے اس کی کچھ دن کے لئے دعائیں قبول نہیں ہوتیں، اگر وہ بغیر توبہ کے مرجائے تو گنہگار ہوگا۔،،

(انیس الارواح،مجلس۔۸)

گالیاں اکثر ہی کسی بڑی لڑائی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔ایک چھوٹی سی بات بڑھ کر لڑائی کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔جب ایک شخص کسی کو گالیاں دیتا ہے تو دوسرا اسے زیادہ غلیظ گالیاں دیتا ہے اسی لئے اسے صوفیہ ناپسند کرتے ہیں اور بدترین بات سمجھتے ہیں۔ یہ وہ برائی ہے جس سے کسی کو کوئی بھلائی نہیں ملتی۔

Marfat.com

غرور

غرور وتکبر کو سماج کے ہر طبقے میں برا مانا گیا ہے۔ یہ وہ اخلاقی خرابی ہے جو آدمی کو آدمیت سے دور کردیتی ہے۔ خاک سے خاکساری چھین لیتی ہے۔ سچ قبول کرنے کے راستے میں حائل ہوجاتی ہے۔ یہ خرابی انسان کو خدا بننے کی طرف دھکیلتی ہے اور اسے خدا کی بندگی سے دور کردیتی ہے۔ تصوف کی پہلی شرط ہی یہ ہے کہ انسان غرور وتکبر کو چھوڑ کر عاجزی اور انکساری کا نمونہ بن جائے۔ صوفیہ بادشاہوں کی مجلسوں کو اس لئے بھی ناپسند کرتے تھے کہ وہاں کی ہر چیز سے غرور وتکبر کا اظہار ہوتا تھا۔ راہ سلوک پر چلنے والوں کے لئے اکثر جنگلوں سے جلاون کاٹ کر لانے کا حکم ہوتا تھا اور ان سے خانقاہوں میں جھاڑو لگانے، کھانا پکانے اور برتن دھونے جیسی خدمات لی جاتی تھیں۔ یہ سب انھیں گھمنڈ اور خود بینی سے پاک کرنے کے لئے کیا جاتا تھا۔ اس کے نقصان کے تعلق سے حضرت امام محمد غزالی لکھتے ہیں کہ:

''خوب غور کرلو کہ تکبر اور خود بینی فضائل سے دور کردیتے ہیں اور رزائل کے حصول کا ذریعہ بنتے ہیں اور تیری رزالت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ تکبر تجھے نصیحت نہیں سننے دیتا اور تو اچھی عادتوں کے قبول کرنے سے پس وپیش کرتا ہے، اسی لئے دانشمندوں نے کہا ہے کہ حیا اور تکبر سے علم ضائع ہوجاتا ہے۔ علم تکبر کے لئے مصیبت ہے، جیسے کہ بلند بالا عمارتوں کے لئے سیلاب مصیبت ہوتا ہے۔ فرمانِ مصطفوی ہے وہ شخص جنت میں نہیں جائیگا جس کے دل میں ایک رائی کے دانے برابر بھی تکبر ہوتا ہے۔،، مکاشفۃ القلوب، باب۔٦٦

امام ابوالقاسم عبدلکریم قشیری اپنی مشہور زمانہ کتاب رسالہ قشیریہ میں لکھتے ہیں:

''کہا جاتا ہے کہ تواضع ایک ایسی نعمت ہے جس پر کوئی شخص حسد نہیں کرتا اور گھمنڈ ایک ایسی مصیبت ہے جس پر کوئی شخص رحم نہیں کھاتا اور عزت تواضع میں ہے، جس نے گھمنڈ میں عزت تلاش کیا وہ اسے نہیں پاسکتا۔'' (اردو ترجمہ رسالہ قشیریہ، صفحہ ٣٢٣)

Marfat.com

یحیٰ ابن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''انکساری ہر شخص کے لئے اچھی چیز ہے مگر مالدار کے لئے اور بھی اچھی چیز ہے، اور گھمنڈ ہر شخص میں بدنما معلوم ہوتا ہے اور محتاج میں اور بھی زیادہ برا لگتا ہے۔''

(اردو ترجمہ رسالہ قشیریہ، صفحہ ۳۲۵)

حضرت سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''نقل ہے کہ ابنِ سماک (رحمۃ اللہ علیہ) ہارون رشید کی مجلس میں آئے اور کہا کہ اے امیر المومنین آپ کی خلافت اور بادشاہی سے آپ کی تواضع زیادہ شریف تر ہے۔ ہارون نے کہا، آپ نے بہت اچھا کہا کچھ اور بھی فرمایئے! پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ جس کو مال و جمال اور بزرگی دیتا ہے اگر وہ اس مال سے بندگانِ خدا کی غم خواری کرتا ہے اور جمال میں پارسا رہتا ہے اور بزرگی میں تواضع کرتا ہے تو دیوانِ الٰہی میں اس کا نام مقرب مخلصوں میں لکھا جاتا ہے۔ ہارون نے کہا اس بات کو آبِ زر سے لکھ دو۔''

(ذخیرۃ الملوک، صفحہ ۳۷۱)

سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور موقع پر تحریر فرماتے ہیں:

''اے عزیز! جاننا چاہئے کہ تکبر بری صفتوں میں سے نفس امارہ کی ایک صفت ہے، دو قسم پر ہے۔ ایک اندرونی جسے خُلق کہتے ہیں اور یہ اصل ہے۔ دوم ظاہری جس کا اثر اعمال اور اعضاء پر پڑتا ہے۔ اس کو فرع و شاخیں اور پھل کہتے ہیں۔ اصل باطن ہی ہے اور باطن کی اصل ہی حرکات کا باعث اور ظاہری اعمال کا مصدر ہوتا ہے اور اس کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اپنا مرتبہ دوسرے سے بڑھ چڑھ کر جانتا ہے، کیونکہ اپنے آپ کو اچھا جان کر دوسروں کو برا جاننے لگتا ہے۔''

(ذخیرۃ الملوک، صفحہ ۳۴۸)

حاصلِ کلام یہ کہ تکبر اور گھمنڈ صوفیہ کی نظر میں بہت بری عادت ہے اور تواضع،

Marfat.com

انکساری اچھی ہے۔ صوفیہ کے علاوہ بھی کوئی شخص گھمنڈ کو پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھتا۔ یہ سوچنے کی بات بھی ہے کہ انسان فانی ہے، اس کا جاہ وجلال اور ملک ومال فانی ہے، اس کی عزت وشرافت اور حسن وجمال فانی ہے پھر اسے گھمنڈ کس بات کا؟

یہ گھڑا ٹوٹ جائے گا اِک دن
کس لئے مٹی کو غرور لگے

غیبت

غیبت اور چغلخوری کئی برائیوں کو جنم دیتی ہیں۔ ایک کی بات دوسرے سے کہنا اور دوسرے کی بات یہاں کہنا یہ جھگڑوں کا سبب بھی بنتا ہے۔ اسی لئے صوفیہ اسے ناپسند کرتے ہیں۔ یہ اخلاقی برائیوں میں سے ایک ہے۔ معروف صوفی اور عالمِ دین امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے کہ:

"حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن بدترین آدمی دو چہروں والا ہوگا، چغلخور ہوگا، جو آپ کے پاس اور چہرہ لے کر آتا ہے اور دوسرے کے پاس اور چہرہ لے کر جاتا ہے، اور فرمایا کہ جو دنیا میں چغلخوری کرتا ہے قیامت کے دن اس کے منہ سے آگ کی دوزبانیں نظر آئیں گی۔" (مکاشفۃ القلوب، باب۔۲۰)

جناب ابوحفص الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ:

"میں کسی انسان کی غیبت کرنے کو ماہِ رمضان کے روزے نہ رکھنے سے بدتر سمجھتا ہوں، پھر فرمایا جس نے کسی عالم کی غیبت کی تو قیامت کے دن اس کے چہرے پر لکھا ہوا ہوگا، یہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہے۔" (مکاشفۃ القلوب باب۔۲۰)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ گزر چکا ہے کہ غیبت کرنے والے کے پاس ایک کھجوروں کی طشت بھجوائی اور کہلوا بھیجا کہ آپ نے میری غیبت کر کے اپنی نیکیاں میرے

Marfat.com

نامۂ اعمال میں منتقل کرائیں اس کے لئے شکریہ۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ غیبت کرنے والوں کی نیکیاں اس شخص کے نامۂ اعمال میں منتقل ہوجاتی ہیں جسکی غیبت کی جاتی ہے۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم قشیری لکھتے ہیں:

''کہتے ہیں کہ قیامت کے دن بندے کا اعمال نامہ جب لایا جائے گا اور وہ اس میں کوئی نیکی نہیں دیکھے گا تو کہے گا، میری نماز، میرا روزہ اور عبادت کہاں گئی۔ جواب ملے گا،لوگوں کی غیبت کرنے کی وجہ سے تمہارے تمام اعمال بے کار گئے۔''

(ترجمہ رسالہ قشیریہ، صفحہ۔۳۴۲)

نشہ خوری

اس وقت دنیا میں منشیات کی ایک بڑی صنعت ہے۔ساری دنیا میں یہ اربوں کھربوں روپئے کا کاروبار ہے۔منشیات صرف شراب کی صورت میں نہیں ہے بلکہ اسکی مختلف شکلیں ہیں۔دنیا میں منشیات کی لعنت سے کروڑوں افراد کی زندگیاں تباہ ہورہی ہیں،اربوں روپئے ان کی صحت پر خرچ ہورہے ہیں۔اسی طرح نشے میں گاڑی ڈرائیو کرنے کی وجہ سے ہر سال پوری دنیا میں لاکھوں حادثے ہوتے ہیں مگراس کے باوجود نشہ آور چیزوں کو بڑھاوا دیا جارہا ہے۔صوفیہ اسے نہ صرف ناپسند کرتے ہیں بلکہ اسے بدترین سمجھتے ہیں۔ایک بار خواجہ عثمان ہارونی کی محفل میں منقا اور انگور کے شربت کے متعلق بات چل رہی تھی تو آپ نے ،،مشارق الانوار،، کے حوالے سے فرمایا کہ:

''اس میں لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شراب حرام اور خراب ہے،اگر منقا یا انگور بطور شربت پی لیا جائے تو حلال ہے اگر انھیں شراب کشید کرنے کے لئے گرمائی دی جائے تو اس کا پینا حرام ہے، پھر آپ نے اس شخص پر لعنت فرمائی، جو شراب پئے یا بیچے یا اس کی قیمت سے کچھ کھائے۔ پھر خواجہ صاحب کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔یہ شریعت اسے حرام قرار دیتی

Marfat.com

ہے ورنہ طریقت میں ندی کے پانی سے اگر اللہ کی عبادت میں سستی اور کاہلی آئے
تو وہ بمنزلہ شراب کے ہے۔،،

انیس الارواح (مرتبہ خواجہ معین الدین چشتی) مجلس۔۶

توبہ سے بڑھ کے ذوقِ لبِ بادہ گوں ہوا
مینائے مے مرے لئے مینائے خوں ہوا

اسی طرح حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''شیطان شراب کو اس کی نگاہ میں اچھی چیز بنا دیتا ہے۔ کہتا ہے کہ یہ مفید چیز ہے، اس کے پینے سے سرور آتا ہے۔ غم دور ہو کر خوشی میسر آتی ہے۔ آدمی تندرست وتوانا رہتا ہے۔ تو یہ سب باتیں شیطان کا فریب ہے۔ شیطان نے ایسے لوگوں کو شبہہ میں ڈال رکھا ہے۔ وہ اس کے نقصان سے واقف اور گمراہ ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ وہ ہلاکت کا کام کر رہے ہیں۔ شراب پینے سے دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہیں رہتی۔ دین و دنیا دونوں برباد ہو جاتے ہیں۔ اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔ شراب نوشی سے عقل جاتی رہتی ہے، جس پر دین اور دنیا کے سارے کاموں کا دارومدار ہے۔''

(اردو ترجمہ غنیۃ الطالبین، صفحہ ۲۷۷)

کوئی بھی نشہ آور چیز انسانی صحت کے لئے نقصاندہ ہے۔ صوفیہ اسے سختی سے منع کرتے ہیں۔ یہ ایسی چیز ہے جس کا نقصان جگ ظاہر ہے پھر بھی پینے والے پیتے ہیں اور حکومتیں اسے بنانے اور فروخت کرنے کے لائسنس تقسیم کرتی ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہر ملک کے قومی بجٹ کا ایک بڑا حصہ منشیات کے استعمال سے ہونے والی بیماریوں پر خرچ ہوتا ہے مگر باوجود اس کے یہ کاروبار حکومتوں کی سرپرستی میں جاری رہتا ہے۔ سماج میں ہونے والے بیشتر جرائم کے لئے یہی منشیات ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اسی لئے شراب کو تمام برائیوں کی ماں قرار دیا جاتا ہے۔ اگر شراب پر کنٹرول کر لیا جائے تو بہت سے جرائم پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

تحفظِ ماحولیات

آج کل ساری دنیا میں ماحولیات کا تحفظ ایک بڑا مسئلہ بن گیا ہے۔اس سے کئی جزیروں کے وجود کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ ماحولیات سے پیدا ہونے والے مسائل کے چلتے سمندر کی سطح بڑھتی جا رہی ہے اور آئندہ نصف صدی کے اندر مالدیپ کا وجود ختم ہو جائیگا۔ ماحولیات کا مسئلہ جن اسباب سے پیدا ہو رہا ہے ان میں سب سے اہم ہے پیڑ پودوں کا کٹنا اور جنگلوں کا ختم ہونا۔تصوف ماحولیات کو نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں دیتا۔ وہاں بغیر ضرورت کے پیڑ پودے کاٹنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔صوفیہ کا پیغام ہے۔

ہر گیا ہے کہ از زمیں روید
وحدہٗ لاشریک می گوید

پیڑ، پودے اور تمام گھاس پھوس اپنے مالک کی تسبیح کرتے ہیں اس لئے انھیں توڑ کر اور کاٹ کر مالک کو یاد کرنے سے نہ روکو۔ امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"حضرت عبداللہ اور احمد بن حرب ایک جگہ گئے، احمد بن حرب نے وہاں سوکھی ہوئی گھاس کا ایک ٹکڑا کاٹا۔حضرت عبداللہ نے جناب احمد بن حرب سے کہا تجھے پانچ چیزیں حاصل ہو گئیں۔تیرے اس کام سے تیرا دل اللہ کی تسبیح سے غافل ہوا، تو نے اپنے نفس کو اللہ کے ذکر کے ماسوا کاموں کی عادت ڈالی، تو نے اپنے نفس کے لئے ایک راستہ بنا دیا جس میں وہ تیرے پیچھے پڑے گا۔تو نے اسے اللہ کی تسبیح سے روکا اور قیامت کے لئے اپنے نفس کو رب کے سامنے ایک حجت دے دی۔" (مکاشفۃ القلوب، باب۔۱۱)

وہ کیا ہے، ترا جس میں جلوہ نہیں ہے
نہ دیکھے تجھے کوئی اندھا نہیں ہے

ویسے بھی تصوف میں کسی ایسے کام کی اجازت نہیں جو اس دھرتی پر بسنے والوں کے لئے نقصان دہ ہو۔ یہاں تو بس اللہ کے بندوں کی خیر خواہی ہے اور انکی بہتری چاہنا ہے۔

Marfat.com

کر بھلا تو ہو بھلا

تصوف کسی طرح کی منفی سوچ کو پسند نہیں کرتا۔ یہ اللہ کے بندوں کے حق میں بھلا چاہنے کی بات کرتا ہے۔ ہر کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کو کہتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی برا چاہے تو بھی اس کے ساتھ اچھائی کا ہی حکم ہے۔ یہاں مذہب، ذات اور رنگ ونسل کی کوئی قید نہیں، یہاں تو جانوروں کے ساتھ بھی بدسلوکی نہیں کرسکتے پھر انسان کے ساتھ کیسے کرسکتے ہیں؟ امام محمد غزالی لکھتے ہیں:

''ہر انسان پر یہ لازم ہے کہ جب وہ دوسرے سے ملے تو اسے سلام کہے، جب وہ اسے مدعو کرے تو اسکی دعوت قبول کرے، جب اسے چھینک آئے تو اس کا جواب دے، جب وہ بیمار ہو تو اسکی عیادت کو جائے، جب وہ مرجائے تو اس کے جنازے میں حاضر ہو، جب وہ قسم دلائے تو اسکی قسم پوری کرے، جب وہ نصیحت کا خواستگار ہو تو اسے نصیحت کرے۔ اسکی عدم موجودگی میں اسکی پیٹھ کی حفاظت کرے یعنی اسکی غیبت نہ کرے اور اسکے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور ہر وہ چیز جسے وہ اپنے لئے ناپسند کرتا ہے اس کے لئے بھی مکروہ جانے۔''

(مکاشفۃ القلوب، باب ۷۰)

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اسکا عاشق بنوں گا جس کو، خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

اسی طرح پڑوسی کے بھی حقوق بنتے ہیں، انکا پہلا حق یہی حسن سلوک اور خیر خواہی ہے۔ امام غزالی لکھتے ہیں کہ، پڑوسی کسی بھی مذہب کا ماننے والا ہو اس کے حقوق بنتے ہیں۔ حدیث میں غیر مسلم پڑوسی کا بھی ایک حق بتایا گیا ہے وہ ہے پڑوسی ہونے کا حق۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

''پڑوسی کا حق صرف یہ نہیں کہ آپ اس سے اسکی تکلیفیں دور کریں بلکہ ایسی چیزیں بھی اس سے دور کرنی چاہئیں کہ جن سے اسے دکھ پہنچنے کا احتمال ہو، ہمسایہ

Marfat.com

سے دکھ دور کرنا، اسے دکھ دینے والی چیزوں سے دور رکھنے کے علاوہ کچھ اور بھی حقوق ہیں، اس سے نرمی اور حسن سلوک سے پیش آئے، اس سے بھلائی کرتا رہے۔اسی لئے کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن فقیر ہمسایہ مالدار پڑوسی کو پکڑ کر اللہ سے کہے گا اے اللہ اس سے پوچھ اس نے اپنے عطایا مجھ سے کیوں روکے تھے اور اپنا دروازہ مجھ پر کیوں بند کیا تھا؟۔،، (مکاشفۃ القلوب، باب۔۹۰)

پڑوسی کا حق ادا نہ کرنا ایک مذہبی جرم ہے۔اسے صوفیہ ناپسند کرتے ہیں کہ کوئی اپنے پڑوسی کا حق ادا نہ کرے۔ یہاں مسلمانوں کو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ان پر اپنے پڑوسی کے حق کی ادائیگی لازم ہے،خواہ انکا پڑوسی کسی بھی مذہب کا ماننے والا ہو۔وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا پڑوسی اچھا برتاؤ کرے گا،تب ہی وہ اس کے جواب میں اچھا برتاؤ کرینگے۔کیونکہ اسلام کے احکام پر عمل مسلمان کے لئے لازم ہے نہ کہ غیر مسلم کے لئے۔

صوفیہ کی سیرت میں پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔وہ اسے نہ صرف اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں بلکہ اللہ تک رسائی کا ذریعہ بھی مانتے ہیں۔یہاں مثال کے طور پر صرف ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔حضرت ابن المقفع رحمۃ اللہ علیہ ایک صوفی گزرے ہیں،جن کا ایک واقعہ کتابوں میں ملتا ہے۔

"ابن المقفع رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ تمہارا پڑوسی سواری کے قرض کی وجہ سے اپنا گھر بیچ رہا ہے،ابن المقفع اس شخص کی دیوار کے سائے میں بیٹھتے تھے۔انھوں نے یہ سن کر کہا کہ اگر اس نے تنگ دستی کی وجہ سے اپنا گھر بیچ دیا تو گویا میں نے اس کی دیوار کے سایہ کی عزت نہیں کی، چنانچہ اس کے پاس رقم بھیجی اور کہلا بھیجا کہ گھر کو نہ بیچو۔،، (مکاشفۃ القلوب، باب۔۹۰)

اِک شجر ایسا محبت کا لگایا جائے
جس کا آنگن میں پڑوسی کے بھی سایا جائے

Marfat.com

رشتے داروں سے آدمی کا جتنا سابقہ پڑتا ہے اس سے زیادہ پڑوسیوں سے پڑتا ہے۔ صبح شام، اٹھتے بیٹھتے ہر وقت دونوں کا سامنا ہوتا ہے۔ دونوں کی آرام اور تکلیف کے اسباب لگ بھگ ایک ہوتے ہیں، اسی لئے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی خاص ہدایت ہے۔

آدمی فطری طور پر اچھائیوں اور برائیوں کا مجسمہ ہے۔ اس کے اندر اگر نیکیوں کی طاقت ہوتی ہے تو کچھ اخلاقی برائیاں بھی ہوتی ہیں۔ تصوف انھیں برائیوں کو دور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ صوفیہ کے تذکرے، ملفوظات ومکتوبات اور انکی تصنیفات میں اس کی ان گنت مثالیں ملتی ہیں۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ تصوف اخلاقی خرابیوں کو دور کرنے کا ایک بہترین راستہ ہے۔

○○○

Marfat.com

منصور حلاج نے سولی پر چڑھتے ہوئے کہا۔۔

محبت کرنے والے کے لیے کتنی مسرت کا لمحہ ہے کہ وہ اپنی ہستی کو راہ محبت میں فنا کر دے۔

(کشف المحجوب)

Marfat.com

ہمت ہے کسے اس کو دکھائے آنکھیں
گزرے گا زمانہ بھی چرائے آنکھیں
ہوجائے حقیقت کا جو عرفان اسے
قطرہ بھی سمندر سے ملائے آنکھیں

ظفر کمالی

Marfat.com

تصوف نصابِ تعلیم میں

تعلیم انسانی زندگی کی بنیاد ہے۔ تعلیم کے بغیر آدمی کی شخصیت نامکمل ہے۔ تعلیم ہی اسکے مستقبل کو طے کرتی ہے اور اسی کے خطوط پر شخصیت کی تعمیر شروع ہوتی ہے۔ علم کو روشنی اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ صحیح اور غلط کا فرق واضح کرتا ہے اور حق کو باطل سے ممتاز کرتا ہے۔ یہ جہالت کے اندھیرے کو دور کر کے عقل و خرد کی روشنی بکھیرتا ہے۔ انسان کے اندر صحیح اور غلط کا فرق سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ علم اصل میں وہی ہے جو انسانی فکر کو جلا بخشے اور اسے اچھائی کے راستے پر چلائے۔ وہ علم، جہالت سے بدتر ہے جو آدمی کو حق سے دور کر دے، اسکی فکری صلاحیت ختم کر دے اور اسے تعمیر کے بجائے تخریب کے راستے پر ڈال دے۔

Marfat.com

عہدِ حاضر میں تعلیم کا مطلب

اس وقت جن علوم وفنون کا دنیا میں رواج ہے وہ وہی ہیں جو مادہ پرستی سے عبارت ہیں۔ جو انسان کو دنیا کی دولت سے مالا مال کرنے والے ہیں، جن کی ڈیمانڈ بڑی بڑی کمپنیوں کو ہے اور جو ہماری زندگی کو دنیاوی جاہ وحشمت سے ہمکنار کرنے والے ہیں۔ اخلاقی علوم چونکہ دنیا کی دولت نہیں دیتے لہٰذا انکی کوئی قدر وقیمت نہیں۔ موجودہ دور میں صرف انھیں لوگوں کو پڑھا لکھا اور کامیاب سمجھا جاتا ہے جو اپنے چھل بل کی بنیاد پر مالی منافع کمانے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آدمی دولت کمانے کی مشین بن چکا ہے اور اخلاقیات سے عاری ہوتا جارہا ہے۔ جنگلوں میں رہنے والے جاہل اور غیر مہذب لوگ، انسانوں کا قتل جہالت میں کر دیتے تھے، انسانی خون صرف اس لئے بہہ جاتا تھا کہ آدمی غیر مہذب تھا اور اسے انسانی جان کی قدر وقیمت کا اندازہ نہیں تھا مگر آج کا انسان تو پڑھا لکھا ہے۔ وہ انسانی جان کی قیمت کو سمجھتا ہے، پھر بھی وہ خونریزی سے باز نہیں آتا۔ بے دریغ خون بہائے جاتا ہے اور اس پر فخر محسوس کرتا ہے۔ جنگل کے باسی تو پتھر سے مار کر ایک دو افراد کا خون بہاتے تھے مگر آج کا تعلیم یافتہ انسان ایسے ایسے ہلاکت خیز اسلحے بناتا ہے کہ چند لمحوں میں لاکھوں اور کروڑوں افراد کی زندگی ختم ہو جائے۔ ایک لمحے میں قیامت برپا ہو جائے اور زندگی کی لہلہاتی کھیتی ہمیشہ کے لئے تباہ وبرباد ہو جائے۔ کیا ایٹم بم بنانے والے جاہل اور ان پڑھ ہیں؟ کیا کیمیائی اسلحوں کے سائنسداں علم سے بے بہرہ ہیں؟ کیا ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم برسانے والے ان پڑھ و جاہل تھے؟ یا ان شہروں پر حملے کا فیصلہ لینے والے غیر تعلیم یافتہ افراد تھے؟ آج کل جو لوگ عراق، افغانستان اور پاکستان پر بمباری کر کے معصوموں کی زندگیوں سے کھلواڑ کر رہے ہیں کیا وہ تعلیم سے دور ہیں؟ یقینی طور پر آج بڑے پیمانے پر انسان اور انسانیت کی تباہی کے سامان وہی لوگ کر رہے ہیں جو اہلِ علم ہیں اور بڑی بڑی یونیورسیٹیوں کی ڈگریاں رکھتے ہیں۔ یہ افراد دنیا کے مستقبل کا فیصلہ کرنے والے ہیں اور لوگوں کی جانوں کے مالک ہیں۔ انکے لئے موت کا کھیل محض تماشہ ہے، تفریح کا ذریعہ ہے۔ ہر ہلاکت خیز تماشے کے ساتھ انکے تمغوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

یہ اہلِ سیاست ہیں ذرا دور ہی رہنا
وہ کریں گے جو نہ خونخوار کریں گے

پڑھے لکھے جاہل

آخرایسا کیوں ہورہا ہے کہ جوتخریبی کام کل تک جاہل اور غیر مہذب لوگ کرتے تھے آج وہی کام تعلیم یافتہ اور پڑھے لکھے افراد کرر ہے ہیں؟ ظاہر ہے اس علم میں کچھ کمی ہے، یہ تعلیم نامکمل ہے اوراس کے حصول کے اغراض ومقاصد درست نہیں ہیں۔ ورنہ جوعلم انسانی زندگی کے فروغ وبقا کے لئے استعمال ہونا چاہئے تھا وہ اسکی تباہی کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔آخراس علم کوعلم کیسے تسلیم کیا جائے جوآدمی کوفلاح وصلاح کے بجائے تباہی کی طرف لے جائے؟

علم کا یہ استعمال

آج علم کے حصول کا مقصد ہی واضح نہیں ہے تو پھراس کا استعمال کہیں بھی ہوسکتا ہے۔ جب ہمارا ہرکام دولت کے لئے ہوتا ہے تو علم کا استعمال بھی اسی کام کے لئے ہوگا۔اگر دولت کی فراہمی کسی کی جان لے کر ہوتی ہے تو انسان،انسان کاقتل کریگا۔اگرآبادیوں پرایٹم بم گراکرا سے تمغہ حاصل ہوتا ہے تو وہ یہ بھی کریگا۔اگر شہروں کو ویران کر کے اسے دنیاوی جاہ ومرتبہ حاصل ہوتا ہے تو وہ اسکے لئے بھی تیار ہے۔آج انسان چاند پرضرور پہونچ چکا ہے، مریخ پر کمندیں ڈال رہا ہے،دوسری دنیا کی تلاش میں سرگرداں ہے مگرافسوس کا مقام ہے کہ وہ اسی زمیں پر بسنے والوں کے مقام ومرتبے سے ناواقف ہے، انسانی جانوں کا احترام بھی نہیں سیکھ پایا ہے۔وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کا مقصدوجود کیا ہے؟ وہ اس دنیا میں کس کام کے لئے بھیجا گیا ہے؟ وہ دنیا کی ہرچیز کا مقصدِ وجود سمجھتا ہے مگراپنے وجود کا مقصد نہیں جانتا۔

Marfat.com

تصوف کی نظر میں علم کا مطلب

صوفیہ کی نظر میں وہی علم، علم ہے جو انسان کو خالق کی معرفت تک پہونچائے۔ جس سے اپنے مالک کا عرفان حاصل ہو۔ وہ علم سرے سے علم ہی نہیں بلکہ جہل سے بدتر ہے جسکی بنیاد تعمیر کے بجائے تخریب پر رکھی گئی ہو۔ جو آبادیوں کو ویران اور شہروں کو مسمار کرے وہ سائنس نہیں، تخریبِ سائنس ہے۔ ابوعلی ثقفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

''جہالت اور تاریکی کے مقابلے میں علم دل کی زندگی اور آنکھوں کا نور ہے،،

(کشف المحجوب، صفحہ ۴۶)

احمد بن عاصم انطا کی علیہ الرحمہ جو کہ بشر حافی، سری سقطی اور حارث محاسبی کے ہمعصروں میں ہیں فرماتے ہیں:

''ہر عمل کا رہنما علم ہے اور علم کی پیشوا عنایت ہے۔،، (نفحات الانس، صفحہ ۲۲۰)

بابا فرید گنج شکر فرماتے ہیں:

''اگر لوگوں کو علم کا درجہ معلوم ہو جائے تو تمام کام چھوڑ کر علم حاصل کرنے میں لگ جائیں۔ اس لئے کہ علم ایک ایسا بادل ہے جو رحمت کی برکھا کے سوا نہیں برستا جو اس بادل کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ تمام گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں اور شیخ جلال الدین تبریزی ایک ہی جگہ تھے، فرمایا کہ علم ایک چراغ ہے جس سے عالمِ ناسوت اور عالم ملکوت روشن ہیں، جو شخص علم میں مشغول ہے اسے تاریکی کا کیا ڈر ہے؟ کیونکہ اس کے جسم میں تمام جہان روشن ہے۔،،

(راحت القلوب، مجلس ۱۴)

نفحات الانس میں علامہ عبدالرحمٰن جامی نے شیخ محمد بن منصور طوسی کا قول نقل کیا ہے، عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

Marfat.com

''مسافر کو اپنے سفر میں ان چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ایک تو علم، جو اسے وسوسے میں نہ ڈالے،دوم ذکر جو اس کا غمخوار ہو،سوم پرہیزگاری جو برے کاموں سے روکے، چہارم یقین جو اسے اٹھائے پھرے۔۔۔شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ ساری عمر،ان چار چیزوں کے بغیر بسر نہیں ہوتی کیونکہ تو ہمیشہ سفر میں ہے اور ایک منزل کی طرف تو متوجہ ہے،جو شخص ان چار چیزوں سے خالی ہے وہ برباد اور تباہ ہے یعنی ایک تو علم جو اس کا تابع ہو اس کو درست اور شادر کھے۔دوسرے ذکر جو اس کا مونس ہو اور تنہائی میں اس کو وحشت سے بچائے،تیسرے پرہیزگاری جو اس کو برے کاموں سے روکے،چوتھے یقین،جو اس کی سواری ہو،تاکہ وہ پیچھے نہ رہ جائے۔اس وقت وہ جس شغل میں بھی مشغول ہوگا اسکی زندگی تلخ نہ ہوگی۔،،(صفحہ۲۲۱)

حضرت محمد بن فضل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''علوم تین طرح کے ہیں (۱)علم، جو اللہ کی طرف سے ہو۔(۲)علم، جو اللہ کیساتھ ہو۔(۳)علم جو اللہ کے لئے ہو۔اسی کو علم معرفت کہتے ہیں۔کیونکہ تمام انبیاء اور اولیاء نے اسی سے اللہ کی معرفت پائی ہے۔جب تک انھیں اسکی معرفت نہ ہوئی منزل عرفان حاصل نہ ہوئی۔اسلئے محض محنت و کوشش کے ذریعے حصولِ معرفت و ذاتِ حق کے عرفان کے لئے منقطع ہے۔کیونکہ بندہ کا علم،معرفتِ حق کی علت نہیں بن سکتا۔درحقیقت معرفتِ الٰہی کی علت،اللہ تعالیٰ ہی کی ہدایت اور اسکی عنایت ہے۔،، (کشف المحجوب،صفحہ۵۴۔۴۶)

برصغیر میں ابتدائی دور کے صوفی حضرت داتا گنج بخش شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا فرمایا پھر اس پر روشنی ڈالی،تو یہ حجاب اس جہان میں اس کے لئے اختیار طبع بن

Marfat.com

گئی کیونکہ اس نے اپنی طبیعت اور اپنی عقل سے اس میں تصرف کیا۔ حتیٰ کہ اس نے نہ صرف جہل و نادانی کو پسند کیا بلکہ ان حجابات کا وہ دل و جان سے خریدار و متوالا بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جمالِ کشف سے بے خبر اور اسرارِ الٰہی کی تحقیق سے بے پرواہ بن گیا، اور وہ عارضی مسکن میں خوش رہ کر اپنی فلاح ونجات سے غافل ہو گیا۔ اس طرح وہ توحید باری سے بے علم، جمالِ احدیت سے بے خبر اور ذائقۂ توحید سے نا آشنا ہو گیا ہے۔ روح وجسم کے ترکب سے مشاہدہ حق کی تحقیق سے محروم ہے اور دنیاوی حرص و طمع میں مبتلا ہو کر حق کی طرف رجوع وانابت سے بے بہرہ ہو گیا اور نفسِ حیوانی نے جو حیاتِ حقیقی کے سوا ہے، اسکے ناطقہ کو مجبور کر دیا یہاں تک تمام حرکات وخواہشات نفسِ حیوانی کے تابع ہو کر رہ گئیں۔ پھر یہ حالت ہو گئی کہ سوائے کھانے، پینے، سونے اور شہوانی خواہشات کے کسی چیز کا ہوش نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اولیاء کو ان تمام باتوں سے بچنے کا حکم فرمایا،،

(کشف المحجوب، صفحہ ۳۵)

سہل بن عبداللہ تستری علیہ الرحمہ سے لوگوں نے پوچھا کہ بدنصیبی اور بدبختی کی علامت کیا ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ:

''خدا تجھے علم عطا کرے اور عمل کی توفیق نہ دے، عمل دے تو اخلاص نہ دے اور جو عمل کرے وہ بیکار ورائیگاں جائے، نیکوں کی صحبت اور زیارت کا تجھے موقع بخشے لیکن ان میں مقبولیت نہ ہو۔،، (نفحات الانس صفحہ ۲۲۶)

بابا فرید گنج شکر نے فرمایا:

''حدیث میں آیا ہے کہ بلاشبہ عقل اور علم ایک دوسرے کے شریک ہیں۔ عقل کے لئے علم ضروری ہے اور علم کے لئے عقل۔ تو آدمیوں میں سب سے اچھا وہی ہے جو اپنے آپ کو پہچانے، اس صورت میں عقل اختیار والی ہے۔ پھر فرمایا

Marfat.com

کہ 'تواریخ' میں قاضی حمیدالدین ناگوری لکھتے ہیں کہ ہر چیز کی انتہا ہے اور عبادت کی انتہا عقل ہے اس لئے کہ بغیر علم کے عبادت کرنا فضول اور تکلیف دہ ہے اور علم بغیر عقل کے مفت کی سردردی ہے۔ قیامت کے دن دلیل یہی عقل ہے۔''

(راحت القلوب، مجلس۔۱۳)

شیخ ابراہیم بن شیبان کرمان شاہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میرے والد محترم نے مجھے وصیت کی تھی کہ علم کو آدابِ ظاہری کے لئے سیکھو اور تقویٰ آدابِ باطن کے لئے اختیار کرو، اس چیز سے دور رہو جو چیز تمہیں خدا سے روک دے'' (نفحات الانس، صفحہ۴۳۴)

حضرت شیخ ابراہیم مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''کان جو کچھ معلوم کرتا ہے وہ علم ہے اور جو کچھ فہم معلوم کرتا ہے وہ حکمت ہے، اور جو کچھ فہم سے سنے اور اسی سے دریافت کرے وہ زندگی ہے۔''

(نفحات الانس، صفحہ۴۳۷)

بُرے علماء

تصوف کی نظر میں علم کا مقصد دنیا کی دولتیں کمانا نہیں بلکہ اپنے پیدا کرنے والے کو پہچاننا اور اس سے دنیا کا بھلا کرنا ہے۔ علم والا اگر اپنے مقصد سے بھٹک جائے تو اسے برا عالم کہا جاتا ہے۔ بابا فرید گنج شکر فرماتے ہیں:

''علماء کے متعلق لکھا ہے کہ حشر کے دن ان علماء کے لئے جو دنیا بنانے میں لگے ہوئے تھے حکم ہوگا کہ ان کے گلوں میں آگ کے انگارے پہنا کر ان کو جہنم میں ڈالا جائے۔ پھر فرمایا یہ وہ علماء ہیں جو ظاہر میں پارسائی دکھاتے ہیں لیکن باطن میں ان کا عمل ٹھیک نہیں اور مکر و حیلے سے دنیا کو لوٹتے ہیں۔'' (راحت القلوب، مجلس۱۴)

Marfat.com

ایسے علم والوں کے متعلق مشہور صوفی اور سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ، حضرت مجدد الف ثانی احمد سرہندی لکھتے ہیں:

''یہ (برے علماء) پارس پتھر کی طرح ہیں کہ تانبے اور لوہے کی جو چیز بھی اس کے ساتھ رگڑ کھاتی ہے، سونا ہو جاتی ہے اور وہ خود اپنی ذات میں پتھر ہی رہتا ہے، اور اسی طرح وہ آگ جو پتھر اور بانس میں پوشیدہ موجود ہے، دنیا کو اس آگ سے بہت سے فائدے حاصل ہیں لیکن وہ پتھر اور بانس اپنے اندر کی موجودہ آگ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتے۔''

(مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب۔۳۳)

اوپر کے اقتباسات سے حضرات صوفیاء کے خیالات کا پتہ چلتا ہے۔ وہ علم کو کھانے کمانے کا ذریعہ نہیں بلکہ معرفت حق کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وہ اس سے آخرت کی بھلائی چاہتے ہیں۔ علم اخلاق سے عاری ہو جائے تو شتر بے مہار کی طرح ہو جاتا ہے، یا ایسی بندوق کی طرح، جو گولیوں سے بھری ہوئی ہو اور کسی ناسمجھ بچے کے ہاتھ میں دے دی جائے۔ اگر ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم بنانے والے سائنسدانوں کو علم کے ساتھ تھوڑی سی اخلاقی سوجھ بوجھ بھی مل جاتی تو ہلاکت خیز سامان بنانے سے پہلے سو بار سوچتے کہ انکی ایجاد کا استعمال کہاں کہاں ہو سکتا ہے۔ سائنس اور تیکنالوجی انسانیت کی بھلائی اور اسکی بہتری کے لئے ہے نہ کہ اسکے خاتمے کے لئے۔ علم کا مقصد تعمیر ہے نہ کہ تخریب۔ وہ علم، علم نہیں جو آدمی کو تعمیر کے بجائے تخریب پر اکسائے۔

صوفیہ کا صنعتی انقلاب

صوفیہ کی نظر میں علم انسانیت کی بھلائی اور اسکی فلاح وصلاح کے لئے ہے۔ اللہ کی معرفت اور اسکی ربوبیت پر غور وفکر کے لئے ہے۔ یقیناً انسانی زندگی کو سائنس اور ٹیکنالوجی کی ضرورت ہے۔ اسکے بغیر انسانی زندگی نامکمل ہے، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ایجاد اور اس کا استعمال ہی

Marfat.com

آدمی کو دوسرے جانداروں سے ممتاز کرتا ہے، لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ آدمی سائنس کا استعمال تخریبی مقاصد سے ہی کرے؟ تصوف سائنس تیکنالوجی کا مخالف نہیں، مگر اس کا بے جا استعمال کسی طرح پسند نہیں کرتا۔ صوفیہ نے انسانیت کی بھلائی کے لئے ہر اس طریقے کا استعمال کیا، جو ان کے دور میں دستیاب تھا۔ اس سے آگے بڑھ کر اگر کسی فن پر توجہ ڈالا تو اسکا مقصد بھی تعمیری رہا۔ انھوں نے مختلف قسم کی صنعتوں ،حرفتوں اور دستکاریوں میں دلچسپی دکھائی تو انسانیت کی بھلائی کے لئے۔ مثال کے طور پر کشمیر کی تاریخ پر نظر ڈالی جاسکتی ہے، جہاں ایرانی صوفیاء نے صنعت وحرفت کے میدان میں انقلاب برپا کردیا۔ ایسا انقلاب کہ کئی صدیاں بیتنے کے بعد بھی اسکے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ علیہ جنھیں عام طور پر شاہ ہمدان یا امیر کبیر کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے آٹھویں صدی ہجری میں تقریباً سات سو مریدین کے ہمراہ ایران سے کشمیر تشریف لائے۔ ان کے ساتھی مختلف علوم وفنون اور صنعت وحرفت میں مہارت رکھتے تھے۔ انھوں نے کشمیریوں کو ایرانی فنون سکھائے اور آج جو بھی دستکاریاں اور فنون رائج ہیں وہ تمام انھیں صوفیہ کی دین ہیں۔ پشمینہ شال، مختلف قسم کی چادریں اور کپڑے، نقاشی اور زردوزی وغیرہ ایرانی صوفیہ کی ہی دین ہیں۔ ان صوفیہ نے یہاں ایسا تہذیبی اور صنعتی انقلاب برپا کیا کہ کشمیر کو ایرانِ صغیر کہا جانے لگا۔ علامہ اقبال نے ''جاوید نامہ'' میں اس کا اعتراف یوں کیا ہے:

سید السادات سالارِ عجم
دستِ او معمارِ تقدیرِ امم
تا غزالی درسِ اللہ ہو گرفت
ذکرِ او از دودمانِ او گرفت
مرشدِ آں کشورِ مینو نظیر
میر و درویش وسلاطیں را مشیر
خطہ را آں شاہ دریا آستیں
داد علم و صنعت و تہذیب و دیں

Marfat.com

آفرید آں مرد ایرانِ صغیر
باہنر ہائے غریب و دل پذیر
یک نگاہِ او کشاید گرہ
خیز و تیرش را بدل راہی بدہ

صوفیہ نے کشمیر میں عوام کو روزگار سے جوڑنے کے لئے جو کام کیا ہے اسکا فیضان آج بھی جاری وساری ہے، بلکہ کشمیر کی پہچان ہی ان دستکاریوں سے ہوتی ہے۔ کشمیر کے علاوہ دوسرے کئی علاقوں میں بھی صوفیہ نے عوام الناس کی بھلائی کے لئے تعمیری اقدام کئے ہیں، جو دنیا کے لئے ایک زرین مثال ہے۔

علم کا مقصد تعمیر یا تخریب؟

علم وفن کا حصول دولت کے لئے نہیں کیا جاتا مگر یہ کئی بار دولت کے حصول کا ذریعہ بن جاتا ہے ،اوراس میں کوئی قباحت بھی نہیں۔ قباحت اس میں ہے کہ آدمی اپنی زندگی کا مقصد ہی دنیا کی دولت کو حاصل کرنا بنالے اوراس کے لئے ہر اچھا برا کام کرنے کو تیار رہے، یہاں تک کہ قتل وغارت گری بھی۔ آج دنیا میں علم کے حصول کا مقصد یہی بن گیا ہے۔ کیا ایک فوجی یہ جانتا ہے کہ وہ دوسرے ملک کے فوجی کی جان کیوں لے رہا ہے؟ کیا ایک بمبار فائٹر کو آپریٹ کرنے والا انجینیر یہ سمجھنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ یہ بمباری کتنے گھروں کے چراغ بجھا دیگی، کتنے انسانوں کو ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے ختم کر دیگی؟ کیا ایٹمی ہتھیار بنانے والے اس پہلو پر غور کرتے ہیں کہ ان کے بنائے ہوئے ہتھیار ایسی تباہی مچا سکتے ہیں کہ انسانی نسل ہی خاتمے پر پہونچ جائے؟ یقیناً نہیں۔ اور یہ سب اسی تعلیم کا نتیجہ ہے جو اخلاقیات سے عاری ہے۔ جس کا مقصد انسانیت کی فلاح و بہبود نہیں بلکہ دنیا کی دولت کمانا ہے، ساری کائنات پر اپنا دبدبہ قائم کرنا ہے۔ اب کوئی بتائے کہ وہ تعلیم کس کام کی جسکا بنیادی مقصد ہی فرعونیت ،نمرودیت، شدادیت اور قارونیت ہو؟ وہ علم کس کام کا، جو انسان کو فلاح کے بجائے تباہی، بربادی کی سوغات دے؟

Marfat.com

تعلیم بھلائی کے لئے

تصوف کی بنیادی خوبی یہی ہے کہ وہ انسان کو ایک مقصدِ زندگی دیتا ہے۔علم کا حصول وہاں بھی لازم ہے مگر اسکا مقصد خیر وصلاح ہے نہ کہ سماج اور انسانیت کی بربادی۔وہ پیسہ کمانے اور روزگار کے حصول سے نہیں روکتا مگر وہ اسکی بھی اجازت نہیں دیتا کہ آپ اسکے لئے ہر جائز وناجائز طریقے کو اپنالیں۔تصوف انسان کو اخلاقی ضابطوں کے ساتھ زندگی جینے کا سلیقہ عطا کرتا ہے۔وہ آدمی کو ساری دنیا سے بے نیاز کر کے ایک مالک کا نیاز مند بناتا ہے۔تصوف انسان کے اندر اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے جوابدہ ہونے کا احساس پیدا کرتا ہے۔اس لئے اگر تصوف کو نصابِ تعلیم کا حصہ بنادیا جائے تو یہ طلباء کے اندر حیرت انگیز تبدیلی لاسکتا ہے۔

بچے کورے کاغذ کی طرح ہوتے ہیں ان پر جو رنگ چاہو چڑھا دو۔موجودہ دور میں ہماری تعلیم کا ڈھانچہ مغرب کی نقل ہے۔اہل مغرب کا بڑا طبقہ مادہ پرست ہے،انکے تعلیمی ماہرین بھی اسی انداز میں سوچتے ہیں لہٰذا وہ اپنے ملک کے لئے تعلیمی ڈھانچہ بھی اسی قسم کا تیار کرتے ہیں۔جب مغرب اخلاقیات سے عاری ہورہا ہے تو مشرق بھی دیکھا دیکھی اسی راستے پر چل رہا ہے۔جب مغرب نے اپنے لئے مادہ پرستانہ طریقہ چنا تو مشرق کو بھی اسی میں بھلائی نظر آنے لگی۔کبھی یہ نہیں سوچا کہ یہ بھیڑ چال کتنی نقصاندہ ہوسکتی ہے۔

مشرق روحانیت کا گہوارہ

مشرقی ممالک ہمیشہ سے روحانی اور اخلاقی علوم کا مرکز رہے ہیں۔یہاں بڑے بڑے روحانی پیشوا پیدا ہوتے رہے ہیں اور عوام وخواص ان سے علمی اور اخلاقی رہنمائی حاصل کرتے رہے ہیں۔مشرق کے لئے زیادہ آسان ہے اس راستے پر چلنا،مگر اس وقت ہمارے ذہنوں پر مغربی افکار سے مرعوبیت کے پردے پڑے ہوئے ہیں کہ ہم اس پہلو پر سوچتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ہمیں لگتا ہے

Marfat.com

کہ تصوف اک گئے دور کی کہانی ہے یا آج اس کی اہمیت محض اتنی ہے کہ ہم سکونِ قلب کے لئے تھوڑی دیر مراقبہ کرلیں اور ذہنی تسکین حاصل کرلیں، حالانکہ یہ وہ علم ہے جو سماج کو بدلنے کی زبردست طاقت رکھتا ہے اور اس نے اپنی اس صلاحیت کا اظہار مختلف مواقع پر کیا ہے۔ کشمیر میں سماجی، مذہبی، تمدنی اور صنعتی ہی نہیں بلکہ ایک ہمہ جہتی انقلاب برپا کرنے کا سہرا بھی اسے ہی جاتا ہے۔ آٹھویں صدی ہجری سے قبل یہ ایک ہندو اور بودھ اکثریتی علاقہ تھا۔ اکا دکا مسلمانوں کے یہاں ہونے کے شواہد ملتے ہیں مگر اسی دور میں یہاں کے بدھسٹ راجہ نے ایک صوفی حضرت عبدالرحمٰن عرف بلبل شاہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا اور انکے انتقال کے بعد شاہ ہمدان سید علی ہمدانی نے وادی میں ایک ایسا تبلیغی سلسلہ شروع کیا جو بعد میں بھی جاری رہا اور اسکے ذریعے نہ صرف عوام کی اصلاح ہوئی بلکہ یہ صوفیاء کرام بادشاہوں کی بھی رہنمائی کرتے رہتے تھے۔ اسکا یہ اثر ہوا کہ سماج میں ہر طرف خیر وصلاح کا چرچا ہونے لگا اور روحانیت کی فضا قائم ہوگئی۔ اس ماحول نے صرف مسلمانوں کو ہی نہیں غیر مسلموں کو بھی بدلا۔ ان کے اندر علمی بیداری پیدا ہوئی، شعر وسخن کا ذوق پیدا ہوا اور وہ کشمیر سے لے کر دلی دربار تک چھا گئے۔ یہاں تک کہ مغل حکمراں شاہجہاں کا وزیرِ اعظم چندر بھان برہمن، ایک کشمیری پنڈت تھا۔ یہی شہزادہ داراشکوہ کا اتالیق بھی تھا اور اسی کی تربیت نے دارا کے مزاج میں تصوف کے عناصر شامل کئے تھے۔ برہمن اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر ہے اور فارسی کا پہلا صاحبِ دیوان ہندو شاعر ہے۔

مولانا جلال الدین رومی ایک معروف ترین صوفی ہیں۔ انھیں مشرق سے زیادہ مغرب میں پہچاننے کی کوشش کی گئی۔ نفحات الانس (صفحہ ۷۰۳) میں رومیؒ کی آخری وصیت درج ہے:

''میں تم سب کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ ظاہر و باطن میں خداوند تعالیٰ سے ڈرتے رہو، کم کھاؤ، کم سوؤ، کم باتیں کرو، گناہوں اور معاصی کو ترک کردو، ہمیشہ روزے رکھا کرو، ہمیشہ رات کو عبادت کرو، ہمیشہ کے لئے خواہشات کو ترک کردو، لوگوں کا ظلم برداشت کرتے رہو، کمینوں اور عام لوگوں کی ہم نشینی کو ترک کردو، نیکوں اور بزرگوں سے صحبت رکھو۔ لوگوں میں بہتر وہ شخص ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے اور نپی تلی بات بہتر ہے۔''

Marfat.com

اگر آپ نے اوپر کی عبارت کو سرسری طور پر پڑھا ہو تو دوبارہ غور سے پڑھ لیں۔ چند جملوں میں پوری زندگی کی بہتری کا سبق مل جائیگا۔ کیا ان چند نصیحتوں پر عمل کرنے والا کبھی زندگی کے مقصد کو بھول سکتا ہے۔ اوپر درج چند جملے اگر عملی طور پر زندگی میں شامل ہو جائیں تو انسان کی زندگی کا رخ بدل سکتا ہے۔ یہی وہ سبق ہے جو طلباء کے کردار کو بہتر بنانے میں انقلابی رول نبھا سکتا ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

ماضی میں تصوف نے جو تاریخی کردار اخلاق و کردار سازی میں ادا کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اور اسکی بنیاد پر یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ آج کے اس خیر و صلاح سے عاری ماحول میں اس کی معنویت بڑھ جاتی ہے۔

تصوف، نصابِ تعلیم میں، ہزار سال تک

تفسیر، حدیث اور فقہ کی طرح علم تصوف بھی اسلامی علوم کا ایک شعبہ ہے اور دوسرے علوم کی طرح اسکی تدوین بھی بنوامیہ کے عہد میں ہوئی۔ حالانکہ صحابہ کے اندر بھی ایک جماعت ایسی تھی جنھیں صوفیہ اپنا پیشوا مانتے ہیں اور سلاسلِ طریقت کی ابتدا بھی خلیفۂ اول ابوبکر صدیق و خلیفۂ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مانتے ہیں۔ صوفیہ کی نظر میں خلفاءِ راشدین کے ساتھ ساتھ تمام اصحابِ صفہ بھی صوفی تھے۔ تابعین میں بھی کچھ حضرات تھے جن میں سب سے اہم نام حضرت اویسِ قرنی اور حسن بصری رحمہما اللہ کے لئے جاتے ہیں۔ صوفیہ کا یہ سلسلہ اس دور سے آج تک چلا آرہا ہے مگر جس شخص کو پہلی بار صوفی کے لقب سے پکارا گیا وہ ابو ہاشم کوفی تھے۔ انکا دور پہلی صدی ہجری کا آخری دور تھا۔

تصوف کو ابتدائی دور میں ہی اسلامی ملکوں کے نصابِ تعلیم میں شامل کر لیا گیا تھا اور ایک ہزار سال سے زیادہ یہ نصاب کا حصہ رہا مگر اس وقت اس موضوع کو نصابِ تعلیم سے تقریبا

Marfat.com

خارج کر دیا گیا ہے۔اگر ہندستان کی سطح پر دیکھیں تو اب اسکی تعلیم بالکل نہیں ہوتی۔صرف ان یونیورسیٹیوں میں جہاں اسلامیات (Islamic Studies) کا شعبہ ہے تاریخِ تصوف (HISTORY OF SUFISM) پڑھایا جاتا ہے۔ستم یہ ہے کہ یہاں بھی اسلامیات پڑھانے والے بیشتر اساتذہ اسے غیر اسلامی علم قرار دیتے ہیں اور اس کے بدعت ہونے کی بات کہتے ہیں۔ایسے حالات میں انکی تدریس کتنی مثبت ہوگی یہ سمجھا جا سکتا ہے۔جب سینکڑوں سال تک یہ نصاب کا حصہ رہا تو کبھی یہ سوال نہیں اٹھایا گیا کہ تصوف بدعت ہے مگر آج اس سوال کو اتنا اچھالا جا رہا ہے کہ اچھے خاصے مسلمان بھی غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں اور وہ غیر مسلم جو تصوف کے مطالعے کی وجہ سے اسلام سے متاثر ہوئے ہیں تذبذب کا شکار ہیں کہ اصل اسلام کون سا ہے؟ خواجہ معین الدین چشتی ،نظام الدین اولیاء اور صوفیاء والا اسلام یا اسامہ بن لادن ،ایمن الظواہری، لشکر طیبہ اور القاعدہ والا اسلام؟

نصابِ تعلیم سے تصوف کا اخراج

تصوف پر ایک بڑا ستم خود مسلمانوں نے ڈھایا کہ انھوں نے اسے مدرسوں کے نصاب سے نکال باہر کیا۔دینی مدرسے جنھیں عام مسلمان اسلام کا قلعہ پناہ قرار دیتے ہیں، اب وہاں بھی اسکی پڑھائی نہیں ہوتی، بلکہ ان میں سے بعض مدارس کے نگران خود وہ حضرات ہیں جو صوفیہ کی اولاد ہیں اور انکی اپنی پہچان بھی اسی کی مرہونِ منت ہے۔انتہا یہ کہ بریلی اور کچھوچھہ جہاں مزارات پر حاضری کے لئے ساری دنیا سے عقیدت مند آتے ہیں، اور یہاں کے پیر صاحبان ساری دنیا میں گھوم گھوم کر تصوف کے موضوع پر تقریریں کرتے ہیں، نیز انکے مریدین لاکھوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں، وہاں کے مدرسوں میں بھی تصوف کی پڑھائی نہیں ہوتی ۔دیوبند کی شہرت عظیم الشان دارالعلوم کی وجہ سے پوری دنیا میں ہے، اور اس نظریۂ فکر کے لاکھوں مدرسے ملک اور بیرونِ ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔یہاں کے بزرگوں میں بیشتر چشتی سلسلے سے وابستہ رہے ہیں اور انھوں نے تصوف کے موضوع پر کتابیں بھی

Marfat.com

تحریر کی ہیں مگر اس مسلک کے کسی بھی مدرسے میں اب تصوف کی تدریس نہیں ہوتی۔ ملک بھر میں پھیلے ہوئے لاکھوں مدرسوں کے طلباء دورانِ تعلیم اس بات سے مطلقاً بے خبر رہتے ہیں کہ تصوف جیسا کوئی علم بھی دنیا میں موجود ہے۔ یہی نہیں ملک کے بیشتر صوبوں میں مدرسہ بورڈ ہیں، جن کا اپنا نصابِ تعلیم ہے، ان میں بھی تصوف اور تاریخِ تصوف پر کوئی کتاب نہیں ہے۔

جن گروپوں کے علماء اسے بدعت قرار دیتے ہیں ان سے یہ توقع فضول ہے کہ وہ اپنے اداروں میں اسکی تعلیم دینگے، مگر جو لوگ اسے عین اسلامی علم سمجھتے ہیں اور اسلام کی لگ بھگ ڈیڑھ ہزار سال کی تاریخ سے واقف ہیں، پھر خود کو خواجہ معین الدین چشتی، نظام الدین اولیاء اور صوفیہ کا پیروکار بتاتے ہیں ان سے یہ امید بجا ہے کہ وہ اپنے مدرسوں کے نصاب میں اسے شامل کریں گے۔ حالانکہ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ اب تک اسے مدرسوں کے نصاب سے دور کیوں رکھا گیا؟

اہلِ مدارس کا اخلاقی زوال اور اسکا علاج

زہے مسجد و مدرسہ و خانقاہے
کہ آنجا بود قیل قالِ محمد

مساجد، دینی مدارس اور خانقاہوں کو مسلمان ہر دور میں احترام کی نظر سے دیکھتے رہے ہیں۔ یہ تینوں ادارے ہمیشہ سے اسلام کے فروغ اور اشاعت میں معاون رہے ہیں۔ یہ وہ کارخانے ہیں جہاں شخصیت سازی ہوتی ہے مگر افسوسناک بات یہ ہے کہ اب یہاں بھی کئی قسم کی کمیاں نظر آرہی ہیں۔ حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ:

''لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں۔ علماء، امراء اور فقراء۔ جب علماء خراب ہوجاتے ہیں تو خلق کے طاعت و احکام تباہ ہوجاتے ہیں، اور جب امراء خراب ہوجاتے ہیں تو لوگوں کی معیشت تباہ و برباد ہوجاتی ہے اور جب فقراء خراب ہوجاتے ہیں تو لوگوں کے اخلاق برباد ہوجاتے ہیں۔'' (کشف المحجوب، صفحہ ۲۱۵)

Marfat.com

اور جہاں سب کے سب خراب ہو جائیں وہاں کیا کیفیت ہوگی سمجھا جا سکتا ہے۔اس پر طرہ یہ کہ انھیں ٹھیک کرنے والے اداروں کے ذمہ داران خود بگڑتے جارہے ہیں۔مساجد کی ذمہ داری جاہل اور غیر ذمہ دار لوگوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔خانقاہوں پر وہ قابض ہیں جن کا تصوف سے کوئی تعلق نہیں۔پیر صاحبان کو سجادہ نشینی کی جنگ سے فرصت نہیں۔مدارس دینی تعلیم اور شخصیت سازی کے بجائے مسلکی فتنوں کی آماجگاہ ہیں۔یہی سبب ہے کہ دیگر اداروں کی طرح اب مدرسوں کے تعلیم یافتہ افراد میں بھی اخلاقی زوال دیکھنے کو مل رہا ہے۔انھیں گڑبڑی کے مواقع کم ملتے ہیں۔ان میں سے بیشتر افراد اونچے سرکاری عہدوں تک نہیں پہونچ پاتے ہیں لہٰذا وہ گھپلے گھوٹالے بھی کم ہی انجام دیتے ہیں،لیکن وہ یہ کام اپنے دینی مدرسوں اور دوسرے چھوٹے اداروں میں بھی کر لیتے ہیں۔ایسے NGO,s کی کمی نہیں جو انھیں علماء کی طرف سے صرف اس لئے چلائے جاتے ہیں کہ عرب ممالک سے زکوٰۃ،خیرات اکٹھی کرکے عیش وعشرت کے محل تعمیر کئے جائیں۔سماوی آفات اور فرقہ وارانہ فسادات کے بعد یہ حضرات عرب ملکوں کے دورے پر چندے اکٹھے کرنے چل پڑتے ہیں۔وہ دینی مدرسے جہاں اسلامی تعلیمات دی جاتی ہیں اور انسانی برابری کا درس دیا جاتا ہے، وہاں طلباء کے ساتھ کئی طرح کی نابرابری بھی دیکھی جاتی ہے۔بعض اوقات علاقائی،لسانی اور نسلی امتیاز دیکھنے کو ملتا ہے۔آج کل کئی مدرسوں میں برادری کے نام پر بھید بھاؤ برتا جاتا ہے خاص طور پر صوبہ بہار جہاں اس قسم کا تعصب عام ہے اور اس معاملے میں اسلامی تعلیمات کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔کئی مدرسے تو برادری کے نام پر ہی وجود میں آئے ہیں۔راقم الحروف خود ایسے کئی مدارس سے واقف ہے۔اتر پردیش کے مدرسوں میں بہار اور بنگال کے طلباء کے ساتھ متعصّبانہ رویہ عام ہے۔جہانگیر گنج ضلع فیض آباد کے ایک دینی مدرسے میں بہاری بچوں کے داخلے پر ایک زمانے میں پابندی عائد کردی گئی تھی۔اسی طرح قصبہ روناہی،ضلع فیض آباد کے ایک اسلامی مدرسے میں بہار،بنگال کے طلباء کے نام کے ساتھ بہاری اور بنگالی کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔یہ سب باقاعدہ رجسٹر میں کیا جاتا ہے۔اس قسم کا امتیاز نہ صرف غیر اسلامی ہے بلکہ ملک کے آئین کے خلاف بھی ہے۔یہ سب کچھ بڑے بڑے علماء

Marfat.com

اسلام کی نگرانی میں ہو رہا ہے مگر کسی کو اس طرح کی باتوں پر اعتراض نہیں ہے۔ اس قسم کی باتیں اگر عوام میں ہوتیں تو زیادہ حیرت کی بات نہیں تھی۔ یہ ان علماء میں ہیں جو اسلام کی تعلیمات کے علمبردار ہیں اور زوردار انداز میں دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ یہاں کسی عربی کو عجمی پر اور گورے کو کالے پر فضیلت نہیں۔ یہ حجۃ الوداع کے موقعے پر کی گئی رسول اکرم ﷺ کی تقریر پر وعظ کہتے ہوئے نہیں تھکتے اور خود تعصب سے باز نہیں آتے۔ ان فارغینِ مدارس میں بعض دوسری اخلاقی خرابیاں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ اس قسم کے معاملات اکثر مدرسوں میں سامنے آتے رہتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان میں دوسروں کے مقابلے یہ بات کم ہے اور یہ یقیناً ان اخلاقی تعلیمات کا نتیجہ ہیں جو انھیں قرآن اور حدیث کی دی جاتی ہیں۔

تصوف کی تعلیم دِل بدل سکتی ہے

مولانا جلال الدین رومی کا قول ہے:

"جو پرندہ زمین سے اوپر اڑتا ہے اگر چہ وہ آسمان میں نہیں پہنچتا مگر اتنا تو ہوتا ہے کہ جال سے بہت دور ہو جاتا ہے اسی طرح اگر کوئی درویش ہو جائے اور وہ کمالِ درویشی کو نہ پہنچے مگر اس قدر تو ہوتا ہے کہ مخلوق میں عوام کے گروہ سے ممتاز ہو جاتا ہے، اور دنیا کی زحمتوں اور جھمیلوں سے چھوٹ جاتا ہے اور ہلکا پھلکا بن جاتا ہے۔"

(نفحات الانس صفحہ ۷۰۰)

تصوف کی اخلاقی تعلیمات کو اگر نصاب میں شامل کر دیا جائے تو اس کے اچھے نتائج لازمی طور پر طلباء کے اخلاق پر پڑیں گے۔ تصوف تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی ہے۔ صوفیہ حضرات کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اگر کوئی ان کے پاس روحانی تعلیم کے لئے آتا تو وہ اس سے مجاہدہ بھی کرایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی امیر و وزیر بھی ہوتا تو اسے اس منزل سے گزرنا پڑتا تھا۔ کشمیر کے معروف صوفی شیخ العالم حضرت حمزہ رینہ رحمۃ اللہ علیہ تو اس دوران بڑے بڑے امراء اور

Marfat.com

وزراء کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانے کا حکم دیتے تھے اور مہینوں انھیں خانقاہ میں جھاڑو لگانے اور باورچی خانے میں کھانا پکانے کی ذمہ داری سنبھالنی پڑتی تھی۔ اس کا مقصد باورچی خانے کے ملازمین کی کمی پوری کرنا ہرگز نہ تھا بلکہ یہ کام ان سے انکے تزکیۂ قلب کے لئے لیا جاتا تھا۔ اسکی ایک زندہ مثال سکھوں کے گردواروں میں آج بھی دیکھنے کو ملتی ہے، جہاں بڑے بڑے رئیس بھی جوتے صاف کرنا اور اسکی دھول کو اپنے ماتھے سے لگانا باعث افتخار جانتے ہیں۔ یہاں گردوارے کے کاموں کے لئے لوگ انتہائی شوق سے خود کو وقف کرتے ہیں۔ سکھ ازم چونکہ تصوف سے متاثر ہے، لہٰذا یہاں کئی صوفیانہ روایتوں کی جھلک دیکھنے کو مل جاتی ہے۔

اونچے عہدوں پر فائز افراد میں اکثر احساسِ برتری اور انانیت کے جذبات ابھر آتے ہیں۔ مجاہدہ اسی احساس کو ختم کر کے آدمی کے اندر انکساری لاتا ہے۔ اسے بندہ ہونے کا احساس دلاتا ہے ،اسے یہ بتاتا ہے کہ وہ اللہ کا ایک معمولی بندہ ہے۔ وہ اس دنیا میں اپنے رب کے عرفان کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اسکے دل کے بھید پر بھی ہر لمحے اللہ کی نظر ہے اور وہ اسکے ایک ایک کام کا حساب عنقریب لینے والا ہے۔

تصوف کی تعلیم اور تربیت انسانی شخصیت میں بڑی تبدیلی لا سکتی ہے۔ طلباء پر اسکے مثبت اثرات مرتب ہو سکتے ہیں اور بجا طور پر یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اخلاقی خوبیوں اور اچھی صفات سے مالا مال ہو سکتے ہیں۔ جو روحانی صفات اہلِ مدارس و خانقاہ کی شناخت رہی ہیں، افسوس کہ آج انھیں کا فقدان ہوتا جا رہا ہے اور ایک حد تک اس کمی کو تصوف کی تعلیم اور روحانی تربیت سے پورا کیا جا سکتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تمام طلباء کو صوفی بنا دیا جائے، میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ، اگر تصوف کی تعلیم نے طلباء کے اندر کچھ اخلاقی خوبیاں پیدا کر دیں تو اس سے وہ پوری زندگی ایک اچھے اور ذمے دار انسان کی طرح زندگی گزار سکتے ہیں۔ وہ قتل و غارت گری، تشدد، رشوت ستانی، بدعنوانی، جھوٹ، غیبت، حسد اور دوسری غیر اخلاقی باتوں سے بچ سکتے ہیں۔ تصوف کو مدرسوں کے ساتھ ساتھ اسکولوں کے نصاب میں بھی شامل کرنا چاہئے۔ اس سے طلباء کے اندر اچھی صفات پیدا کرنے میں مدد ملے گی۔

Marfat.com

آخری بات

مشرقی ممالک میں، مغرب کی ذہنی غلامی کا رواج ہے، اسی لئے سمجھ لیا گیا ہے کہ جو تعلیم انسان کو روٹی نہ دے سکے، اسکی کیا ضرورت؟ وہاں ہر بات روٹی سے شروع ہو کر روٹی پر ختم ہو جاتی ہے۔ انکے ہاں اخلاقی اور روحانی قدریں اس لئے بیکار ہیں کہ ان سے دولت حاصل نہیں ہوتی، عیش وعشرت کی زندگی نہیں ملتی۔ مشرق بھی اسی راستے پر چل رہا ہے اور روحانی واخلاقی علوم سے پہلوتہی کر رہا ہے، مگر بھارت جیسے مشرقی ممالک کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ روحانی اور اخلاقی قدروں سے دور ہو کر اپنی تاریخ، اپنی تہذیب اور ماضی کی وراثت سے بھی دور ہو جائیں گے۔ اگر ہم مغرب کی طرح اپنی پرانی قدروں سے بے نیاز ہو کر انجانے راستوں پر چل پڑے تو ہماری کوئی منزل نہ ہوگی اور ہم ظلمت کی کسی ایسی کھائی میں جا گریں گے جہاں سے باہر آنا مشکل ہوگا۔ تصوف ہمیں اپنی تاریخ اور تہذیب سے جوڑتا ہے اس سے دور ہو کر ہم بہت کچھ کھوتے جا رہے ہیں، جس کا احساس ہمیں شاید دیر سے ہو۔

OOO

Marfat.com

لباس جسم پہ رنگیں کفن لگے ہے مجھے
ہر اِک روح سے خالی بدن لگے ہے مجھے
یہ حادثات، یہ شورِ فغاں، یہ ہنگامے
یہ شہر چیختی روحوں کا بن لگے ہے مجھے
ظفرؔ مرادآبادی

Marfat.com

ذہنی تناؤ کا علاج، تصوف

آدمی آدمی سے دور لگے
زندگی جیسے اِک قصور لگے

دنیا بہت تیزی سے ہائی ٹیک ہوتی جارہی ہے۔زندگی اور اسکی قدریں بدلتی جارہی ہیں۔انسان اپنے ماضی کو فراموش کر کے مستقبل کی طرف برق رفتاری سے بھاگ رہا ہے۔کل کی طرف دیکھنے کے لئے کسی کے پاس فرصت نہیں۔اسکی دلچسپی صرف حال اور مستقبل میں ہے۔اس دوڑتی بھاگتی دنیا میں انسان جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت محسوس کرتا ہے وہ ہے،سکون۔اس سکون کی تلاش میں وہ کبھی کلبوں میں جاکر سگریٹ کے دھویں اڑاتا ہے اور اس دھویں میں

Marfat.com

اپنے غم والم کو اڑانے کی کوشش کرتا ہے تو کبھی شراب خانوں میں جا کر حزن وملال کو پیمانے میں ڈال کر حلق کے نیچے اتارنے کی کوشش کرتا ہے۔ کبھی وہ جوا خانوں میں زندگی کی بدسکونی کو ہارنا چاہتا ہے تو کبھی ریس کورس میں چین وقرار جیتنا چاہتا ہے۔ کبھی سنیما ہالوں کے اندھیرے میں اطمینانِ قلب کی تلاش کرتا ہے تو کبھی انٹرنیٹ اور چاٹینگ سائٹس کی زرق برق دنیا میں، مگر کہیں بھی اسے ذہنی سکون اور قلبی اطمینان نہیں حاصل ہوتا۔ نتیجہ کے طور پر خودکشی کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے مگر سوال پھر بھی اپنی جگہ برقرار ہے کہ۔۔

مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

ڈپریشن کے شکار مریضوں کے اعداد وشمار

ذہنی بے سکونی (DEPRESSION) اس وقت ایک بڑی بیماری کے طور پر پوری دنیا میں سامنے آیا ہے۔ ڈپریشن آج دنیا کی دوسری سب سے بڑی بیماری ہے۔ اس کے شکار افراد کی تعداد اس وقت دنیا میں چار سو پچاس ملین سے زیادہ ہے، جو کئی ملکوں کی مجموعی آبادی سے زیادہ ہے۔ اس مرض سے ہر سال پچاسی لاکھ سے زیادہ لوگ مرجاتے ہیں۔ یہ ہر عمر اور ہر جنس میں پایا جاتا ہے، البتہ پندرہ سے چوالیس سال کی عمر کے لوگ اس کا زیادہ شکار ہوتے ہیں۔ WHO کی ۲۰۰۹ کی رپورٹ کے مطابق اس وقت دنیا میں جو ۴۵۰ ملین افراد ڈپریشن کے شکار ہیں، ان میں بیشتر ترقی یافتہ ملکوں میں رہتے ہیں۔ اس رپورٹ کے مطابق یہ مرض ترقی یافتہ ملکوں کے بعد ترقی پذیر ملکوں کو اپنی لپیٹ میں لیتا جا رہا ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق ہر سال پوری دنیا میں لگ بھگ ایک ملین افراد خودکشی کر لیتے ہیں ان میں بیشتر ڈپریشن کے شکار ہوتے ہیں۔ گزشتہ ۴۵ برسوں میں اس میں ۶۰ فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔

ڈپریشن کی ایک قسم کلینیکل ڈپریشن ہے۔ یہ انتہا درجے کا ڈپریشن ہے اور امریکا جیسے

Marfat.com

ملک میں عام ہے۔ یہاں ۱۹ ملین افراد ہر سال اس کے شکار ہو جاتے ہیں۔ جن کی بڑی تعداد خودکشی کر لیتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ۲۲ فیصد سے زیادہ امریکی جنکی عمر اٹھارہ سال سے زیادہ ہے، ڈپریشن کے اس مقام پر ہیں جہاں انھیں علاج کی ضرورت ہے۔ خودکشی کرنے والے نوے فیصد افراد کبھی نہ کبھی اس کے مریض رہ چکے ہوتے ہیں۔ ۲۰۰۱ میں ۳۰۶۲۲ امریکیوں نے خودکشی کی جن میں بیشتر ڈپریشن کے شکار تھے۔ یہاں دو فیصد سے زیادہ بچے بھی ڈپریشن کا شکار ہوتے ہیں۔ امریکی سرکاری ملازمین اس کے علاج پر سالانہ ۱۱۶ بلین ڈالر خرچ کرتے ہیں۔

MENTAL HEALTH FOUNDATION کی رپورٹ کے مطابق برطانیہ (BRITAIN) کے ۲۵ فیصد شہری سال میں کم سے کم ایک بار ضرور ڈپریشن محسوس کرتے ہیں۔ ۱۰ فیصد بچوں میں بھی یہ بیماری ایک آدھ بار ضرور محسوس کی جاتی ہے۔ برطانیہ کے لئے اب یہ عام بیماری ہے۔ یہاں قیدیوں میں ۹۰ فیصد ڈپریشن کے شکار پائے گئے۔

بھارت، چین اور دیگر مشرقی ممالک میں یہ مرض نسبتاً کم ہے مگر تیزی سے پھیل رہا ہے۔ یہاں کے لوگ جیسے جیسے مغربی طرز زندگی کے عادی ہوتے جارہے ہیں ویسے ویسے اس مرض میں بھی اضافہ ہورہا ہے۔ یہاں طلباء سے لے کر گاؤں کے کسانوں تک میں ڈپریشن کی علامتیں دیکھی جارہی ہیں اور خودکشی کرنے والوں میں بہت سے اس کے شکار ہوتے ہیں۔

ڈپریشن کی علامت یہ ہے کہ آدمی غمگین، پژمردہ، مایوس اور تھکا ماندہ دکھائی دیتا ہے۔ اسے زندگی سے لگاؤ محسوس نہیں ہوتا، وہ سماج سے کٹا کٹا رہتا ہے۔ اسے تنہائی اچھی لگتی ہے اور عوامی زندگی کو پسند نہیں کرتا۔ کئی بار مریض پاگلوں جیسی حرکتیں بھی کرتا ہے۔ یہ بیماری بچوں میں بھی ہوسکتی ہے اور ان کے اندر بھی یہی علامتیں دکھائی دیتی ہیں۔

ڈپریشن کا سب سے بڑا سبب آج کی طرز زندگی ہے۔ یہ کسی غم اور صدمے کے سبب ہوسکتی ہے۔ مسلسل محرومی اور ناکامی کی وجہ سے ہوسکتی ہے۔ لگاتار سوچ فکر اور ذہنی دباؤ کے سبب ہوسکتی ہے۔ کسی محبوب شخصیت کی جدائی یا موت کی وجہ سے ہوسکتی ہے۔ نوکری کے جانے یا مال

Marfat.com

و دولت کے نقصان سے ہونے والے صدمے کی وجہ سے ہوسکتی ہے۔ مستقبل میں ہونے والے ممکنہ نقصان کے خوف سے ہوسکتی ہے۔ بڑے صدمے کے بعد عام طور پر آدمی چند دن بعد معمول کے مطابق زندگی گزارنے لگتا ہے اور تمام حالات نارمل ہو جاتے ہیں مگر کئی بار ایک لمبی مدت گزرنے کے بعد بھی وہ معمول پر نہیں آتا تو سمجھ لینا چاہئے کہ اسے زبردست ذہنی صدمہ پہونچا ہے اور وہ ڈپریشن کا شکار ہو گیا ہے۔ ڈپریشن کے مختلف اسٹیج ہیں مگر اس کی انتہا خودکشی ہے۔ WHO کی رپورٹ کے مطابق اس کا سب سے بڑا سبب پیسے کی چاہت ہے۔ غریب اور متوسط درجے کے لوگ زیادہ پیسے کی چاہت رکھتے ہیں اور امیر بن کر عیش و عشرت کی زندگی جینا چاہتے ہیں، یہ چاہت بڑھ کر ڈپریشن کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ خودکشی کرنے والوں میں ۸۶ افیصد افراد اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ بیماری صرف اسی حالت میں ٹھیک ہوسکتی ہے جب ابتدائی طور پر اس کا پتہ لگا لیا جائے اور بہتر طریقے سے مریض کی دیکھ بھال کی جائے۔ علاج کے لئے پہلے تو صدمے کے اسباب دور کئے جاتے ہیں، پھر تفکرات سے اسے دور رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس کے بعد خاص قسم کی تھیراپی اپنائی جاتی ہے۔ بیماری بڑھنے کی حالت میں مریض پاگل ہوسکتا ہے یا اسکی موت ہوسکتی ہے۔ زیادہ تر مریض خودکشی کر لیتے ہیں۔

ایک رپورٹ کے مطابق عراق اور افغانستان کے محاذ جنگ پہ تعینات امریکی اور نیٹو فوجیوں میں بڑی تعداد ڈپریشن کی شکار ہے۔ یہ ذہنی تناؤ کچھ خاص حالات کا نتیجہ ہیں۔ ان فوجیوں کو ایک ایسے ماحول میں رہنے پر مجبور ہونا پڑ رہا ہے، جس کے وہ عادی نہیں تھے، وہ ایسے ماحول و موسم کو برداشت کر رہے ہیں جسے جھیلنا انھوں نے کبھی نہیں سیکھا۔

اس کے علاوہ ہر وقت انھیں اپنی جان جانے کا خدشہ لگا رہتا ہے، پھر گھر اور بال بچوں کی فکر الگ ہے۔ عزیز و اقارب سے دوری کا غم انھیں کھائے جاتا ہے۔ جو ڈر انھیں تل تل مارتا ہے وہ ہے جان جانے کا۔ انسان کو اپنی جان سے بڑھ کر عزیز کوئی چیز نہیں ہوتی۔ ان حالات نے انھیں ڈپریشن کا

Marfat.com

مریض بنا دیا ہے۔ آئے دن ایسی خبریں بھی میڈیا میں آتی رہتی ہیں کہ کسی فوجی نے اندھا دھند گولیاں برسا کر اپنے ساتھیوں کو موت کے گھات اتار دیا، یہ بھی ڈپریشن میں ہی ہوتا ہے۔

ڈپریشن سے بچاؤ کی صوفیانہ تدبیریں

ذہنی تناؤ اور ڈپریشن کے بنیادی اسباب درج ذیل ہیں۔

۱۔ دولت کے حصول میں ناکامی۔

۲۔ دولت کا نقصان۔

۳۔ نوکری کا چھوٹ جانا یا شیئر بازار کے گرنے سے نقصان۔

۴۔ کسی عزیز کے بچھڑنے کا غم۔

۵۔ جان و مال کے نقصان کا ڈر۔

۶۔ بچوں میں ڈپریشن کے اسباب عموماً والدین کا دباؤ یا والدین کے خراب تعلقات ہیں۔

ان اسباب میں بیشتر کا تعلق مال سے ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ مرض بھی مادہ پرستی کی دین ہے۔ لہٰذا دولت کی چاہت کو اگر کم کیا جا سکے تو یہ مرض بہت حد تک کم کیا جا سکتا ہے۔ تصوف مادہ پرستی اور دولت کی چاہت کو انتہائی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس راستے پر چلنے کی پہلی شرط یہی ہے کہ اپنے مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرو۔ اگر آدمی ایسا نہ کرے تو وہ سلوک کے راستے پر چل بھی نہیں سکتا۔ بہر حال اس راستے پر چلنے کا ارادہ نہ ہو تو بھی بعض صوفیانہ افکار کو اپنا کر زندگی میں بہت حد تک بدلاؤ لایا جا سکتا ہے۔ روپے، پیسے زندگی کی بنیادی ضرورت ہیں۔ انکے بغیر ایک قدم چلنا بھی ممکن نہیں، مگر اتنا تو ممکن ہے کہ آدمی اپنی ضرورتوں کو کم کر لے اور جو مل جائے اس پر صبر و شکر کرے۔ دولت کی چاہت میں ایسی دیوانگی نہ اختیار کرے کہ محرومی کی صورت میں اسکی جان پر بن آئے۔ اسے یہ سمجھنا ہوگا کہ پیسہ زندگی کے

Marfat.com

لئے ہے نہ کہ زندگی پیسے کے لئے۔ پیسہ اہم ہوسکتا ہے مگر زندگی اس سے زیادہ اہم ہے لہٰذا اسے پیسے کے لئے داؤ پر نہ لگایا جائے۔

اس سلسلے میں صوفیہ کا پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ دولت جمع ہی نہ کرو کہ اس میں دل لگا رہے۔ جیسا کہ شیخ فضل رازی کو میراث میں ایک لاکھ چاندی کے سکے ملے۔ آپ نے ان تمام سکوں کو پھینک دیا۔ (نفحات الانس، صفحہ ۳۲۳) اسی طرح حضرت رابعہ بصریہ فرماتی ہیں کہ دنیا کی دولت گندگی کی طرح ہے اور اسکے چاہنے والے کتے ہیں۔ (نفحات الانس) ایک صوفی کا قول ہے کہ دنیا کی دولت سے محبت کرنے والے کتے سے بدتر ہیں کہ کتا تو اپنی ضرورت پوری کر کے چلا جاتا ہے اور انسان دولت کے ڈھیر کو چھوڑنے کو تیار نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ''حضرت والد (شاہ عبدالرحیم) نے فرمایا کہ خلیفہ ابوالقاسم فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ اپنے آرام کے لئے بھی فقیری اختیار نہیں کرتے یعنی جب طبیعت یکسو ہو اور تمام خطرات و وساوس دور ہو جائیں تو آدمی کو ظاہری حجاب کے باوجود بھی کلیۃً آرام وسکون حاصل ہو جاتا ہے۔''
>
> (انفاس العارفین، صفحہ ۸۰۔۷۹)

سکونِ قلب کے لئے سب سے بہتر طریقہ صوفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ آدمی دولت دنیا سے دستبردار ہو جائے اور سب کچھ اللہ کے راستے میں خرچ کردے، مگر اس طریقے پر عمل آج کے انسان کے لئے بہت مشکل ہے۔ اس کے لئے دوسرا طریقہ صوفیہ کے مسلک میں مل جاتا ہے، جیسا کہ حضرت ابوبکر ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

> درویشی تین چیزوں کا نام ہے۔ لالچ کو چھوڑ دینا۔ اگر کوئی چیز آجائے تو منع نہ کرنا۔ جب کچھ مل جائے تو جمع نہ کرنا۔
>
> (نفحات الانس، صفحہ ۴۰۴)

Marfat.com

درویشی کی یہ وہ شکل ہے جس پر عمل کرنا ہر کسی کے لئے ممکن ہے۔ دولت کی ضرورت سے زیادہ لالچ ہی انسان سے غیر اخلاقی اور غیر قانونی کام کرواتی ہے لہٰذا اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو بہت سے برے کاموں سے بچا جا سکتا ہے اور حصول دولت کا جنون ڈپریشن اور پھر خودکشی تک نہیں لے جا پائے گا۔ زیادہ سے زیادہ کی چاہت ہی انسان کو دولت کے لئے بے رحم اور خونخوار جانور بننے پر مجبور کرتی ہے۔ آدمی کو سمجھ لینا چاہئے کہ کوشش کرنا اس کے ہاتھ میں ہے مگر اس کا رزلٹ اس رزّاق کے ہاتھ میں ہے، جو سب کو روزی دیتا ہے۔ ایک کسان زمین میں دانا ڈال سکتا

ہے، پانی اور کھاد ڈال سکتا ہے لیکن کیا وہ اس دانے کو پودا بنا سکتا ہے؟ کیا اسے کیڑے مکوڑوں کی خوراک بننے سے بچا سکتا ہے؟ کیا اس پودے میں پھول اور پھل لگا سکتا ہے؟ کیا اسے موسم کی مار سے بچا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! یہ کام تو وہی کر سکتا ہے جس نے اس دانے کو پیدا کیا ہے، جس نے اس کی پرورش زمین کے اندر کی ہے، اسے سڑنے گلنے سے بچایا ہے، جس نے اسے کیڑے مکوڑوں اور چڑیوں کی خوراک بننے سے بچایا ہے۔ جس نے اسے دانے سے انکور میں تبدیل کیا، پھر ایک نرم و نازک پودے کو پتھریلی زمین سے نکالا، اسے تناور درخت بنایا اور اس میں خوشبودار پھول و مزیدار پھل لگائے۔ جب آدمی کے ہاتھ میں کوشش کے سوا کچھ نہیں تو پھر وہ اپنی مرضی کے خلاف کام ہوتے دیکھ ڈپریشن کا شکار کیوں ہوتا ہے؟ حضرت ابوبکر ہمدانی نے اور دو باتیں کہیں کہ جو کچھ آ جائے اسے منع نہ کرے اور اسے جمع بھی نہ کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پیسہ انسانی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر کام نہیں چلتا، لہٰذا اسے آنے دو، بشرطیکہ جائز طریقے سے آتا ہو، پھر انسانی ضرورت اس کے جمع کرنے سے پوری نہیں ہوتی بلکہ خرچ کرنے سے پوری ہوتی ہے، اسلئے اسے خرچ کیا جائے۔

اللہ کی مرضی میں راضی رہنا اور اس کے آگے سرِ تسلیم کو خم کر دینا انسان کو ڈپریشن سے بچاتا ہے۔ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے اس کی اجازت کے بغیر پتہ بھی نہیں ہلتا ہے۔ ایسے میں انسان کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ وہ ہر حال میں اُسی کی مرضی میں راضی رہے۔ صوفیہ کی تعلیمات میں اس کی خاص تلقین ملتی ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

Marfat.com

''نعمتوں کو حاصل کرنے اور مصیبت و تکلیف سے بچنے کی کوشش نہ کر، اس لئے کہ اگر تیری قسمت میں نعمت ہے تو تجھ کو ضرور مل کر رہے گی، تو اس کو طلب کرے یا ناپسند۔ اور اگر مصیبت و تکلیف تیری قسمت میں ہے اور تیرے لئے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے تو خواہ اسے ناپسند کرے یا دعاؤں کے ذریعے اسے دور کرے یا صبر کر اور جلدی جلدی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرے تو بھی تجھ پر مصیبت آ کر رہے گی۔''

(فتوح الغیب، مقالہ ۱۳)

آدمی خوش ہو یا ناخوش مگر اللہ کی مرضی کے مطابق ہی اس کائنات کا نظام چلتا ہے۔ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے اللہ کی مرضی میں راضی ہونے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ یہ سوچ اگر دل میں راسخ ہو جائے تو بہت حد تک ڈپریشن سے بچا جا سکتا ہے اور اس قسم کی دوسری بیماریاں بھی نہیں پیدا ہونگی۔ اسی طرح اگر آدمی اپنی ضرورتیں کم کر لے تو بھی بہت حد تک ڈپریشن سے محفوظ رہنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اہل تصوف کا ماننا ہے کہ آدمی اپنی ضرورتوں کو کم کر لے تو اس سے کئی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر ضرورتیں کم ہونگی تو دولت کے حصول کی جدوجہد بھی کم ہوگی اور جو وقت بچے گا اس میں اپنے مالک کی عبادت کی جا سکتی ہے۔ دوسرے دولت کی ہوس میں جو غلط کام انسان کرتا ہے اس سے بچ سکتا ہے۔ تیسرے جو کچھ آدمی کماتا ہے یا خرچ کرتا ہے اس کا حساب بھی اسے اللہ کو دینا ہے، چوتھے یہ دولت کا جنون جو ڈپریشن جیسی بیماریوں کو جنم دیتا ہے اس سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ اپنے دور کے مشہور صوفی، شاعر اور عالم مولانا عبدالرحمٰن جامی نے لکھا ہے:

''شیخ ابومحمد العتایدی رحمۃ اللہ علیہ روزانہ صرف اتنا کماتے تھے کہ دو روٹیاں پک سکیں۔ ایک روٹی وہ خود کھاتے دوسری خیرات کر دیتے تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ، چالیس سال ہو گئے میں نے چراغ نہیں جلایا ہے، یعنی اس کے حساب سے ڈرتا ہوں کہ اس کے جلانے کے لئے کتنا کمانا چاہیے، کیونکہ ہر چیز کا حساب ہوگا،،

(نفحات الانس، صفحہ ۴۶۲)

Marfat.com

''حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ سوکھی روٹی پانی میں بھگو کر نمک سے کھا لیتے اور فرماتے جو دنیا میں اتنی مقدار پر راضی ہو جاتا ہے وہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔''

(مکاشفۃ القلوب، باب۔۳۴)

آدمی کو اگر دنیا میں رہنا ہے تو یقیناً اسکی ضرورتیں بھی ہونگی، جن میں سب سے بنیادی ضرورت روٹی، کپڑا اور مکان ہے۔ ان ضرورتوں سے نظر بچانا ممکن نہیں۔ پھر اگر اسکے ماں باپ ہیں ، بال بچے ہیں یا دیگر اعزا واقربا ہیں تو انکی ضروریات بھی ہونگی، ایسے میں اس کے لئے کچھ جدو جہد بھی ضروری ہے، روزگار کی کوشش بھی لازم ہے۔ تصوف اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ انسان اپنی ذمہ داریوں سے راہ فرار اختیار کر لے۔ اسے اسی دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے الگ رہنا ہے جیسا کہ چشتی سلسلے کے مشہور بزرگ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''ترک دنیا سے یہ مراد نہیں کہ انسان اپنے تئیں ننگا رکھے اور لنگوٹا باندھ بیٹھ جائے بلکہ دنیا چھوڑنا اس بات کا نام ہے کہ لباس بھی پہنے اور کھانا بھی کھائے ،لیکن جو کچھ اسے ملے اس کی طرف راغب نہ ہو اور نہ اس سے دل لگائے۔''

(فوائد الفواد، جلد۔ا، مجلس۔٦)

نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ کے ملفوظات نے بات صاف کردی کہ تصوف یہی ہے کہ آدمی اس دنیا میں رہ کر بھی اپنے دل کو دنیا سے الگ رکھے۔ یہاں ایک بات اور قابلِ توجہ ہے کہ صوفیہ کا ایک طبقہ ایسا بھی رہا ہے جن پر ذمے داریوں کا بوجھ نہیں تھا۔ ایسے لوگوں کو روزگار کے لئے جدو جہد کی زیادہ ضرورت نہیں تھی۔ انکے پاس اگر روپئے پیسے آ بھی جاتے تو وہ فوراً خیرات کر دیتے ایسے صوفیوں کی تعداد بھی کم نہیں تھی۔ ایک ایسا ہی واقعہ جامؔی نے درج کیا ہے۔ مصر کے ایک صوفی حضرت بنان بن محمد حمال کی سرگزشت ہے جن کا تعلق تیسری صدی ہجری سے ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ:

''ایک بار میں مکہ معظمہ میں تھا میرے ساتھ ایک نوجوان درویش بیٹھا تھا۔

Marfat.com

ایک شخص نے درہموں کی تھیلی اس کے سامنے رکھ دی۔ اس نے کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ اس شخص نے کہا کہ پھر آپ ان کو مسکینوں اور فقیروں میں تقسیم کر دیں۔ چنانچہ نوجوان نے ایسا ہی کیا۔ وہ تمام چاندی کے سکے مسکینوں اور فقیروں میں تقسیم کر دیئے، اپنے لئے کچھ نہ رکھا۔ اسی دن رات کے وقت اس نوجوان کو میں نے دیکھا کہ وادی میں اپنے لئے کچھ کھانا ڈھونڈ رہا ہے۔ میں نے کہا کہ کاش تم درہموں کی تھیلی میں سے اپنے لئے کچھ درہم بچا کر رکھ لیتے! اس نوجوان نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس وقت تک زندہ رہونگا۔،،

(نفحات الانس، صفحہ ۳۵۴)

سوال یہ ہے کہ ایسے شخص کو کیا کبھی دولت کے نقصان کا صدمہ ہوسکتا ہے؟ یا اس کے نہ ملنے کا غم ہوسکتا ہے؟ ہر گز نہیں! پھر اسے ڈپریشن بھی نہیں ہوسکتا اور وہ دولت کی چاہت میں پاگل ہوکر خودکشی بھی نہیں کرسکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمارے لئے اس راستے پر چلنا مشکل ہی نہیں لگ بھگ ناممکن ہے مگر ہم یہ تو کر ہی سکتے ہیں کہ اپنے اندر کے دولت کے جنون کو ختم کریں، اپنی ضرورتوں کو کم کریں اور جو کچھ مل جائے اس پر صبر کریں۔ اسے اللہ کی عطا سمجھیں اور اسکا شکریہ ادا کریں، اگر یہ صفات بھی ہم نے اپنے اندر پیدا کرلیں تو ہماری شخصیت میں زبردست تبدیلی آسکتی ہے اور ہم ان خامیوں سے بچ سکتے ہیں جو ایک دولت کے پجاری میں ہوتی ہیں۔

میرا مجھ میں کچھ نہیں جو کچھ ہے سب تور
تیرا تجھ کو سونپتے کیا لاگت ہے مور

تسلیم و رضا، ڈپریشن سے بچانے والا ہے

بیشتر لوگ محض اس لئے ڈپریشن کا شکار ہوجاتے ہیں کہ وہ اپنے آس پاس کے افراد کو خود سے بہتر لائف اسٹائل کا مالک پاتے ہیں۔ دوسروں کو اچھی حالت میں دیکھ کر انسان کا احساسِ کمتری

Marfat.com

میں مبتلا ہونا فطری ہے۔ حالانکہ اگر غور سے دیکھیں تو محسوس ہوتا ہے کہ ہر انسان کو اللہ نے الگ الگ طرح کی نعمتوں سے نوازا ہے۔ اگر ایک کے پاس دولت ہے تو دوسرے کے پاس تعلیم ہے۔ اگر کسی کے پاس عزت ہے تو کسی کے پاس شہرت ہے۔ کسی کے پاس اونچا عہدہ ہے تو کسی کے پاس کوئی اور خوبی ہے۔ انسان کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہاں کسی کو بھی مکمل جہاں نہیں ملتا۔ کوئی نہ کوئی کمی ہر کسی کے پاس ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر دنیا کے انتہائی دولت مند افراد میں سے ایک امریکی شہری بل گیٹس ہیں۔ ساری دنیا کی کمپیوٹر مارکیٹ پر چھائے ہوئے ہیں مگر اولاد کی دولت سے انھیں اللہ نے محروم رکھا ہے۔

آدمی کا دوسروں کو اچھی حالت میں دیکھ کر احساس کمتری کا شکار ہونا اور پھر ذہنی مریض ہونا اچھی بات نہیں۔ یہ مرض صرف ایک طریقے سے دور ہو سکتا ہے کہ آدمی صبر و رضا کا پیکر بن جائے اور اللہ کی مرضی میں راضی رہنا سیکھ لے۔ اللہ کی مرضی میں راضی رہنا صرف ڈپریشن ہی نہیں بلکہ اور بھی بے شمار امراض اور اخلاقی خرابیوں سے بچاتا ہے۔ اس بیماری اور اس کے علاج کی طرف حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک کتاب میں اشارہ کیا ہے۔

''اے! محتاج اگر دنیا اور اہل دنیا نے تجھ سے منہ موڑ لیا ہے، اگر تو گمنام اور بھوکا پیاسا ہے، اگر برہنہ جسم، پیاسا جگر ہر گوشۂ زمین، مسجد اور ویرانے سے دھتکارا ہوا ہے، اگر تو اسی طرح ہر دروازے سے لوٹایا ہوا ہے، ہر مراد سے محروم ہے۔ اے! شکستہ ارمانوں اور آرزوؤں سے بھرے دل والے، ہرگز تو یہ بات نہ کہہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تنگدست اور محتاج بنایا ہے اور دنیا مجھ سے اٹھالی ہے، اور مجھے اکیلا چھوڑ دیا ہے۔ اس نے مجھے پریشان کیا سکونِ قلب نہیں دیا۔ اس نے مجھے رسوا کیا ہے۔ دنیا میں سے کفایت بھر نہ دیا، اس نے مجھے گمنام بنایا۔ میرے بھائیوں اور مخلوق میں مجھے رفعت اور منزلت نہیں بخشی۔ دوسروں کو اس نے اپنی عظیم نعمتیں عطا فرمائیں۔ وہ رات دن اس کی عظیم نعمتوں میں محو ہیں۔ انھیں اس نے مجھ پر اور میرے

Marfat.com

ہمسایوں پر فضیلت دی ہے۔ حالانکہ ہم دونوں ایماندار اور مسلمان ہیں اور ہماری والدہ حضرت حوا اور ہمارے باپ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ تو نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ یہ سب کیوں کیا ہے؟ اصل یہ ہے کہ تیری مٹی ریت سے پاک اور عمدہ ہے اور صبر و رضا، علم و یقین اور موافقت کی صورت میں رحمتِ الٰہی کی بارش تجھ پر مسلسل برسنے والی ہے، اور تیرے ایمان و توحید کی روشنیاں جمع ہونے والی ہیں۔ تیرے ایمان کا درخت اپنی بنیاد اور جڑ کے اعتبار سے مضبوط، قائم اور ثمر دار بڑھنے والا گھنا اور بلند شاخوں والا ہے۔ اس میں ہر روز زیادتی اور نمو ہے۔ لہٰذا اسے پرورش کے لئے کسی کھاد وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے معاملے کو اس پر پورا کر دیا اور تجھے آخرت میں جنت عطا فرمائی اور تجھے اس کا مالک بنایا۔ اسی طرح وہ آخرت میں تجھے ایسی نعمتیں عطا فرمائے گا کہ نہ اسے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی کے دل پر ان کا وہم و گمان گزرا ہے۔"

(فتوح الغیب، مقالہ ۲۵)

ڈپریشن کا سب سے اہم سبب ہے اپنے آس پاس کے لوگوں کو اچھی حالت میں دیکھنا اور خود کو ان سے بری حالت میں محسوس کرنا ہے۔ دنیا میں جدوجہد کرنا انسان کے ہاتھ میں ہے مگر اس کا رزلٹ اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ ایک کسان زمین میں دانہ تو ڈال سکتا ہے مگر اسے تناور درخت نہیں بنا سکتا، اس میں پھول اور پھل نہیں لگا سکتا۔ جب نتیجہ اس کے ہاتھ میں نہیں تو لاکھ وہ پریشان ہو، حالات کو نہیں بدل سکتا۔ البتہ وہ اپنے دل کو یہ سوچ کر تسلی دے سکتا ہے کہ جس جدوجہد کا نتیجہ اسے دنیا میں نہیں دیکھنے کو ملا وہ آخرت میں ضرور دیکھنے کو ملے گا۔ یہ سوچ وہی پال سکتا ہے جو آخرت اور حشر و نشر پر یقین رکھتا ہو۔ اللہ کی مرضی کے سامنے اپنے سر کو جھکا دینا انسان کو ڈپریشن اور ذہنی تناؤ سے بچاتا ہے۔

Marfat.com

دل انسان کا سرمایہ ہے

سوگندھ بے دلوں کی تجھے اے خدائے دل
دینا ہو کچھ، مجھے تو نہ دینا سوائے دل

دل انسان کے جسم پر حکومت کرتا ہے،اس لئے اگر یہ درست رہے تو جسم کا نظام درست رہتا ہے اور اگر یہ بگڑ جائے تو نظام جسم بگڑ جاتا ہے۔اسی لئے ظن وگمان سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔تصوف میں دل کی پاکیزگی پر بہت زور دیا جاتا ہے، کیونکہ یہ وہ مرکز ہے جو پورے نظام کو بنانے اور بگاڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔شیخ ابوبکر محمد بن حامد ترمذی خراسان کے مشائخ میں ایک باہمت صوفی گزرے ہیں۔آپ کا قول ہے:

''تمہارا سرمایہ صرف تمہارا دل ہے اور یہی تمہارا وقت ہے،لیکن جب تم نے اپنے دل کو ظن وگمان میں، جو دل میں پیدا ہوں مصروف ومشغول کردیا تو سمجھ لو کہ تم نے اپنے اوقات کو ان چیزوں میں ضائع کردیا جن میں ضائع نہیں کرنا چاہئے تھا،تو وہ شخص کس طرح نفع کما سکتا ہے جس کے سرمایہ کو نقصان پہنچ چکا ہے۔''

(نفحات الانس،صفحہ ۳۵۱)

دل آدمی کا سرمایہ ہے، کسی کے بارے میں زیادہ بدگمانی سے اس سرمایے کو نقصان پہنچتا ہے اسی لئے اسے پاکیزہ رکھنے کو کہا گیا ہے۔

نہائے دھوئے کا بھیا، جو من میل نہ جائے
مین سدا جل میں رہے، دھوئے باس نہ جائے

آدمی کا دل اس کے لئے بہت اہم ہے۔یہ اللہ کی عظیم نعمت ہے اس لئے اسے ہمیشہ بہتر رکھنا چاہئے۔یہ اگر ٹھیک رہے تو پورا جسمانی اور روحانی نظام ٹھیک رہتا ہے اور اگر یہ بگڑ جائے تو تو پورا جسمانی اور روحانی نظام بگڑ جاتا ہے۔حضرت مخدوم شرف الدین یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

Marfat.com

''دل ایک شاہی خزانے کی حیثیت رکھتا ہے، مگر غور سے دیکھو اس خزانے میں تم کیا رکھتے ہو؟ اگر اس میں جواہرات بھرے ہیں تو بیشک یہ خزانہ کہا جا سکتا ہے اور اگر اس میں کوڑا کرکٹ ہے تو یہ گھاس پھوس کا انبار ہے۔ یہیں سے بزرگوں نے کہا ہے کہ ایک خزانہ تو بہشت میں ہے جس کو نعمت کہتے ہیں اور ایک خزانہ عارفوں کے دل میں ہے، اس کا نام محبت ہے۔ ربّ العزت کی قسم ہزاروں ہزار بہشت محبت کے خزانے کے ایک موتی کے برابر بھی قیمت نہیں رکھتے۔ بہشت کے خزانے کا محافظ ایک فرشتہ ہے، جس کا نام رضوان ہے اور محبت کے خزانے کا نگہبان خود حضرت خداوند جلّ وعلا ہے۔'' (مکتوباتِ صدی، مکتوب ۸۰)

انسان کی دل تنگی کا سب سے بڑا سبب دنیا کی محبت ہے۔ جب آدمی دنیا اور اسکی ہما ہمی میں مصروف رہتا ہے تو پھر وہ اسی کا ہو رہتا ہے۔ ایک دن مولانا جلال الدین رومی نے ایک دوست کو غمگین دیکھا تو فرمایا :

''یہ ساری دل تنگی اس دنیا سے محبت کی وجہ سے ہے۔ جوانمردی یہ ہے کہ اس جہان سے آزاد رہے اور خود کو مسافر سمجھے۔ جس رنگ کو دیکھے اور جس مزے کو چکھے سمجھ لے نہ یہ اسکے ساتھ نہیں رہیگا۔ جب ایسا کریگا تو دل تنگ نہیں ہوگا۔''

(نفحات الانس، صفحہ ۷۰۰)

مالی آوت دیکھ کے کلیاں کریں پکار
پھولی پھولی چن لئے کل ہماری بار

اوپر کے چند جملوں نے دل تنگی کا سبب بھی بتا دیا اور اس کا علاج بھی۔ بہت صاف بات ہے کہ اگر آدمی اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیاداری سے دور رہے تو جس قدر وہ دنیا کے جھنجھٹ میں پھنس جاتا ہے نہ پھنسے۔ دنیا کی بے ثباتی کا تصور اگر اس کے ذہن میں ہوگا تو وہ اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی الگ ہوگا۔

Marfat.com

چلتی چاکی دیکھ کے دیا کبیرا روئے
دوئی پٹ بھیتر آئی ثابت گیا نہ کوئے

دل کا سکون اللہ کے ذکر میں ہے

ذہنی سکون کے لئے مختلف راستے تلاش کئے جاتے ہیں مگر جو ایک اکیلا راستہ ذہنی سکون اور دل کے اطمینان کے لئے ہے، اس کی طرف کم ہی لوگوں کا دھیان جاتا ہے۔ یہ راستہ صوفیوں کا راستہ ہے۔ یہ طریقہ اللہ والوں کا طریقہ ہے۔ ذہنی اور قلبی سکون کے لئے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔ سب سے پہلے تو یہ ضروری ہے کہ آدمی اپنے دل سے دنیا اور دولت دنیا کی محبت نکال لے ، پھر وہ یکسو ہو کر اپنے خالق و مالک کو یاد کرے۔ یہ بات قرآن میں بھی کہی گئی ہے کہ:

"بیشک اللہ کو یاد کرنے سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔"

دلی سکون کا یہی ایک علاج ہے۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ جب کہیں ذکر خدا کی محفل ہوتی ہے یا علماء وعظ و نصیحت کرتے ہیں تو بہت سے لوگوں کو نیند آنے لگتی ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ دلوں کو سکون مل رہا ہے۔ کبھی ناچ گانے اور راگ و رنگ کی محفلوں میں لوگوں کو سکون سے سوتے ہوئے نہیں دیکھا جاتا۔ صوفیوں نے ذہنی اور قلبی سکون کے لئے اسی طریقے کو اپنایا ہے۔ وہ جب اللہ کو یاد کرنے میں لطف پاتے ہیں تو دوسرے کاموں کو چھوڑ کر اسی کام میں لگ جاتے ہیں۔

شیخ ابوجعفر محمد بن علی النسوی فرماتے ہیں:

"جو شخص اللہ کے علاوہ کے ساتھ سکون و قرار حاصل کرتا ہے تو اللہ اسکو چھوڑ دیتا ہے۔ جو شخص خداوند تعالیٰ کے ساتھ قرار حاصل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دوسروں کے ساتھ اس کے سکون اور آسائش کے طریقوں کو ضائع کر دیتا ہے۔"

(نفحات الانس، صفحہ ۱۴۴)

Marfat.com

شیخ ابوعمرو بن نجید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ کے سوا کسی اور سے دل لگانا وحشت ہے۔'' •

(نفحات الانس، صفحہ ۴۴۸)

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''چونکہ ذکر اللہ کے ذریعے حق تعالیٰ کی بارگاہ کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت ہو جاتی ہے اگرچہ (ذکر کو) اس پاک ذات کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے۔ ما للتراب ورب الارباب (خاک کو پروردگار عالم کے ساتھ کیا نسبت ہے) لیکن ذکر کرنے والے اور جس کا ذکر کیا جائے اس کے درمیان ایک قسم کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے، جو محبت کا سبب بنتا ہے، اور جب محبت غالب ہوگئی تو پھر اطمینان کے سوا کچھ نہیں ہے، اور جب معاملہ دل کے اطمینان کے حصول تک پہنچ گیا تو اس کو ہمیشہ کی دولت حاصل ہوگئی۔''

(مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب۔۹۲)

حضرت مجدد الف ثانی نے ایک دوسرے خط میں تحریر فرمایا:

''پانچوں وقت کی نماز اور سنن موکدہ بجالانے کے بعد اپنے تمام اوقات کو اللہ تعالیٰ جل سلطانہٗ کے ذکر میں مصروف رکھنا چاہئے اور اس کے سوا اور کسی چیز میں مشغول نہیں ہونا چاہئے۔ خواہ وہ کھانے اور سونے کے اوقات ہوں یا آنے جانے کے اوقات۔'' (مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب۔۹۳)

بابا فرید الدین گنج شکر نے اپنے پیرومرشد کے حوالے سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی یہ بات نقل کی ہے کہ:

'' جب تک انسان دنیاوی زنگار محبت کی صیقلی کو اپنے دل سے دور نہیں کرتا اور فکر حق سے انس نہیں کرتا اور غیر کی ہستی کو درمیان سے اٹھا نہیں دیتا وہ ہرگز اللہ کا نہیں ہو

Marfat.com

سکتا۔اس کے بعد کہا،تحفۃ العارفین، میں شبلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں صلاحیت کی بنیاد آدمی میں ہوتی ہے۔وہ دل کی صلاحیت سے تعلق رکھتی ہے۔جب دل صلاحیت اختیار کر لیتا ہے تو آدمی کی اصلاح ہو جاتی ہے۔پھر فرمایا دل مردہ بھی ہوتا ہے اور زندہ بھی۔اللہ کے کلام میں ہے دنیاوی کاموں کی کثرت سے دل مر جاتا ہے تو ذکرِ الٰہی سے اسے زندہ کرو۔اس کے بعد فرمایا! جب دل دنیاوی لذتوں اور شہوتوں سے کھانے پینے میں مصروف ہو جاتا ہے تو غفلت کا اس پر اثر ہوتا ہے اور خواہش اس پر غالب آتی ہے۔ ہر طرف سے دل میں خطرے آنے شروع ہوتے ہیں، جو دل کو کالا کر دیتے ہیں۔صرف اللہ تعالیٰ کی یاد دل کو کالا نہیں ہونے دیتی۔جب دل کالا ہو جاتا ہے گویا وہ مردہ ہو جاتا ہے۔جس زمین میں کھاراپن زیادہ ہو وہ بیج قبول نہیں کرتی۔کہا جاتا ہے کہ یہ زمین مردہ ہے۔اسی طرح جس دل میں ذکر نہ ہو اس پر دیو پری اور مصائب غالب آ جاتے ہیں۔،،

راحت القلوب (مرتبہ حضرت نظام الدین اولیاء) مجلس ۔۳

کہا جاتا ہے کہ جس گھر میں انسان نہ بستا ہو اس میں بھوت پریت کا بسیرا ہو جاتا ہے۔ یہ بات تو محض ایک کہاوت ہے مگر یہ ایک مثال بھی ہے کہ جس دل میں اللہ کی یاد نہ ہو، اس میں بھی ویرانی آ جاتی ہے۔اسی کو دل کا کالا ہونا اور زنگ آلودہ ہونا بھی کہا جاتا ہے یعنی دنیا داری میں مشغولیت کے سبب دل جب زنگ آلودہ ہو جائے تو اسے صیقل کرنے کا یا چمکانے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اللہ کو یاد کر لے۔اس سے زنگ دور ہو جائے گا اور دوبارہ اس میں چمک آ جائیگی۔مردہ دلی، اسی کو کہتے ہیں کہ انسان خدا کو بھول جائے۔اصل میں انسان کی اصلاح کا تعلق دل کی اصلاح سے ہے اگر دل ٹھیک ہو جائے تو پورا جسم اور کردار درست ہو جاتا ہے اور اگر دل بگڑ جائے تو جسم کا نظام بگڑ جاتا ہے۔اسی لئے صوفیہ دل کو درست کرنے پر زور دیتے ہیں۔

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

Marfat.com

شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمن رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''معرفت اس حجاب کو اٹھا دیتی ہے جو بندے اور خدا کے بیچ ہوتا ہے،،

(نفحات الانس صفحہ۔۴۴۹)

اصل میں تصوف کی بنیاد ہی خدا کی محبت پر ہے۔ یہ محبت اگر مضبوط ہوتی ہے تو آدمی کے اندر بہت سی اخلاقی تبدیلیاں آتی ہیں اور اگر یہ محبت کمزور ہو تو بھی کچھ نہ کچھ آدمی میں بدلاؤ تو ضرور آتا ہے۔ جو اپنے خالق و مالک کی محبت کو حاصل کر لے اسے اور کسی چیز کی تمنا نہیں رہتی۔ امام محمد غزالی علیہ الرحمہ نے مکاشفۃ القلوب میں لکھا ہے کہ، حضرت زلیخا نے یوسف کی محبت میں اپنا حسن و جمال اور ملک و مال قربان کر دیا۔ ان کے پاس ستر اونٹوں کی بوجھ کے برابر ہیرے جواہرات تھے، جنھیں عشقِ یوسف میں نثار کر دئے مگر جب انکی زوجیت میں آئیں تو دور دور رہنے لگیں۔ یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ آخر کیا بات ہے کہ پہلے مجھ سے دور رہنا گوارا نہیں تھا اور اب قریب نہیں آتیں، تو انھوں نے جواب دیا پہلے میں یوسف کی دیوانی تھی مگر اب یوسف کو بنانے والے کی دیوانی ہوگئی ہوں۔ اس کی محبت میں کسی کی شرکت گوارا نہیں۔

سُمرن سے من لائیے ، جیسے پانی مین

پران تجے ، چھِن بچھڑے، ست کبیر کہہ دین

یہ محبت ہر محبت سے نرالی ہے۔ اسکا انداز سب سے جدا ہے۔ اسے وہی سمجھ سکتا ہے جسے اس سے کچھ حصہ مل جائے۔ انسان، اپنے بچوں سے، اپنے والدین سے، اپنے دوستوں اور رشتے داروں سے محبت کرتا ہے۔ اسے ہر محبت سکون اور لطف دیتی ہے، لیکن اگر وہ اپنے خالق سے محبت کرنے لگے تو اسے احساس ہوگا کہ یہ محبت ہر محبت سے زیادہ لطف دینے والی ہے۔ اس میں جو دل کو اطمینان اور قلب کو سکون حاصل ہوتا ہے وہ کہیں اور نہیں مل سکتا۔

امام غزالی نے لکھا ہے کہ:

''جب منصور حلاج کو قید میں اٹھارہ دن گزر گئے تو جناب شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان

Marfat.com

کے پاس جا کر دریافت کیا اے منصور محبت کیا ہے؟ منصور نے جواب دیا آج نہیں کل یہ سوال پوچھنا۔ جب دوسرا دن ہوا اور ان کو قید سے نکال کر مقتل کی طرف لے گئے تو وہاں منصور نے شبلی کو دیکھ کر کہا شبلی! محبت کی ابتدا جلنا اور انتہا قتل ہو جانا ہے۔،،

(مکاشفۃ القلوب، باب۔۱۰)

یہ کہنے کے بعد منصور قتل ہو گئے۔ اور وہ بلکل ہی خوفزدہ نہیں تھے بلکہ خوشی کی حالت میں مسکراتے ہوئے اپنی جان، جان آفریں کے حوالے کی۔ اللہ کے راستے میں اپنی جان دینے والے جس ذوق اور شوق کے ساتھ اپنی جان دیتے ہیں، وہ بھی بہتوں کے لئے حیرت انگیز ہوتا ہے۔ ماہرین نفسیات کے لئے بھی یہ کیفیت حیران کن ہوتی ہے۔ صوفیہ کہتے ہیں جب مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف کو دیکھا تو دیکھتی رہ گئیں، انکی انگلیاں کٹ گئیں اور انھیں کٹنے کا احساس تک نہیں ہوا، کیونکہ حسنِ یوسف نگاہوں کے سامنے تھا، اور جب نگاہوں کے سامنے خالقِ یوسف ہو تو گردن کے کٹنے کا احساس کیسے ہو سکتا ہے؟ جب عاشق کی جان جاتی ہے تو اس کے سامنے خود اللہ کا جلوہ ہوتا ہے۔

جان دی ، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مالک کی محبت میں جان دینا

صوفیہ کی نظر میں سب سے پسندیدہ کام ہے اپنے خالق و مالک سے محبت کرنا۔ اسلئے کہ تصوف کی بنیاد ہی محبت پر کھڑی ہے۔ جو اخلاقی خوبیاں آدمی کے اندر آجاتی ہیں وہ تو اس کے طفیل میں آجاتی ہیں۔ جس طرح ہر محبت کرنے والے کو اپنے محبوب کا دیدار پسند ہوتا ہے اسی طرح ایک صوفی کے لئے اپنے مالک کا دیدار محبوب ہوتا ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی کے ملفوظات میں ہے کہ:

Marfat.com

''ابراہیم خواص علیہ الرحمہ نے چند آدمیوں کو ذکر کرتے دیکھا تو ان پر وجد طاری ہو گیا۔ وہ رقص کرنے لگے۔ سات دن رات رقص کرتے کرتے، بے ہوش ہو جاتے۔ جس وقت ہوش آتا تو تازہ وضو کرتے، جونہی اللہ کا نام زبان پر آتا بے ہوش ہو جاتے، سر سجدہ میں رکھ کر یا اللہ کہا اور جان بحق ہو گئے۔''

دلیل العارفین (مرتبہ، قطب الدین بختیار کاکی) مجلس۔۴

بھلا ہوا موری مٹکی پھوٹی ری
میں تو پنیا بھرن سے چھوٹی ری

اسی طرح ملفوظاتِ خواجہ معین الدین چشتی میں ہے حضرت رابعہ بصریہ سے پوچھا گیا کہ سب سے اچھا کام کونسا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا:

''اپنے وقت کو اللہ کی یاد میں بتانا، جو شخص بزرگی کا دعویٰ کرے اور اس میں مراد پائی جائے تو سمجھو وہ جھوٹا ہے، محبت کے دعوے میں۔''

(دلیل العارفین، مجلس۔۱۱)

یہی ذکر اور محبت کے جذبات انسان کے دل کو غمِ دنیا سے آزاد کر دیتے ہیں، ہر فکر سے الگ کر دیتے ہیں اور ایک ایسی تڑپ اس کے دل میں جگا دیتے ہیں جو اسے ہر تڑپ سے دور کر دیتی ہیں۔

دلوں کو فکرِ دوعالم سے کر دیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

خواجہ معین الدین چشتی نے فرمایا کہ:

''راہِ محبت میں عاشق وہ ہوتا ہے جو دونوں جہان سے دل کو الگ کرلے۔ محبت کے چار معنٰی ہیں۔ پہلے ذکرِ الٰہی میں دل و جان سے خوش رہنا، دوسرے ذکرِ حق کو بلند کرنا، تیسرے دنیا کی گندگی سے تعلق کو توڑ لینا، چوتھے اپنے اور اس کے سوا سب کی حالت پہ رونا۔'' (دلیل العارفین، مجلس۔۱۰)

Marfat.com

خدا کی محبت تب ہی مکمل ہوتی ہے، جب دنیا کی ہر چیز کی محبت پر، یہ محبت غالب آجائے، یعنی آدمی اپنی اولاد، والدین اور تمام عزیزوں سے بڑھ کر خدا کی ذات سے محبت کرنے لگے۔ خدا کی محبت اگر غالب آگئی تو آدمی کی زبان پر اسی کا ذکر سب سے زیادہ ہوگا۔ یہ ذکر دل اور زبان دونوں سے ہوگا۔ جب ایسا ہوگا تو انسان ہر فکر سے نجات پالے گا اور اسے دلی اور قلبی سکون مل جائے گا۔ جو اس مقام پر پہنچ جائے گا اس کے لئے دماغی تناؤ اور ڈپریشن کا کوئی مطلب نہیں رہ جائے گا، لیکن اگر اس مقام تک نہیں پہنچ پایا تو بھی اسکی شخصیت میں کئی اہم تبدیلیاں ضرور رونما ہونگی اور وہ زندگی میں حاصل ہونے والی ناکامی کو بھی اللہ کی مرضی تصور کریگا۔ ایسی حالت میں وہ صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑے گا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے ایک موقع پر آنکھوں میں آنسو بھر کر فرمایا کہ:

> ''جو محبت کا دعویٰ کرے اور مصیبت کے وقت فریاد کرے وہ سچا نہیں بلکہ جھوٹا دوست ہوتا ہے۔ دوستی اس بات کا نام ہے کہ جو کچھ دوست کی طرف سے آئے اس پر راضی رہے اور لاکھوں شکر بجالائے، کہ شاید وہ اس بہانے یاد کرے۔ اس کے بعد رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے متعلق فرمایا کہ جب ان پر کوئی بلا نازل ہوتی تو آپ خوشی سے کہتیں۔ آج اس بڑھیا کو دوست نے یاد کیا۔ جس روز تکلیف نہ ہوتی تو رو کر کہتیں، آج کیا ہوگیا اور مجھ سے کیا غلطی ہوگئی کہ مجھے یاد نہیں کیا گیا۔''
>
> (فوائد السالکین، مجلس ۔۲)

مشقِ ستم فرماتے رہئے
یوں ہی مجھے تڑپاتے رہئے

محبوب کی ہر چیز محبّ کے لئے باعث خوشی ہوتی ہے۔ وہ اسکے غم کو بھی اپنے دل سے لگائے رہتا ہے اور اس سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔ یہ محبت کے تکمیل کی علامت ہے، جو اچھے وقت میں کسی کے ساتھ رہے مگر برے وقت میں اسے چھوڑ دے وہ سچا دوست نہیں ہوتا۔ بالکل اسی طرح اگر بندہ اللہ سے سچی محبت کرتا ہوگا تو اسکی طرف سے ملنے والے ہر غم کو ذوق وشوق سے

Marfat.com

برداشت کرے گا۔ یہ غم اسے ہر غم سے نجات دلا دے گا۔ یہ ایک فکر اسے ہر فکر سے آزاد کر دیگی۔ ایک بار پھر پڑھیے:

''بیشک اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔''

OOO

کتابِ محبت کبھی ختم نہیں ہوتی۔

OOO

Marfat.com

Marfat.com